بسم اللہ الرحمن الرحیم

بفیضِ روحانی: حضور مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ

من یرد اللہ بہ خیرًا یفقہہ فی الدین (حدیث)

علوم ومعارف اور تحقیقات نادرہ کا گنج گراں مایہ

المکرمۃ النبویۃ فی الفتاوی المصطفویۃ

مسمی بہ

فتاویٰ مفتیِ اعظم

جلد سوم

تصنیف منیف

امام الفقہاء والمشائخ تاجدار اہل سنت شہزادۂ اعلیٰ حضرت

حضور مفتی اعظم ابو البرکات محی الدین حضرت علامہ شاہ

محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہٗ

(متوفی: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء)

امام احمد رضا اکیڈمی

صالح نگر، بریلی شریف (یوپی)-۲۴۳۵۰۲

سلسلہ اشاعت ←—— (۷۸)

:، المكرمة النبوية في الفتاوى المصطفوية

: فتاویٰ مفتی اعظم

تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم حضرت علامہ
شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں قادری نوری قدس سرہٗ

تیب جدید: محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

رجمہ: محمد حنیف خاں رضوی، مولانا محمد جابر خاں،
مولانا محمد عرفان، مولانا اویس قرنی، مولانا محمد ندیم

ت وفہرست: مولانا عبد السلام صاحب رضوی، محمد حنیف خاں رضوی

ـوسیٹنگ: محمد منیف رضا خاں برکاتی، مولوی محمد زاہد علی شاہدی
مولوی محمد نعیم نوری، محمد عفیف رضا برکاتی

اعت: گیارہ سو (۱۱۰۰)

ت: (۱۴۳۶ھ/۲۰۱۴ء)

امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

Rs: 3500/-

E-mail: mohdhanif92@gmail.com
Web: www.imamahmadrazaacademy.com

(ملنے کے پتے)

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر رام پور روڈ بریلی شریف، پن 243502
رضا اکیڈمی، ۵۲ رڈونتاڈ اسٹریٹ کھڑک، ممبئی پن 400009
کتب خانہ امجدیہ ۴۲۵/۷ مٹیا محل جامع مسجد، دہلی ۶
رضا دار الاشاعت، آنند وہار بریلی شریف (یو۔پی)
قادری بک ڈپو، نواب چوک چھوٹی جامع مسجد اسٹیشن روڈ اسلام پور اتر دیناجپور (بنگال)

فہرست عنوانات

جلد سوم

کتاب الصلاۃ

کتاب الجنائز

کتاب الزکاۃ

کتاب الصوم

فہرست مسائل

نماز کا بیان

امامت

وتر

مکروہات

عیدین

كتاب الجنائز

کتاب الزکاۃ

کتاب الصوم

اس جلد کا اجمالی تعارف

اس جلد کے عناوین وابواب حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب الصلاۃ کے ضمن میں پندرہ ابواب ہیں:

۱۔نماز ۲۔قرأت

۳۔امامت ۴۔جماعت

۵۔وتر ۶۔مکروہات

۷۔قضانماز ۸۔جمعہ

۹۔خطبہ ۱۰۔عیدین

۱۳۔مساجد ۱۴۔عیدگاہ

۱۵۔ذکرودعا

اورکل فتاویٰ کی تعداد پچاسی (۸۵) ہے۔

(۲) کتاب الجنائز کے تحت تین ابواب ہیں:

(۱)نماز جنازہ (۲)اذاب قبر

(۳)تدفین

اورکل فتاویٰ کی تعداد سولہ (۱۶) ہے۔

(۳) کتاب الزکاۃ کے تحت مندرجہ ذیل چار (۴) ابواب ہیں:

(۱)زکاۃ (۲)نصاب

(۳)عشر (۴)صدقہ فطر

(۴) کتاب الصوم کے تحت مندرجہ ذیل پانچ ابواب ہیں:

(۱)رویت ہلال (۲)روزہ

(۳)مسائل (۴)قضاروزہ

(۵)نفل روزہ

اورکل فتاویٰ کی تعدا آٹھ (۸) ہے۔

کتاب الصلاۃ

(۱) نماز کا بیان

معراج سے قبل حضور نے تعلیم الٰہی سے نماز پڑھی بلکہ پڑھائی

کسی امام کی تقلید کا سوال لایعنی

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ....

(۱) جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز شروع میں کس نے پڑھائی اور موافق کس امام ے مقلدوں کے پڑھائی۔

(۲) رفع یدین اور آمین بالجہر کس موقع پر کہی ہے، اور کس موقع پر منع فرمایا ہے۔ بینوا جروا۔

از بہیڑی مسئولہ بعض غیر مقلدین، ۲۶؍جمادی الآخرہ ۱۵ھ۔

الجواب

حضور علیہ الصلاۃ والسلام الی یوم النشور فرضیت صلاۃ سے پہلے نماز پڑھتے تھے، یہی دیکھو کہ نماز ۃ الاسرا میں فرض ہوئی، اور فرض ہونے سے پہلے کہ وہ بعد عروج ہوا، قبل عروج الی السما حضور علیہ صلاۃ بہ العزیز الغفور نے بیت المقدس میں نماز با جماعت پڑھی، حضور نے امامت فرمائی، اور انبیائے کرام علیہم سلاۃ والسلام نے اقتدا کی، اذان واقامت بھی ہوئی، جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے تو بعد فرضیت روز صبح لیلۃ الاسرا سے امامت کی ہے، وہ برائے تعلیم صلاۃ نہیں، بلکہ برائے تعلیم اوقات تھی، حضور کو نماز ضور کے رب عزیز غفور جل جلالہ وعم نوالہ نے سکھائی، جس نے انہیں ذرے ذرے قطرے قطرے کا عالم یا، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ امام شافعی وامام احمد وامام نسائی وترمذی وابوداؤد وغیرہ نے جو احادیث امامت رئیل روایت کی ہیں، ان سے یہ ظاہر و باہر ہے۔

نسائی کی ایک حدیث مواہب لدنیہ اور اس کی شرح علامہ زرقانی سے نقل کریں:

((عن جابر بن عبد اللّٰہ أن جبرئیل أتی النبي صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم یعلمه مواقیت الصلاۃ صبیحة لیلة الأسراء، فتقدم جبرئیل ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم خلفه والناس خلف رسول اللّٰہ ، فصلی الظهر حین زالت الشمس، وأتاہ حین کان الظل مثل شخصه فصنع کما صنع(في الظهر)،فتقدم جبرئیل وَرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم خلفه فصلی العصر(في أول وقته)،ثم أتاہ حین وجبت الشمس فتقدم جبرئیل ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم خلفه والناس خلف رسول اللّٰہ فصلی المغرب (لأول وقتها)،ثم أتاہ حین غاب الشفق فتقدم جبرئیل ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم خلفه والناس خلف رسول اللّٰہ فصلی العشاء(أول وقتها)،ثم أتاہ حین انشق الفجر، فتقدم جبرئیل ورسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم خلفه والناس خلف رسول اللّٰہ فصلی الصبح أول وقته، ثم أتاہ جبرئیل في الیوم الثاني حین کان ظل الرجل مثل شخصه، فصنع کما صنع بالأمس،(من تقدمه والنبي خلفه والناس خلف النبي صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم)فصلی الظهر(في الوقت الذي صلی فیه العصر بالأمس)،ثم أتاہ حین کان ظل الرجل مثل شخصه، فصنع کما صنع بالأمس فصلی العصر(في آخر وقتها)ثم أتاہ حین وجبت الشمس فصنع کما صنع بالأمس فصلی المغرب(في أول وقتها کما صلاها أمس،ثم أتاہ حین غاب الشفق فصنع کما صنع بالأمس فصلی العشاء، ثم أتاہ حین امتد الفجر(في أفق السماء)وأصبح والنجوم بادیة مشتبکة وصنع کما صنع بالأمس فصلی الغداۃ، ثم قال:مابین هاتین الصلاتین(في الیومین)للصلاۃ وقت"(١)

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس شب معراج کی صبح آپ کو اوقات نماز تعلیم فرمانے آئے، تو جبریل آگے کھڑے ہوئے اور سرکار ان کے پیچھے تھے اور آپ کے پیچھے لوگ تھے تو زوال شمس کے وقت ظہر پڑھائی اور دوبارہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے جب ہر چیز کا سایہ اس کے ایک مثل کے برابر ہو چکا تھا، پس انہوں نے ظہر کی طرح عمل کیا یعنی جبریل آگے بڑھے اور عصر کی نماز اول وقت میں پڑھائی، پھر غروب شمس کے وقت آئے پس جبریل آگے بڑھے، اول وقت میں مغرب پڑھائی، پھر اس کے بعد غیبوبت شفق کے وقت

---

(١) [شرح العلامة الزرقاني علی المواهب اللدنية . الفصل الثاني في ذکر تعیین

عشا پڑھی، اس کے بعد پو پھٹنے کے وقت آئے اور جبریل آگے بڑھے اور فجر کی نماز پڑھائی اول وقت
، اور دوسرے دن اس وقت تشریف لائے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو چکا تھا، اور کل کی طرح عمل کیا
) آپ سرکار کے آگے کھڑے اور نبی کریم ان کے پیچھے کھڑے ہوئے اور سارے لوگ آپ کے پیچھے
، تو آپ نے ظہر اس وقت میں پڑھی جس وقت گذشتہ دن عصر پڑھی تھی، اس کے بعد پھر جبریل آئے
، ہر چیز کا سایہ مرد کے قامت کے برابر ہو گیا، پس انہوں نے کل والا عمل کیا، پس عصر آخر وقت میں
)، بعدہ غروب شمس کے وقت آئے اور کل والا عمل کیا، پس مغرب اول وقت میں پڑھی جس طرح کل
ئی تھی، اس کے بعد وہ پھر سرکار کے پاس آئے اور کل کا سا عمل کیا پس عشا پڑھی، پھر جبریل سرکار کے
فجر صادق افق آسمان کے پھیلنے کے وقت آئے، حالاں کہ صبح ظاہر اور تارے ملے ہوئے تھے۔ اور
ں نے کل ہی کا سا عمل کیا اور فرمایا: ان دونوں وقتوں کے درمیان نماز کا وقت ہے۔ (مترجم)

اس سوال سے غیر مقلد کو کیا فائدہ۔ محض بے کار سوال ہے۔ یہ اگر قطعاً معلوم ہوتا کہ اس طرح
ر نے نماز پڑھی، اور اسی طرح پڑھتے رہے، یہاں تک کہ وصال مبارک ہوا، تو ائمہ میں اختلاف ہی
ں ہوتا۔ ہر امام اپنے اجتہاد سے جس نتیجہ پر پہنچتا ہے وہ ظن غالب ہوتا ہے، جو فقہیات میں ملحق بالیقین
نہ کہ یقین و جزم و قطع اجتہاد سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر اگر اس نماز خاص کا علم قطعی بھی ہوتا جو حضور قبل
ت صلاۃ پڑھا کرتے، یا جو لیلۃ الاسرا بیت المقدس میں پڑھی، جس میں انبیا کی امامت فرمائی، یا وہ
بں بعد فرضیت دو دن حضرت جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے امامت کی۔ تو اس کے علم قطعی سے
نلد کیا پاتا؟ کہ نسخ کا امکان موجود۔ جب اس طریقہ سے کچھ مختلف طریقہ پر پھر حضور کا آخر وقت
کسی امام کو پہنچتا، وہ اس حدیث سے جب کہ وہ ناسخ ہو سکتی، پہلے طریقہ کے منسوخ ہونے کا قول
، اور جسے نہ پہنچتی وہ اسی طریقہ پر کار بند رہتا۔ ابتدائے اسلام میں بعد فرضیت صلاۃ تو سوا مغرب باقی
ازوں کی دو دو رکعتیں تھیں، پھر کیا غیر مقلد یہ دیکھ کر آج بھی سب نمازوں کی سوا مغرب کے دو دو
ں ہی فرض جانے گا۔ دو دو ہی پڑھا کرے گا۔

روایت ابن خزیمہ و ابن حبان و بیہقی از حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ سے روشن کہ جب تک مکہ
تشریف رکھی فجر، ظہر، عصر، عشا سب میں دو دو ہی رکعت فرض پڑھے۔ اول اول مدینہ طیبہ میں بھی،
ب مدینہ طیبہ میں مطمئن ہو کر تشریف رکھی تو سوا فجر اور نمازوں، ظہر، عصر، عشا میں زیادت فرمائی
جر میں بوجہ طول قرأت زیادت نہ فرمائی گئی۔

((عن عائشة رضي الله تعالى عنها فرضت صلاة الحضر

فلما قدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المدینة واطمئن زید في صلاۃ الحضر رکعتان رکعتان، وترکت صلاۃ الفجر لطول القراءۃ وصلاۃ المغرب، لأنها وتر النهار))(۱)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ اولاً سفر وحضر کی نماز دو دو رکعت فرض کی گئی تھی، پھر جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور آپ کو اطمینان حاصل ہو گیا حضر میں دو دو رکعتیں بڑھا دی گئیں، اور نماز فجر کو سابق حال پر قراءت کے طویل ہونے کی وجہ سے باقی رکھا گیا، اور مغرب کو اس لیے کہ وہ دن کا وتر ہے۔ (مترجم)

اسی بنا پر فتح الباری شرح صحیح البخاری میں امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا:

((إن الصلاۃ فرضت لیلة الاسراء رکعتین رکعتین إلا في المغرب، ثم زیدت بعد الهجرۃ إلا الصبح))(۲)

بے شک نماز شب معراج دو دو رکعت فرض کی گئی سوائے مغرب کے پھر بعد ہجرت بڑھادی گئی سوائے فجر کے۔ (مترجم)

ابتدائے اسلام کے احکام پر نظر کی جائے تو دو دو رکعتیں غیر مقلد پڑھا کرے، اور اسی کو فرض جانے۔ بہت ایسی باتیں ملیں گی جن پر غیر مقلد کو اس کے طور پر عمل ناگزیر ہوگا۔ مثلاً نماز میں کلام، مسجد میں مستعمل جوتیاں پہنے آنا، بلکہ نجاست سے ملوث جوتیاں پہنے نماز پڑھ لینا۔ ولاحول ولا قوۃ إلاباللہ العلي العظیم. واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے رفع وعدم رفع دونوں مروی، اور بیک وقت دونوں پر عمل ناممکن۔ لہذا کسی ایک کی ترجیح درکار، اور وہ بے مرجح ممکن نہیں۔ تو اقوال صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور قیاس سے چارہ نہیں، ان کی طرف مصیر ناگزیر، جو قیاس کا منکر ہے تو اسے یہاں کسی پر عمل ممکن نہیں، مگر باتباع ہوا۔ کہ اس کی ہوا جسے اڑا دے وہ اڑ جائے گا، جو باقی رہ جائے گا وہ اس پر عمل کرے گا، مگر اس عمل سے حاصل کچھ نہ ہوگا۔ اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا، خالی ہوا۔ شوافع کے دامن میں وہ نہیں آسکتا، اور حنفیہ سے تو گریزاں تھا ہی، حنفیہ عدم رفع کو بعض اصول سے مرجح ٹھہراتے ہیں، شوافع رفع کو دوسرے اصول پر اپنا مذہب، اور یہ متبع ہوائے نفس۔ لاإلیٰ هؤلاء ولا إلیٰ هؤلاء، بے اصل باتیں بناتا، اور

---

(۱) [فتح الباري شرح صحیح البخاري، کتاب الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ في الأسراء: ۲/۱۱]

اٹکل پچو ہوائی گھوڑے دوڑاتا ہے، اور اگر کہے کہ ہم بھی شافعی اصول پر عمل کرتے ہیں، تو ان کی تقلید کا پھندا بھی اپنے گلے میں ڈال لیا، اور پھر بھی ہوائے نفس کی مصیبت سے پیچھا نہ چھوٹا۔ کہ جس میں نفس نے چاہا شافعی اصول اختیار کرلیا، اور جہاں چاہا اسے چھوڑا حنفیہ کا مذہب اختیار کرلیا، اور جب چاہا اسے چھوڑا مالکیہ کا دامن تھاما، جب چاہا اسے چھوڑا حنبلیہ سے رشتہ جوڑلیا، اور جب چاہا اسے چھوڑا پھر شافعیہ کا اخذ کرلیا۔ یوں ہی چک پھیریاں کرتے رہے۔ اس عمر بھر کے طواف کا نتیجہ اور اس کے ثواب کا جو ثمرہ ملا وہ یہ کہ ہوائیہ لقب پایا۔ یک در گیر محکم گیر پر عمل نہ کیا، تو حاصل کیا ہوا، یہ غیر مقلد گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔ جہاں جاتا ہے در در، پھٹ پھٹ سنتا ہے۔

دربارۂ رفع یدین حنفیہ وشافعیہ میں اختلاف ہے۔ شوافع رفع کو اپنے اصول سے مرجح ٹھہراتے ہوئے قائل ہیں:

((عن ابن عمر قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا قام للصلاة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه ثم كبر، فإذا أراد أن يركع فعل مثل ذلك، وإذا رفع من الركوع فعل مثل ذلك، ولا يفعله حين يرفع رأسه من السجود))(١)

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام جب نماز کو کھڑے ہوتے تو دونوں دست مبارک اپنے دونوں دوش اقدس تک اٹھاتے، پھر تکبیر تحریمہ فرماتے، پھر جب ارادۂ رکوع فرماتے تو پھر اسی طرح رفع یدین کرتے، اور جب رکوع سے اٹھتے تو پھر ایسا ہی رفع یدین فرماتے، اور سجدہ سے سر مبارک اٹھاتے وقت رفع یدین نہ کرتے۔ أخرجه الستة عن الزهري عن سالم عن أبيه عبد الله بن عمر۔

یہ حدیث چھ اصحاب صحاح نے زہری سے، انہوں نے سالم سے، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت سیدنا عبد اللہ بن سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی۔ یہ حدیث ایک جماعت صحابہ سے مروی ہے۔ جیسے حضرت مولیٰ علی وحضرت ابو ہریرہ، وحضرت وائل بن حجر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ شوافع نے اس کی سند عالی سمجھی تو اپنے اصول ترجیح بعلو الاسناد کی بنا پر اس حدیث کو مرجح ٹھہرایا، اور اپنا معمول بہ بنایا۔ حنفیہ نے اپنے اصول ترجیح بفضل فقہ الراوی لا بعلو الاسناد سے اس کے معارض اس حدیث کو اپنے مذہب مہذب عدم رفع کی بنا رکھی۔

((عن عبد الله بن مسعود أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يرفع يديه عند تكبيرة الإفتتاح ثم لا يعود))(۱)

یعنی حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام تکبیر افتتاح کے وقت رفع یدین فرماتے تھے پھر نہ فرماتے۔

رواه الإمام الأعظم والإمام الأوزاعي حين روي حديث ابن عمر المذكور أمامه عن حماد عن إبراهيم النخعي عن علقمة والأسود عن عبد الله بن مسعود.

اسے امام اعظم اور امام اوزاعی نے روایت کیا ہے، جب ابن عمر کی مذکورہ حدیث ان کے سامنے۔ عن حماد، عن إبراهيم، عن علقمه والأسود عن عبد الله بن مسعود۔

امام اوزاعی اور امام اعظم دار الحناطین مکہ معظّمہ میں مجتمع ہوئے، امام اوزاعی نے دریافت کیا: "مابالكم لا ترفعون عند الركوع والرفع منه." "یعنی آپ لوگ (اہل عراق) رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھ کر کیوں رفع یدین نہیں کیا کرتے؟

امام نے فرمایا:

"لأجل أنه لم يصح عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فيه شيء"

اس لیے کہ اس رفع کے بارے میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے کچھ درجہ صحت کو نہ پہنچا۔

امام اوزاعی نے کہا:

"كيف لم يصح وقد حدثني زهري الخ."

کیسے صحیح نہ ہوا کہ مجھ سے زہری نے حدیث بیان کی، اور وہی حدیث مذکور ابن عمر مع سند پڑھی۔

امام نے فرمایا:

"حدثنا حماد عن إبراهيم الخ" یہی حدیث مع سند فرمائی۔

اس پر اوزاعی نے تعجب سے فرمایا:

"واعجبا أحدثك عن الزهري عن سالم عن أبيه وتقول حدثني حماد عن

---

(۱) [نخب الأفكار في شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع

راهیم."

میں تو آپ سے حدیث زہری عن سالم عن ابن عمر بیان کرتا ہوں، اور آپ فرماتے ہیں: مجھ سے
دیث بیان کی حماد نے ان سے ابراہیم نے۔

امام نے فرمایا:

"كان حماد أفقه من الزهري، وكان إبراهيم أفقه من سالم، وعلقمة ليس
دون ابن عمر في الفقه وإن كانت لابن عمر صحبة وله فضل صحبة، ولولا سبق
ن عمر لقلت علقمة أفقه منه، والأسود له فضل كثير وعبد الله عبد الله."

یعنی حماد زہری سے اور ابراہیم نخعی سالم سے افقہ ہیں، اور علقمہ حضرت ابن عمر سے فقہ میں کم
یں، اگرچہ حضرت ابن عمر کے لیے صحبت وفضل صحبت ہے، اور اگر حضرت ابن عمر سابق نہ ہوتے تو میں
ماتا کہ علقمہ ان سے افقہ ہیں۔ اور اسود کے لیے بڑا فضل ہے، یا فضل کثیر ہے۔ اور حضرت عبد اللہ ابن
سعود تو عبد اللہ ہیں۔

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق آخر مروی:

((ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم؟قال: فصلى
لم يرفع يديه إلا في مرة.وفي لفظه: فكان يرفع يديه في أول مرة ثم لا يعود))
خرجه أبوداؤد والترمذي عن وكيع عن سفيان الثوري عن عاص بن كليب عن
بد الرحمن بن الأسود عن علقمة.قال الترمذي : هذا حديث حسن ، وأخرجه
نسائي عن ابن مبارك عن سفيان الثوري الخ."(١)

کیا میں تمہیں سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرح نماز نہ پڑھاؤں، پھر آپ نے نماز
ھی تو آپ نے صرف تکبیر افتتاح کے وقت ہاتھ اٹھائے، اور ان کے الفاظ ہیں کہ آپ نے تکبیر افتتاح
کے وقت ہاتھ اٹھائے پھر دوبارہ دوران نماز ہاتھ نہیں اٹھائے، اسے ابوداؤد اور ترمذی نے "عن وكيع
ن سفيان الثورى عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن اسود عن علقمه" روایت کیا
ہے، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے، اور نسائی نے عن ابن مبارك عن سفيان الثورى الخ
ذکر کیا ہے۔ (مترجم)

---

(١) [سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع: ٧٤٨:١/١٩٩]

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

((صلیت مع النبي صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم ومع أبي بکر ومع عمر رضي اللّٰه عنهما فلم یرفعوا أیدیهم إلا عند التکبیر الأولیٰ في افتتاح الصلاة۔)) رواه الدار قطني وابن عدي عن محمد بن جابر عن حماد بن أبي سلیمان عن إبراهیم عن علقمة بن عبد اللّٰه بن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه۔(۱)

میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ نے صرف افتتاح صلاۃ پر تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھائے۔ اسے دار قطنی اور ابن عدی نے **عن محمد بن جابر عن حماد بن أبي سلیمان عن إبراهیم عن علقمه بن عبداللّٰه بن مسعود** سے روایت کیا ہے۔(مترجم)

نیز ہمارا متمسک یہ حدیث ہے:

((عن البراء أنه قال:رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم رفع یدیه حین افتتح الصلاة، ثم لم یرفعهما حتی انصرف)) رواه أبو داؤد بإسناده"(۲)

حضرت براء سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے افتتاح صلاۃ کے وقت ہاتھ اٹھائے پھر اختتام نماز تک ہاتھ نہیں اٹھائے۔ اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔(مترجم)

نیز یہ حدیث:

((عن جابر بن سمرة قال:خرج علینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم فقال: مالي أراکم رافعي أیدیکم کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا في الصلاة)) رواه مسلم۔(۳)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمہیں بدکے ہوئے گھوڑوں کی

---

(۱) [سنن الدار قطني ،کتاب الصلاة،باب ذکر التکبیر ورفع الیدین عند الافتتاح والرکوع والرفع منه:۱/۲۹۵]

(۲) [سنن أبي داود، کتاب الصلاة باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع: ۱:۷۵۲/۲۲۰]

ں کی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے دیکھ رہا ہوں، نماز میں سیدھے کھڑے رہو۔ (مترجم)

نیز یہ حدیث:

((عن عبد اللّٰہ بن عمرو ابن عباس أنهما قالا: قال النبي صلی اللّٰہ تعالٰی علیه لم: ترفع الأیدي في سبعة مواطن، عند افتتاح الصلاة، وعند استقبال البیت، صفا، والمروة، والموقفین، والجمرتین))(۱)

حضرت عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: کہ سرکار لم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: سات مقامات پر ہاتھ اٹھاؤ: تکبیر افتتاح کے وقت، استقبال قبلہ قت، صفا اور مروہ میں، موقفین کے وقت، جمرتین کے وقت۔ (مترجم)

اور ایک روایت میں یوں:

((لا ترفع الأیدي إلا في سبعة مواطن.))(۲)

صرف سات مقامات پر ہاتھ اٹھاؤ۔

اس رفع یدین کے بارے میں جو طرق وآثار ہیں وہ اس قدر ہیں کہ ان کا احصا صعب ودشوار ۔اور کلام بھی بسیار ہے، اس حدیث متمسک شوافع کے جواب ہمارے علما یہ دیتے ہیں:

(۱) وہ محمول علی الابتدا ہے کہ ابتدا ہی میں ایسا تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ جیسے رفع یدین سجود کہ ہمارے ام شافعی کا اتفاق ہے کہ سجدہ کے وقت کا رفع یدین منسوخ ہے۔ اب وہ مسنون نہیں، علٰی ہذا القیاس یہ یدین رکوع۔

اور اس کا مؤید حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے:

((روي عنه أنه رأی رجلا یصلي في مسجد الحرام یرفع یدیه في الصلاة د الرکوع وعند رفع الراس منه، فلما فرغ من صلاته قال له: لا تفعل فإن هذا ء فعله رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ثم ترکه))

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مسجد حرام میں پڑھتے ہوئے دیکھا جو نماز میں رکوع کو جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کر رہا تھا، جب

[نصب الرایة لأحادیث الهدایة، کتاب الصلاة:۱۶۹۱:۱/۳۹۱]

[نصب الرایة لأحادیث الهدایة، کتاب الصلاة:۱۶۹۱:۱/۳۹۱]

آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا ایسا مت کرو کیوں یہ ایک ایسی شی ہے جسے سرکار دو عالم نے کیا پھر ترک فرمادیا۔ (مترجم)

یعنی آپ نے مسجد حرام میں کسی شخص کو نماز پڑھتے دیکھا کہ وہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے رفع یدین کرتا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا، آپ نے فرمایا: رفع یدین نہ کر کہ یہ ایک شی ہے جسے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا پھر اُسے ترک فرمایا۔

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی کہ فرمایا:

((رفع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فرفعنا وترك فتركنا.))(۱)

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رفع یدین کیا تو ہم نے بھی کیا، اور جب آپ نے چھوڑ دیا تو ہم نے بھی چھوڑ دیا۔

(۲) حضرت عمر وابن عمر۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ یوں ہی حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جن سے وہ رفع یدین کی روایتیں ہیں، خود ان کا عمل ان روایتوں کے خلاف مروی، اور جب راوی روایت کے خلاف عامل ہو اس کی روایت متروک ہوتی ہے۔ کما عرف في موضعه۔

نیز ان حضرات کا اپنی روایات رفع یدین کے خلاف پر عمل یعنی رفع یدین نہ کرنا باعلی ندا منادی کہ ان کی روایات رفع محمول علی الابتدا ہیں، کہ پہلے پہلے ایسا ہوتا تھا، پھر منسوخ ہو گیا، اور نسخ کا انہیں علم ہوا تو منسوخ کو چھوڑا ناسخ کو معمول بہ بنایا۔

حسن ابن عیاش بسند صحیح اسود سے راوی کہ انھوں نے کہا:

((رأيت عمر بن خطاب رضي اللّٰه تعالیٰ عنه يرفع يديه في أول تكبيرة ثم لا يعود)) رواه الإمام الطحاوي رحمه اللّٰه تعالیٰ.(۲)

میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا، تو میں نے دیکھا کہ آپ نے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین فرمایا اس کے بعد دوران نماز اس کا اعادہ نہ فرمایا۔ (مترجم)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت حضرت مجاہد سے مروی، کہ حضرت مجاہد نے فرمایا:

---

(۱) [شرح أبي داود للعيني: ۱۱ باب في رفع اليدين، ۳/۳۰۳]

(۲) [نخب الأفكار في شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع

((صليت خلف ابن عمر فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولىٰ من الصلاة"(١)
میں نے حضرت ابن عمر کی دس سال تک خدمت کی تو میں نے آپ کو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے ہوئے دیکھا۔(مترجم)
نیز حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی نسبت عاصم بن کلیب سے منقول کہ انہوں نے کہا:
((صليت خلف علي سنتين فكان لا يرفع يديه إلا في تكبيرة الافتتاح۔))
یہی عاصم بن کلیب اپنے والد سے راوی:
((إن علياً كرم الله تعالى وجهه يرفع يديه إذا افتتح الصلاة ثم لا يعود))(٢)
میں نے دو سال تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی اقتدا میں نماز پڑھی آپ صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔(مترجم)
نیز ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:
((إن العشرة الذين شهد لهم رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بالجنة ماكانوا يرفعون أيديهم إلا لافتتاح الصلاة))(٣)
بے شک عشرہ مبشرہ جن کے جنتی ہونے کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گواہی دی صرف تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے ہاتھ اٹھاتے تھے۔(مترجم)
(۳) سرمایہ اعتماد رواۃ ہوتے ہیں، حدیث عدم رفع کے راوی بدری ہیں۔ جو نماز میں حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے قریب رہتے تھے۔ اور اس حدیث متمسک شوافع کے رواۃ میں زیادہ تر غیر بدری جو حضور سے دور جگہ پر کھڑے ہوتے، اور ظاہر ہے کہ جب ایسے اصحاب کے اقوال متعارض ہوں گے تو اخذ

---

(١) [نخب الأفكار في شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود: ١٧٩/٤]

(٢) [المصنف لابن أبي شيبه، كتاب الصلاة، باب من كان يرفع يديه في أول تكبيره ثم لا يعود: ٢٤٥٧-٢/٤١٦]

(٣) [نخب الأفكار في شرح معاني الآثار، كتاب الصلاة، باب التكبير للركوع والتكبير للسجود: ١٥٤/٤]

بقول الاقرب اولیٰ ہوگا۔غرض جواب بہت ہیں،اور دونوں جانب سے کلام بہت طویل الذیل،شوافع کی جانب سے ان احادیث وآثار اوران کے طرق پر جن سے حنفیہ تمسک کرتے ہیں،کلام ہے جن کے جواب ہمارے علمانے اپنی کتب مبسوطہ میں بسط وتفصیل سے دیے ہیں۔انہیں کہاں تک نقل کریں۔

غرض بعد ایں وآں وچنیں وچناں مقطع کا بند تو یہ ہے کہ رفع اگر چہ بالرفع ثابت،مگر اس کا دوام کہاں ثابت،اور یہ کہاں ثابت ہے کہ پہلے رفع نہیں ہوتا تھا،پھر رفع فرمایا گیا۔بلکہ ابھی اوپر یہ گذر چکا ہے کہ رفع کیا جاتا تھا،پھر ترک فرمایا،اوراس کی ممانعت فرمائی،بس سات جگہ اسے باقی رکھا گیا۔پھر ترک رفع وقت تعارض اخبار ہی اولیٰ ہے،کہ دو حال سے خالی نہیں،کہ یا واقع میں رفع ثابت ہوگا،یا عدم،اگر رفع ثابت ہوگا تو زیادہ بریں نیست کہ وہ سنت ہوگا،اور اگر عدم ثابت ہوگا تو پھر رفع نماز میں ایک ناجائز کام ہوگا۔ظاہر کہ ترک امر ناجائز اتیان سنت سے اولیٰ ہے،رفع ثابت مانو جب بھی اس کا ترک موجب فساد صلاۃ نہیں ہوسکتا،اور عدم رفع ثابت ہوا اور رفع کیا گیا تو یہ اس ترک سے بہت بڑھ کر ہوگا۔نیز حنفیہ فرماتے ہیں کہ ہمارا مذہب یوں راجح ہے کہ یہ بات تو معلوم ہے کہ کچھ اقوال وافعال نماز میں مباح تھے،اس رفع کی جنس سے تھے،اوران کا منسوخ ہونا معلوم ہو چکا ہے۔تو کیا دور ہے کہ یہ رفع عند الرکوع وعند الرفع عن الرکوع بھی انہیں منسوخوں میں شامل ہو،خصوصاً اس صورت میں کہ اس حدیث مثبت رفع کے معارض احادیث ایسی ثابت ہیں جن کا رد نہیں۔بخلاف عدم رفع کہ اس میں احتمال عدم شرعیۃ آہی نہیں سکتا۔"لأنہ لیس من جنس ما عھد فیہ ذلک" بلکہ وہ تو جنس سکون سے ہے کہ جس کے مطلوب فی الصلاۃ ہونے پر اجماع ہے۔

عورت تکبیر تحریمہ میں کاندھوں تک ہاتھ اٹھائے

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱)عورت اگر نماز کی نیت باندھے تو انگوٹھوں کو شانے پر لگا کر باندھے،یا ہتھیلی کا رخ کعبہ کی طرف کرکے نیت باندھے،اور انگلیوں کے سرے کانوں کی لو تک اٹھائے جاویں،یا اس سے اوپر تک؟

(۲)رکوع کرنے میں عورت کے گھٹنے کس قدر ڈھیلے رہیں،یعنی جھکنے میں کس قدر آگے کو نکلے

(۳)عورت اگر سینہ پر ہاتھ باندھے تو تینوں انگلیاں اوپر رکھے، اور باقی انگوٹھے اور چھنگلیا کا
نہ کرے؟

ازشہر کہنہ ازمکان مصطفیٰ علی خاں بریلی شہر۔

الجواب

(۱)عورت کاندھوں تک ہاتھ اٹھائے، انگوٹھے شانوں سے ٹیکنے کا حکم نہیں، مردوعورت میں یہی
ن ہے، کہ مرد کان کی لوتک ہاتھ اٹھائے گا، عورت شانوں تک اس طرح کہ انگلیاں شانوں تک
ں۔ہتھیلیاں چھاتی کے مقابل رہیں۔ہاتھ اٹھاتے وقت ہتھیلیاں قبلہ کی جانب کرنا چاہیے، اور
یاں پھیلالیں، اور بلند رکھنی چاہیے۔

عالمگیریہ میں ہے:

"إذا أراد الدخول في الصلاة كبر ورفع يديه حذاء أذنيه حتى يحاذي
بهاميه شحمتي أذنيه وبرؤوس الأصابع فروع أذنيه كذا في التبيين۔ قال الفقيه
جعفر: يستقبل ببطون كفيه القبلة وينشر أصابعه ويرفعهما، فإذا استقرتا في
ضع محاذاة الإبهامين شحمتي الأذنين يكبر."(۱)

"والمرأة ترفع يديها عندالتكبير حذاء ثديها بحيث تكون رؤس أصابعها
اء منكبيها ؛ لأن ذلك استرلها وأمرها مبني على الستر"(۲)

جب نماز شروع کرنے کا ارادہ کرے تو تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھائے یہاں تک کہ انگوٹھے
ں کی لوتک پہنچ جائیں، اور انگلیوں کے سرے کانوں کے اوپر تک پہنچ جائیں، اسی طرح تبیین میں ہے
یہ ابوجعفر فرماتے ہیں: باطن کف کو قبلہ کی طرف کرے اور انگلیاں پھیلا کر بلند رکھے اور جب یہ دونوں
وں کے کانوں کے برابر پہنچ کر ٹھہر جائیں تو تکبیر کہے، اور عورت تکبیر کے وقت اپنے ہاتھ چھاتی تک
طرح اٹھائے کہ اس کی انگلیوں کے سرے اس کے شانوں کے برابر ہوں، کیوں کہ اس صورت میں
کے لیے ستر زیادہ ہے، اور عورت کا معاملہ ستر پر مبنی ہے۔(مترجم)

(۲)عورت مرد کی طرح رکوع نہ کرے کہ پشت کو ایسا بچھادے کہ اگر پیالہ پانی سے لبریز پشت پر

[الفتاوى الهندية ، كتاب الصلاة ، الباب الرابع في صفة الصلاة:۱/۹۴]

رکھا جائے تو وہ ٹھہر جائے، بلکہ تھوڑا جھکے کچھ گھٹنوں کو بھی جھکائے، اور گھٹنوں پر اعتماد نہ کرے، اور انگلیاں کھلی نہ رکھے، بلکہ ملی ہوئی، اور بازو نہ پھیلائے۔

عالم گیری میں ہے:

"المرأة تنحني في الركوع يسيراً، ولا تعتمد، ولا تفرج أصابعها ولكن تضم يديها، وتضع علىٰ ركبتيها وضعاً وتحني ركبتيها ولا تجافي عضديها"(۱)

عورت رکوع میں تھوڑا جھکے، اور گھٹنوں پر اعتماد نہ کرے، اور انگلیاں کھلی نہ رکھے، بلکہ ملی ہوئی گھٹنوں پر رکھے، اور گھٹنیں جھکا دے لیکن بازو نہ پھیلائے۔ (مترجم)

گھٹنے کچھ تنے ہوئے نہ رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ سجدہ میں دونوں ہاتھ کانوں کے سامنے رہیں۔ مرد و عورت ہر ایک کے۔ اور انگلیاں قبلہ رو۔ پیٹ زانوں سے چپٹا ہوا، رکوع اور سجود دونوں میں سجدہ کے بعد دونوں پاؤں پر بیٹھے۔

مرد کے سجدہ سے اتنی بات میں عورت کا حکم علاحدہ ہے، اور میں جدا نہیں کہ عبارت عالمگیری سے ظاہر:

"يضع يديه في السجود حذاء أذنيه، ويوجه أصابعه نحو القبلة وكذا أصابع رجليه، ويعتمد علىٰ راحتيه ويبدى ضبعيه عن جنبيه، ولا يفترش ذراعيه، ويجافي بطنه عن فخذيه، والمرأة لا تجافي في ركوعها وسجودها، وتقعد علىٰ رجليها، وفي السجدة تفترش بطنها علىٰ فخذيها۔"(۲) واللّٰه تعالىٰ أعلم

سجدہ میں دونوں ہاتھ کانوں کے سامنے رکھے، اور انگلیاں قبلہ رو ہوں اسی طرح پیر کی انگلیاں بھی، اور ہتھیلیوں پر اعتماد کرے، اور بازو پہلو سے جدا رکھے، اور نا ہی پاؤوں کو بچھائے، اور پیٹ زانوں سے چپٹا ہوا نہ رکھے، اور عورت رکوع اور سجود دونوں میں پیٹ چپٹا ہوا رکھے اور پیروں پر بیٹھے، اور سجدہ کی حالت میں پیٹ رانوں سے ملا دے۔ (مترجم)

(۳) ہاں عورت اس طرح ہاتھ باندھے جیسے مرد، بس اتنا فرق ہے کہ مرد زیر ناف باندھے، اور عورت سینہ پر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) [الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة: ۱/۹۶]

مقتدی قعدہ اخیر میں پہلے فارغ ہوجائے تو خواہ خاموش رہے خواہ تشہد وغیر دوبارہ پڑھے

مسئلہ: ۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) اگر امام سے قبل بعد تشہد درود شریف ودعا سے فارغ ہوگیا، تو سلام پھیرنے تک زید کچھ ھے یا خاموش رہے، شرکت جماعت ابتدائی ہو یا درمیانی؟

(۲) جماعت کے اندر بالغوں کی صف میں بچوں کا شامل ہونا ابتدائی یا درمیان میں جماعت ں کو کوئی نقصان پہنچادے گا یا نہیں؟

(۳) تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک ہے؟

(۴) زید کم از کم کتنی نماز پانے پر جماعت پانے کا مستحق کہلاسکتا ہے؟

(۵) اگر رمضان المبارک میں فرض باجماعت نہیں ملے، تو وتر جماعت کا کیا حکم ہے، حنفی مذہب مستحب کب سے کب تک ہے۔ لہذا جنتری کے لحاظ سے آج کل کس وقت پڑھنا چاہیے۔ بینوا روا۔ مسئولہ از شہر کہنہ بریلی۔

الجواب

مقتدی اگر امام سے قبل تشہد اور درود ودعا سے فارغ ہوجائے تو تشہد کو اول سے مکرر پڑھے۔ یا ئی دوسری دعا محفوظ۔ یا وہ جو مشابہ الفاظ قرآن ہو کرے۔ یا کلمہ شہادت کی تکرار کرے۔ یا سکوت ے، جو چاہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ عجلت سے نہ پڑھے، اس طرح پڑھے کہ امام کے ساتھ فارغ ہو۔

غنیہ میں ہے:

”إذا فرغ من التشهد قبل سلام الإمام يكرره من أوله۔ وقيل: يكرر كلمة هادة۔ وقيل: يسكت، وقيل: يأتي بالصلاة والدعاء۔ والصحيح أنه يترسل غ من التشهد عند سلام الإمام.“(۱)

اگر مقتدی امام کے سلام پھیرنے سے پہلے تشہد سے فارغ ہو جائے تو تشہد کو اول سے مکرر

پڑھے۔اور ایک قول یہ ہے کہ کلمہ شہادت کی تکرار کرے۔اور ایک قول یہ ہے کہ سکوت کرے۔اور بعض کا قول ہے کہ درود ودعا پڑھے، جب کہ صحیح یہ ہے کہ عجلت سے نہ پڑھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تا کہ امام کے ساتھ فارغ ہو۔(مترجم)

اور اگر قعدہ اولیٰ میں امام سے پہلے تشہد سے فارغ ہو تو تا فراغ امام خاموش ہی بیٹھے۔یہاں اقوال مختلفہ نہیں۔

اسی میں ہے:

"إذا فرغ من التشهد الأول قبل فراغ إمامه فإنه يسكت قولاً واحداً."(۱)

جب تشہد اول سے امام کے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو جائے تو سکوت کرے۔(مترجم)

اس اشتغال یا سکوت کو تاخیر سلام سے علاقہ نہیں،تاخیر تو جب ہوتی کہ جب تشہد ودرود ودعا سے فارغ ہوتے ہی سلام واجب ہوتا،خروج عن الصلاۃ بلفظ "السلام" واجب ہے۔نہ یہ کہ تشہد ودرود ودعا پڑھتے ہی سلام معاً واجب ہے۔جائز ہے کہ وہ ایک دعا کے بعد اور چند ادعیہ پڑھے۔

پھر یہاں تو ہر طرح متابعت امام میں ہے،جب تک امام سلام نہ پھیرے۔ہاں اگر امام قبل فراغ مقتدی از درود ودعا سلام پھیردے تو اس لیے کہ یہ درود ودعا سنت ہے،مقتدی کو چاہیے کہ متابعت امام کرے،سلام امام کی متابعت میں پھیرے۔متابعت امام فرائض وواجبات میں بے تاخیر لازم،جب کہ کوئی دوسرا واجب عارض نہ ہو،اور اگر کوئی واجب عارض ہو تو یہ نہ کرے کہ اس واجب کے سبب اس کو بالکل ترک کردے، بلکہ اسے کرے،اور پھر متابعت بے تاخیر بجالائے،اس لیے کہ اس واجب کو کر لینا متابعت کو بالکلیہ فوت نہیں کرتا،صرف مؤخر کرتا ہے،اور متابعت بے تاخیر سے واجب بالکل فوت ہوتا ہے تو ایک واجب کی تاخیر ایک کی بالکل تفویت سے اولیٰ ہوئی،ہاں اگر واجب کے موقع پر کوئی سنت عارض ہو تو اسے ترک کیا جائے گا،کہ ترک سنت تاخیر واجب سے اولیٰ ہے۔"هكذا في الغنية. والله تعالیٰ أعلم"

(۲) بچوں کو پیچھے کھڑا کرنا چاہیے۔اگر کوئی بچہ یا چند بچے یا سب جو آئے وہ اگلی صف میں شامل ہوگئے،تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہ آئے گا۔مگر بچوں کو اس سے روکا جائے،جو بچے ۹؍سال یا اس سے کم کے ہوں انہیں زیادہ تاکید پیچھے کھڑے ہونے کی کی جائے،اور جو نا سمجھ بچے نہ ہوں نماز سے پورے

قف ہوں انہیں بھی پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، اگرچہ ۹ رسال سے زیادہ کے ہوں، اگر اگلی صف میں ایسے
بچے کھڑے ہوں تو جو بالغ نہیں، مگر قریب البلوغ ہوں تو نا سمجھ بچوں کی طرح برا نہیں، باقی ہے یہی بہتر کہ
ی صف مردوں کی ہو، اس کے پیچھے ان کی جو ابھی مرد نہیں، ان کے پیچھے عورتوں کی اگر ہوں، ان کے
چھے لڑکیوں کی اگر ہوں، کمافی العالمگیریہ۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

بالکل نا سمجھ بچے اگر بیچ صف میں ہوں گے تو یہ برا ہوگا، جیسے کچھ کچھ فاصلہ سے آدمی کھڑے ہوں
، یہ برا اور گناہ بھی ہے۔

حدیث میں فرمایا:

((تراصوا الصفوف وسدوا الخلل))(١)

صفوں کو خوب اچھی طریقہ سے قائم کرو، اور خلل کو ختم کرو۔ (مترجم)

اور چھوٹے بچوں کے کھڑے ہونے میں یہ بات سد خلل گویا حاصل نہ ہوگی۔ اس لیے اگر کوئی
کھڑا ہو جائے تو یا اسے پیچھے کر دیا جائے، یا جو آتا جائے اسے ایک طرف ہٹا کر اس کی جگہ خود کھڑا ہوتا
ے، مگر جب کہ وہ بچہ نماز سے واقف اور ایسا ہو گویا مرد قریب البلوغ، اسے نہ ہٹایا جائے، کہ جو ادا میں
غ کے قریب ہے گویا وہ بالغ ہے، اور اس بارے میں وہ بالغ مرتبہ رجال میں ہو جانا چاہیے۔

خلاصہ میں فرمایا:

”في الأصل الغلام إذا بلغ مبلغ الرجال ولم يكن صبياً فحكمه حكم
جال، فإن كان صبياً فحكمه النساء وهو عورة من فرق إلىٰ قدمه لا يحل النظر
ه ولو حاذي الأمرد رجلاً لا تفسد صلاة الرجل في ظاهر الرواية، وعند محمد
سد۔ واللّٰه تعالیٰ أعلم، هذا ماعندي والعلم بالحق عند ربي‘(٢،٣)

اصل میں ہے: بچہ (لڑکا) قریب البلوغ ہو جائے اور بچہ نہ رہے تو اس کا حکم مردوں جیسا ہے،
اگر وہ بچہ ہے تو اس کا حکم عورتوں کی طرح ہے، اور وہ عورت ہے سر سے لے کر قدم تک، اس کی طرف
نا جائز نہیں، اور اگر کسی مرد کے برابر میں امرد کھڑا ہو گیا تو ظاہر الروایت کے مطابق مرد کی نماز فاسد نہ

---

١ [مجمع الزوائد، باب في الصف الأول: ٢/٩١]

٢ [البناية شرح الهداية: باب نظر القاضي للمرأة للحكم عليها، ١٢/١٣٤]

ہوگی، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہ میری رائے ہے اور صحیح علم رب تعالیٰ کو ہے۔ (مترجم)

ترتیب بین الرجال والصبیان سنت ہے، فرض وواجب نہیں، جس کے ترک پر نماز میں فساد ہو، جیسے رجال ونساء میں یہ ترتیب فرض ہے کہ اگر یہاں ترک کی گئی کہ کوئی عورت یا وہ سمجھ دار صبیہ جو نماز جانتی ہو اور مشتہاۃ ہو مرد کی صف میں کھڑی ہوگئی، یا مرد سے آگے بڑھ گئی تو اس صورت میں مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ خنثیٰ مشکل ہو تو وہ عورتوں کی صف سے آگے بچوں کی صف کے پیچھے کھڑا ہوگا۔

غنیۃ میں ہے:

"والسنة أن يصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء لما مر من حديث أنس۔ وخنثیٰ المشكل يقوم قدام النساء ولا يقف معهن، ثم الترتيب بين الرجال والصبيان سنة لا فرض، هو الصحيح۔ أما بينهم وبين النساء ففرض عندنا حتى لو حاذت امرأة أو صبية مشتهاة تعقل الصلاة رجلاً أو تقدمت عليه(إلى أن قال)فسدت صلاة الرجل."(۱)

اور سنت یہ ہے کہ پہلے مردوں کی صف ہو، پھر عورتوں کی حضرت انس کی مذکورہ حدیث کے پیش نظر، اور خنثیٰ مشکل (جس میں مرد وزن دونوں کی علامتیں ہوں) عورتوں سے آگے رہیں گے عورتوں کے ساتھ نہیں رہیں گے، لیکن مرد اور بچوں کی ترتیب سنت ہے فرض نہیں، یہی صحیح مذہب ہے، البتہ مرد اور عورتوں کے درمیان ترتیب ہمارے یہاں فرض ہے، یہاں تک کہ کوئی عورت یا مشتہاۃ بچی جو مفہوم نماز سے واقف ہو، کسی مرد کے برابر میں کھڑی ہوگئی یا اس سے آگے کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ (مترجم)

(۳) باجماع جماہیر علما فضل جماعت انشاء اللہ تعالیٰ اسے سلام سے پہلے جزا خیر میں بھی شرکت سے ملے گا۔

غنیۃ میں فرمایا:

"أجمع العلماء على أن فضل الجماعة الموعود في قوله عليه الصلاة والسلام: صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة على ما رواه في

صحيحين يحصل بإدراك أقل الصلاة مع الإمام، ولو كانُ ذلك اخر القعدة
أخيرة قبل السلام لا على قياس قول محمد، فإنه لا بد أن يكون ركعة بأن
ركه قبل رفع رأسه من ركوع الركعة الأخيرة، حتى يدرك فضيلة الجماعة لقوله
ليه الصلاة والسلام: من أدرك ركعة من الصلاة فقد أدرك الصلاة رواه مسلم
الجمهور على خلافه، : لقوله عليه الصلاة والسلام: إذا أتيتم الصلاة فلا تأتوها
نتم تسعون وأتوها وعليكم السكينة، فما أدركتم فصلوا . وما فاتكم فأتموا،
فق عليه . ولفظ ما يشمل ادنىٰ جزء وليس في ذلك الحديث: أن من أدرك دون
كعة لم يدرك الصلاة."والله تعالىٰ أعلم۔(۱)

جماعت کی فضیلت جس کا سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا اپنے اس فرمان عالی
ان میں کہ، نماز باجماعت منفرد کی نماز سے ستائیس (۲۷) درجہ زیادہ فضیلت رکھتی جیسا کہ صحیحین میں
رد ہے، باتفاق جماہیر علما اسے سلام سے قبل جز اخیر میں شریک ہونے سے حاصل ہو جائے گا، امام محمد
ۃ اللہ علیہ کے قول کے برخلاف، کیوں کہ ان کے قیاس کے مطابق ایک پوری رکعت کا پانا ضروری ہے
طور پر کہ مقتدی امام کو آخری رکعت کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پالے تاکہ اسے جماعت کی
یلت حاصل ہو جائے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے نماز کی ایک رکعت
صل کر لی اسے پوری نماز مل گئی، اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے، جب کہ جمہور کا موقف اس کے
س ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ جب تم نماز کو آؤ تو دوڑتے ہوئے مت
ؤ بلکہ اطمینان قلب کے ساتھ آؤ، پس جتنی نماز تم کو مل جائے اسے پڑھ لو، اور جو چھوٹ جائے اسے مکمل
لو، اور لفظ "ما" ادنیٰ جز کو بھی شامل ہے، اور اس حدیث میں اس بات کا تذکرہ نہیں ہے کہ جسے ایک
ت سے کم ملے وہ شخص نماز پانے والا نہیں ہے۔(مترجم)

) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص٤٧٦]

(۲) قرأت

اپنی قراءت کا اتنا علم حاصل کرنا جس سے نماز درست ہو سکے فرض ہے

(۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بکر جو امام ہیں، ہم لوگوں کے اور قاری صاحب سے جامع مسجد میں قراءت سیکھنے جایا کرتے ہیں۔ ایک دن زید نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں جایا کرتے ہو، بکر یعنی امام صاحب نے کہا کہ میں جامع مسجد میں قاری صاحب سے قراءت سیکھنے جایا کرتا ہوں، تاکہ قرآن شریف صحیح طور پر پڑھ سکوں۔ اس کے بعد زید نے کہا کہ قراءت سیکھنا جھگڑا ہے، اس کو چھوڑ دو، اور سادہ طور سے قرآن شریف پڑھتے رہو۔ پس زید کا یہ قول کیسا ہے؟ اور زید کے لیے شرعاً کیا حکم ہے، اور وہ امام بنانے کے قابل ہے یا نہیں؟۔

(نوٹ) اور جو شخص ان سے میل جول رکھے ان کے پیچھے نماز پڑھے، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور عمداً جن لوگوں کے سامنے زید نے ایسے ناگفتہ بہ الفاظ کہے ان کے نام درج ذیل ہیں:

الٰہ نور خاں پیلی بھیت۔ عبداللطیف خاں۔ عاشق علی خاں۔ معزالدین خاں۔ اصغر نور خاں۔

گواہان مذکور بالا کے سامنے زید کے دیگر اقوال یہ بھی ہیں کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت قرآن عظیم کی پڑھی جائے، اس میں بسم اللہ پڑھنا شریعت سے منع ہے، اور امام صاحب سے کہتا ہے کہ نماز مغرب اور عشا میں چھوٹی سورتیں پڑھا کرو۔ زید کے ان اقوال کا شرعاً کیا حکم ہے؟۔

از پیلی بھیت محلہ میاں صاحب مسئولہ جناب الٰہ نور خاں صاحب، ۳۰ ربیع الآخر ۵۳ھ۔

الجواب

اتنی قراءت سیکھنا جس سے آدمی قرآن عظیم صحیح پڑھے فرض ہے۔ جس نے اس سے منع کیا اس نے فرض سے روکا اور ایک فرض کو جھگڑا بتایا اس پر توبہ فرض ہے۔ اسے تجدید ایمان وتجدید نکاح وغیرہ بھی چاہیے۔ بہت بدکلمہ اس کی زبان سے نکلا۔ والعیاذ باللہ۔

اس بارے میں اختلاف ہے کہ اول سورت نماز میں بسم اللہ پڑھے یا نہ پڑھے؟ امام اعظم وامام [illegible] رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک نماز میں اول سورت تسمیہ جائز ہی نہیں، بہتر ہے۔

"أما التسمية عند ابتداء السورة بعد الفاتحة فإنه عند أبي حنيفة لا يأتي بها، لا في حال الجهر، ولا في حال المخافة، وكذا عند أبي يوسف لما تقدم أنها ليست بأية من أول السورة، ولم يرو شيء في الإتيان بهاأول السورة۔ وعند محمد يأتي بها في أول السورة إذا خافت لا إذا جهر؛ لأن المشروع فيها الإخفاء كماتقدم، فلو أتى بها حال الجهر مخافةً يلزم وجود سكتة في أثناء القرأة ولم يؤثر، ولا يلزم مثله في المخافة ملخصاً۔ قال الشيخ المجدد رضى الله تعالىٰ عنه على قول الغنية لم تؤثر۔أقول: بلىٰ، مأثورة في الصحاح، فالصحيح أنه يجوز بل يحسن التسمية أول كل سورة مطلقاً."(۱)

سورۂ فاتحہ کے بعد ابتدائے سورت میں امام اعظم کے نزدیک جہر وسر دونوں حالتوں میں تسمیہ نہیں پڑھے گا یہی امام ابو یوسف کا موقف ہے، جیسا کہ گذر چکا کہ یہ ابتدائے سورت کی آیت نہیں ہیں، اور ابتدائے سورت میں پڑھنے کے بارے میں کوئی حکم مروی نہیں ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سری نماز کے اندر ابتدائے سورت میں پڑھے گا لیکن جہری میں نہیں پڑھے گا، اس لیے کہ اس میں سکوت مشروع ہے، لہذا اگر جہری نماز میں خاموشی سے پڑھے گا تو درمیان قرأت میں سکتہ لازم آئے گا، اور تسمیہ مروی نہیں ہے، اور سری نماز میں یہ خرابی لازم نہیں آئے گی۔ مجدد عصر شیخ امام احمد رضا غنیۃ کے قول 'لم تؤثر" پر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں بلکہ صحاح میں مروی ہے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ مطلقاً ہر سورت کے شروع میں تسمیہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

نماز مغرب میں بہتر سور قصار ہی ہیں۔ عشا میں غلط کہتا ہے۔ عشا میں بہتر اوساط ہیں۔

اس میں اصل حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم کا ارشاد ہے، انھوں حضرت ابوموسیٰ شعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تحریر فرمایا:

"إقرأ في المغرب بقصار المفصل وفي العشاء بوسط المفصل وفي الصبح طوال المفصل. والله تعالىٰ أعلم۔"(۲)

مغرب میں قصار مفصل پڑھو، اور عشا میں اوساط، اور فجر میں طوال مفصل پڑھا کرو۔ (مترجم)

---

۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي.۳۰۱]

۲) [غنية المستملي شرح منية المصلي.۳۰۱]

قراءت میں ''ض'' کو ''ظ'' پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی

(۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک شخص نماز میں ولا الضالین کے بجائے ولا الظالین ظ کی آواز سے پڑھتا ہے۔لہذا ایسے پڑھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟ وہ کہتا ہے کہ: ولا الضالین کو ظ کی آواز سے پڑھوں گا، یہ اصرار کرنے پر اس نے ایک جمعہ کو ولا الضالین کو صحیح پڑھا تو اس نے کہا کہ نہ میری نماز ہوئی اور نہ مقتدیوں کی۔

ازموضع بھنڈورہ ڈاک خانہ بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ شیر محمد خاں۔

الجواب

جب تک وہ توبہ نہ کرے اور ض کو ض نہ پڑھے اس وقت تک اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، جو شخص ض کو ض پڑھ سکتا ہے، اور عمداً ظ پڑھتا ہے، اس کی نماز نماز نہیں، اس کے پیچھے نماز پڑھنا نماز کھونا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض جگہ اگر ض کی جگہ ظ نکل گئی، یا کوئی شخص ہزار ض کو ض کے مخرج سے نکالنے کی کوشش کرتا ہو، مگر وہ ناکام رہتا ہے، تو یہاں دال نہ پڑھے، اگر ظ پڑھے گا نماز ہو جائے گی، کوشش ض کو صحیح نکلنے کی کرتا رہے، مگر اس صورت میں اوروں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔ ہاں اگر بے قصد ض کی جگہ ضالین میں ظ نکل جائے تو اس کی اور وہ امام ہو تو اوروں کی بھی ہو جائے گی۔ جو شخص ض کو ض پڑھ ہی نہ سکے یا جو پڑھ سکے مگر عمداً ض نہ پڑھے، بجائے ض کے ظ وغیرہ پڑھے تو اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ اور عمداً ایسا پڑھنے والا اشد گنہ گار مستحق نار مستوجب غضب جبار ہے۔ علما نے اسے کفر فرمایا، یہ شخص اس سے بھی برتر ہے کہ ض پڑھنے کو کہا کہ نہ میری نماز ہوئی، اور نہ مقتدیوں کی۔ ولاحول ولا قوۃ إلاباللّٰہ العلي العظیم۔

یہ شخص جب تک توبہ نہ تجدید اسلام اور بی بی رکھتا ہو تو اس سے بھی تجدید نکاح جب تک نہ کرے اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھی جائے، یوں ہی جب تک کہ ض کو ض نہ پڑھے، جب تک تائب نہ ہو، اس سے میل جول سلام کلام اور ربط ضبط بھی موقوف کر دیا جائے، جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں سب کا اعادہ لازم، وہ شخص جو ض کو ظ کی آواز ہی سے پڑھنے پر مصر ہے، اور صحیح ضالین پڑھنے کو مفسد نماز جانتا ہے۔ ہرگز لائق امام نہیں جب تک توبہ نہ کرے اس کے ساتھ نشست برخاست یک لخت ترک کردی

عالمگیری میں ہے:

"إن ذكر حرفاً مكان حرف ولم يغير المعنى بأن قرأ إن المسلمون إن الظالمون وما أشبه ذلك لم تفسد صلاته، وإن غير المعنى فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد، فقرأ الطالحات مكان الصالحات تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد، والصاد مع السين، والطاء مع التاء، اختلف المشايخ، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته هكذا في فتاوىٰ قاضي خان، وكثير من المشايخ أفتوا به، قال القاضي الإمام أبو الحسن، والقاضي الإمام أبو عاصم: إن تعمد فسدت، وإن جرى على لسانه أو كان لا يعرف التميز لا تفسد، وهو أعدل الأقاويل والمختار، هكذا في الوجيز الكردري۔ ومن لا يحسن بعض الحروف ينبغي أن يجهد ولا يعذر في ذلك اه. مختصراً"(۱)

اگر آیات ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ دیا اور معنی میں تبدیلی نہ آئے مثلاً "إن مسلمون" کی یا "إن الظالمون" وغیرہ غلط اعراب کے ساتھ پڑھ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر معنی میں تبدیلی آگئی تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ ان دونوں حرفوں میں فرق آسانی سے ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر آسانی سے فرق ہوسکتا ہے مثلاً ص اور ط، پس کسی نے صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا تو بالاتفاق نماز فاسد ہو جائے گی، اور اگر فرق میں دشواری ہو مثلاً ظ، ض، اور ص، س، یا ت اور ط، تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، اکثر کا قول ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اسی طرح فتاویٰ قاضی خاں میں ہے اور بہت سے مشائخ نے اس پر فتویٰ دیا ہے قاضی امام ابوالحسن اور قاضی امام ابوعاصم نے فرمایا کہ اگر اس نے بالقصد پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور بلا قصد پڑھ دیا، یا پھر وہ فرق نہیں کر پایا ہے، تو نماز فاسد نہ ہوگی، یہی سب سے درست اور مختار قول ہے، اسی طرح وجیز کردری میں ہے۔اور جو شخص بعض حروف ٹھیک سے ادا نہ کر پائے اس کے لیے مناسب ہے کہ ادائیگی کی کوشش کرتا رہے، اس کا اس بارے میں کوئی بھی عذر مقبول نہ ہوگا۔ (مترجم)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"إن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد

ختلف المشايخ فيه، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته"(١)
اگر دو حرفوں میں بلا مشقت تفریق نہ ہو سکے مثلاً ض اور ظ، تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے اکثر کا قول ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔(مترجم)

اسی میں ہے:

"لو قرأ الإمام اظطررتم بالظاء تفسد صلاته، كذا لو قرأ الإمام اذطررتم بالذال مكان الضاد تفسد صلاته۔ ولو قرأ بالتاء مع الضاد إلا ماضتررتم لا تفسد صلاته."(٢)

اگر امام نے "اظطررتم" ضاد کے بجائے ظا سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اسی طرح امام نے ذال کے ساتھ "اذطررتم" پڑھا تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اور امام نے ضاد کے ساتھ ت پڑھی یعنی "إضتررتم" تو نماز فاسد نہ ہوگی۔(مترجم)

اسی میں ہے:

"لو قرأ غير المغضوب بالظاء أو بالذال تفسد صلاته، ولو قرأ الضالين بالظاء أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالين بالدال تفسد صلاته."(٣)

اگر "مغضوب" کو ضاد کے بجائے ظا، یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اور "ضالین" کو ظا، یا ذال سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، ہاں اگر "ضالین" کو دال کے ساتھ "دالین" تو نماز نہ ہوگی۔(مترجم)

جامع الفصولین میں ہے:

"يقرأ الظاء مكان الضاد ويقرأ كيف يشاء، وأصحاب الجنة مكان أصحاب النار، لم تجز إمامته ولو تعمد كفر."(٤)

ضاد کی جگہ ظا پڑھتا ہے، یا اپنی مرضی سے جیسے چاہتا ہے پڑھتا ہے، "اصحاب النار" کی

---

(١) [الفتاوى الخانية مع الهندية: ١/١٤١]
(٢) [الفتاوى الخانية مع الهندية: ١/١٤١]
(٣) [الفتاوى الخانية مع الهندية: ١/١٤٣]

'أصحاب الجنة" پڑھتا ہے تو اس کی امامت جائز نہیں ہے۔ جان بوجھ کر ہو تو کفر ہے۔ (مترجم)

ملا علی قاری مکی منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں:

"أما كون تعمده كفراً فلا كلام فيه"(۱). والله تعالىٰ أعلم

[منح الروضِ الأزهر شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلاة:٤٥٧]

اس کا بالقصد پڑھنا بلا شبہ کفر ہے۔ (مترجم)

"ض" کو کسی دوسرے حرف سے بدل کر پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ ہوگی

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(۱) زید حنفی سنی کہتا ہے کہ ضالین پڑھنا جائز ہے، اور بکر کہتا ہے کہ ظالین پڑھنا جائز ہے۔ اس ی ظالین پڑھنے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا کہ نہیں۔ حالانکہ عقائد باطل بھی رکھتا ہے۔ اور وہ ناہ کا مرتکب ہوسکتا ہے، اور ایسے عقائد والوں سے سلام کلام طعام اور بیاہ شادی کرنا کیسا ہے؟

(۲) بعد نماز فجر فرض قبل طلوع آفتاب کے سنت پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

(۳) بعد نماز وتر کے نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہیے یا کھڑے ہوکر۔ بینوا توجروا۔

از قصبہ مگہر محلہ شیر پور ضلع بستی عبد الماجد اشرفی۔ ۱۶ ر رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ

الجواب

جو شخص ض کو بمشقت بھی اس کے مخرج سے نہ نکال سکے وہ اس کو اس کے مخرج سے نکالنے کی ، کرتا رہے، یہ اس پر فرض ہے، وہ معذور نہ ٹھہرایا جائے گا، اگر اس نے کوشش چھوڑی تو ملزم ہوگا، اور ی بجائے جان کر کوئی دوسرا حرف پڑھے گا نماز نہ ہوگی۔ ہاں جو کوشش کرکے بھی صحیح صحیح ض نہ پڑھے ، کی زبان سے بجائے ض کے اگر ظ ادا ہو تو اس صورت میں نماز ہو جائے گی۔ مگر اس کے پیچھے نماز نہ ب تک وہ صحیح نہ پڑھے گا۔ یوں ہی وہ شخص جو ض اور ظ میں فرق سے واقف نہیں اسے تمیز نہیں، وہ ے ض ضالین میں ظ پڑھ دے تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ یوں ہی اگر کسی کی زبان سے بجائے ظالین نکل گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر ایسے لوگ بجائے ض "ضالین" میں ظ، یا ذ، پڑھ جائیں تو

اور پڑھ جائیں گے تو نہ ہوگی، بلکہ مغظوب یامغذوب پڑھاجائے گا نماز فاسد ہو جائے گی۔یوں ہی اضطررتم یااظطررتم کواگرا ذطررتم پڑھ دیا جائے گا نماز فاسد ہو جائے گی۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ جو جاہل وہابیوں نے جاہلوں کو بہکایا ہے کہ ض کو ظ پڑھے، یہ محض ان کی تضلیل ہے، ظاد تو کوئی حرف ہی نہیں، وہی ض کو ظ پڑھنا بتایا، اور ظ پڑھنے سے بعض صورتوں میں نماز فاسد ہوگی، اور عمداً ض کو ظ یا کسی حرف سے بدل کر پڑھنا اس سے نماز تو نماز ایمان ہی جاتا رہے گا، کہ یہ تحریف اور قصداً تحریف ہے:

"يقرأ الظاء مكان الضاد لا يجوز إمامته ولو تعمد كفر"(١)

اگر امام ضاد کی جگہ ظا پڑھے تو اس کی امامت جائز نہیں اور اگر بالقصد پڑھے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔(مترجم)

منح الروض الازہر میں ہے:

"أما كون تعمده كفراً فلا كلام فيه"(٢)

اس کا بالقصد پڑھنا بلا شبہ کفر ہے۔(مترجم)

عالمگیریہ میں ہے:

" إن ذكر حرفاً مكان حرف وإن غير المعنى، فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة كالطاء مع الصاد تفسد صلاته عند الكل، وإن كان لا يمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد اختلف المشايخ، قال أكثرهم: لا تفسد صلاته هكذا في فتاوىٰ قاضي خان، وكثير من المشايخ أفتوا به ـ قال القاضي الإمام أبو الحسن، والقاضي الإمام أبو عاصم: إن تعمد فسدت، وإن جرى على لسانه أو كان لا يعرف التميز لا تفسد، وهو أعدل الأقاويل والمختار، هكذا في الوجيز للكردري ـ ومن لا يحسن بعض الحروف ينبغي أن يجهد ولا يعذر في ذلك اه، مختصراً"(٣)

---

(١) [منح الروض شرح الفقه الأكبر، فصل في القراء ة الصلاة:٤٥٧]

(٢) [منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر، فصل في القراء ة والصلاة:٤٥٧]

(٣) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة الفصل في زلة

اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھے، اور معنی بدل جائے، تو ان دونوں حرفوں کو دیکھا جائے
ر ان حرفوں میں تفریق آسانی سے ہوسکتی ہے مثلاً صاد اور طا تو بالاتفاق نماز فاسد ہوجائے گی، اور
ونوں حرفوں میں تفریق بمشقت ہو مثلاً ضاد، اور ظا تو مشائخ کا اس صورت میں اختلاف ہے، اکثر کا
ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، اسی طرح فتاوی قاضی خان میں ہے، اور اکثر مشائخ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے
ہی امام ابوالحسن نیز قاضی امام ابوعاصم فرماتے ہیں: اگر اس نے بالقصد پڑھا تو نماز جاتی رہے گی، اور
اقصد پڑھا یا پھر وہ دونوں حرفوں میں تفریق نہ کر پاتا ہو تو نماز ہوجائے گی، اور یہی قول سب سے بہتر
ار ہے اسی طرح وجیز کردری میں ہے۔ اور جو شخص بعض حروف کو اچھی طرح ادا نہ کر پاتا ہو تو اس کے
ناسب ہے کہ وہ کوشش کرتا رہے، اور اس کا اس بارے میں عذر قبول نہ کیا جائے گا۔ (مترجم)

فتاویٰ قاضی خاں میں:

"لو قرأ الإمام اظطررتم بالظاء تفسد صلاته، ولو قرأ الإمام إذطررتم بالذال مكان
: تفسد صلاته، ولو قرأ بالتاء مع الضاد إلا ما اضنتررتم لا تفسد صلاته."(۱)

اگر امام نے "اضطررتم" کو ظا کے ساتھ "اظطررتم" پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اسی
امام نے اس کو ذال کے ساتھ "اذطررتم" پڑھا، تو بھی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر امام نے اس
ر ضاد کے ساتھ "إضتررتم" پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"لو قرأ غير المغظوب بالظاء وبالذال مكان الضاد تفسد صلاته ولو قرأ
ين بالظاء أو بالذال لا تفسد صلاته، ولو قرأ الدالين بالدال تفسد صلاته."(۲)

جو "مغضوب" کو ظا یا ذال سے پڑھے اس کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر "ضالین" کو ظا یا
سے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور "ضالین" کو دال سے پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ (مترجم)

جو عمداً ظالین پڑھتا ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا نماز فاسد کرنا ہے، اگر چہ اپنے آپ کو سنی
و، یوں واقع میں نہ ہو۔ اور اگر وہابی وغیرہ بدمذہب ہو تو یوں بھی اس کی امامت ناجائز، اگر ضالین
یح وصاف پڑھتا ہو۔ بدمذہب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے، اور اگر اس کی بدمذہبی

[الفتاوی الخانیۃ مع الهندیه: ۱/۱٤۱]

حد کفر تک پہنچی ہوئی ہو جیسے آج کل وہابی، قادیانی، دیوبندی، رافضی وغیرہ جب تو اس کے پیچھے نماز باطل محض جیسے کسی یہودی نصرانی ہندو مجوسی کے پیچھے۔ اس سے سلام، کلام، ربط ضبط، اس کے ساتھ کھانا پینا، راہ رسم رکھنا، سب حرام ہے۔

قال تعالیٰ:﴿وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور جو یہ کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (مترجم)

آیت میں وصل اولیٰ ہو تو عدم وصل سے بھی نماز درست ہے

(۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید نے رکعت ثانی میں:﴿إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾(۲)

"بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے" پر وقف کیا اور رکوع کر لیا اور اس آیت کے بعد ایک آیت پوری چھوڑ دی جو یہ ہے:﴿يُدْخِلُ مَنْ يَّشَاءُ فِي رَحْمَتِهٖ وَالظّٰلِمِيْنَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا.﴾(۳) "اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے" ایک شخص یہ کہتا ہے کہ یدخل کے یا میں تشدید ہے، لہٰذا ملانا ضروری تھا۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ حکیما پر وقف کیسا ہے، اور اس شخص کا کہنا کہ ملانا ضروری تھا، صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔ المستفتی: محمد فخر الدین مونگری۔

الجواب

حکیما پر وقف کر سکتا ہے، آیت آگے کی یاد نہ تھی جب تو کوئی بات نہیں۔ ہاں یاد تھی اور چھوڑ دی یہ برا کیا، وہاں وصل ضروری نہیں، وہ غلط کہتا ہے۔ یہاں وصل بہتر ہے وقف سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہاں حکیما کے بعد تین علامتیں قرآن عظیم میں مکتوب ہیں۔ لا۔ صلی۔ ق۔ ق خود علامت قیل علیہ الوقف۔ اور "صلی" مخفف الوصل اولیٰ اور "لا" اشارہ عدم وقف ہے، تو ٹھہرنا اور ملانا بہتر ہے نہ یہ کہ لازم وضروری۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) [سورۃ الأنعام:۶۸] (۲) [سورۃ النساء : ۲۴]

(۳) [سورۃ النساء: ۳۱]

(۴) امامت

ایک امام ایک وقت میں دو جگہ کی امامت نہیں کرسکتا

) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
زید گاؤں کی ایک مسجد میں پیش امام ہے، اس امام نے اپنی مسجد میں نماز تراویح پڑھائی اور پھر
ری مسجد میں جا کر دوسری مسجد میں نماز تراویح پڑھائی، رمضان بھر اسی طرح کیا، اور نماز جمعہ اور نماز عید
ر بھی ایک جگہ پڑھا کر پھر دوسری مسجد میں پڑھائی، ایسے امام کے لیے کیا حکم ہے، اور جن مقتدیوں نے
ری مسجد میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھی ہے ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

ایسا شخص گنہگار ظالم حق اللہ وحق العباد میں گرفتار ہے۔ دوسروں کے فرض کھونے والا، سنت کا ان
ذمہ باقی رکھنے والا ہے۔ **ولا حول ولا قوة إلا بالله** ۔نماز جمعہ اور نماز عید الفطر تو ظاہر ہے کہ جب
یک دفعہ پڑھا چکا اس کا فرض اس کا واجب ادا ہو گیا، اب دوسری جگہ پڑھے گا متنفل ہوگا، اور مفترض کو
ل کے پیچھے اقتدا جائز نہیں۔ جنہوں نے نماز جمعہ، اور نماز عید الفطر اس کے پیچھے پڑھیں ان کا فرض
جب ادا نہ ہوا، جنہیں معلوم ہو کہ یہ شخص نماز جمعہ پڑھ چکا تھا اور پھر امامت کی وہ اب ظہر ادا
یں۔ تراویح بھی قول صحیح پر ایسے شخص کے پیچھے جائز نہیں جو اپنی پڑھ چکا ہو۔ غرض جہاں بنا قوی علی
عیف ہوگی اقتدا درست نہ ہوگی۔

غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

"لا يصح اقتداء البالغ بغير البالغ في الفرض وغيره وهو الصحيح؛ لأن
لاة البالغ أقوىٰ للزومها، ولا يجوز بناء القوي على الضعيف۔ وهو أصل يخرج
به كثير من المسائل (إلى قوله) وكذا لا يقتدي المفترض بالمتنفل لما قلنا۔ وما
الصحيح عن معاذ أنه كان يصلي مع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم العشاء
م يرجع إلى قومه فيصلي بهم تلك الصلاة فليس فيه إنه كان يصليها معه عليه

فيصليها بهم هي له تطوع ولهم فريضة، إدراج من الشافعي بناء على اجتهاده، ولهذا لا نعرف تلك الزيادة إلا من جهته."(۱)

بالغ کا فرض وغیرہ میں غیر بالغ کی اقتدا کرنا درست نہیں، اس لیے کہ بالغ کی نماز اس پر لازم ہونے کی وجہ قوی (مرتبہ میں بڑھ کر) ہے اور اسی طرح قوی کا ضعیف کی اقتدا کرنا جائز نہیں (مثلاً فرض والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرے) یہ ایسی اصل ہے جس سے بہت سارے مسائل متفرع ہوتے ہیں، یوں ہی مفترض کا متنفل کی اقتدا کرنا بھی درست نہیں، جیسا کہ ہم بیان کر چکے، اور حدیث صحیح میں حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشا پڑھتے پھر وہ اپنی قوم کے پاس جا کر انہیں وہی نماز پڑھاتے، تو اس میں اس بات کا ذکر نہیں کہ آپ سرکار کے ساتھ فرض نماز پڑھتے تھے، اور امام شافعی کی روایت جو ان کا قول مروی ہے کہ پھر وہ اپنی قوم کے پاس جا کر انھیں وہی نماز پڑھاتے، جو ان کے نفل اور قوم کا فریضہ ہوتی، یہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ادراج ہے جو انہوں نے اجتہاد سے داخل کیا ہے، اس لیے زیادتی صرف ان کے حوالہ سے ملتی ہے۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"لو أم في التراويح مرتين في مسجد واحد كره، وكذا لو صلاها مرتين ماموماً في مسجد واحد، وإن في مسجدين اختلف فيه، حكي عن أبي بكر الإسكاف أنه لا يجوز، يعني تراويح أهل المسجد الثاني" واختاره أبو الليث".(۲)

اگر تراویح میں ایک ہی مسجد میں دوبار امامت کی تو یہ مکروہ ہے، اور یوں ہی ایک مسجد میں دوبار بطور اقتدا تراویح پڑھنا بھی مکروہ، البتہ دو مسجدوں میں پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابوبکر اسکاف سے منقول ہے کہ جائز نہیں دوسری مسجد والوں کی تراویح، اسے فقیہ ابو اللیث نے اختیار فرمایا ہے ۔(مترجم)

اسی میں فرمایا:

"إذا صلى التراويح مقتدياً بمن يصلي نافلة غير التراويح اختلفوا، والصحيح

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص ۴۸۱]

ہ لایجوز اھ."(١)مختصرا.واللہ تعالیٰ اعلم

جب کسی نے تراویح کسی ایسے شخص کی اقتدا میں پڑھی جو تراویح کو نفل کے طور پر پڑھ رہا ہو نہ کہ
اویح کے طور پر، اور صحیح قول کے مطابق یہ درست اور جائز نہیں ہے۔(مترجم)

امامت کسی کی میراث نہیں ہوتی ہے

٩) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر امام برضا خود امامت چھوڑ دے تو قوم امام جدید کو قائم کریں، تو کیا امامت سابقہ کا پھر امامت
ں کوئی حق ہے یا نہ؟۔ یا اس کی نسل سے کوئی بیٹا یا برادرزادہ یا اور کوئی وارث، اس کے قائم مقام ہونے کا
وئی دار ہوسکتا ہے، یا نہ، اور امامت وراثت قرار دی جاتی ہے یا قوم کی رضا پر موقوف ہے۔

از تحصیل ایبٹ آباد ڈاک خانہ سرائے نعمت خاں ضلع ہزارہ۔ مرسلہ جناب سید سکندر شاہ
ا حب امام مسجد، شب یکم محرم الحرام ۵۳ھ۔

الجواب

امامت کوئی میراث نہیں، جو اہل ہو اور اسے قوم یا متولی امام بنالے وہ امامت کرے گا، امام
ابق کا بیٹا، بھائی ہونا زبردستی امامت کا حق نہیں دیتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی کا ہاتھ کٹا ہے مگر طہارت کرلیتا ہے تو وہ لائق امامت ہے

١٠) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کا بایاں ہاتھ بچپن میں کولھو سے کٹ گیا تھا، زید مسائل سے پڑھا لکھا آدمی ہے، وہ گاؤں
ں امامت کرتا ہے، اور کوئی دوسرا آدمی گاؤں میں پڑھا لکھا نہیں ہے، کیا زید کے پیچھے نماز درست
ہے، اور اس کی امامت درست ہوگی؟ ٢٤ر جمادی الاولیٰ ۵ھ

الجواب

واقف وعالم ہونا ہی درکار نہیں عامل ہونا بھی ضرور ہے۔ عالم نہ ہو مگر استنجا وضو صحیح کرلیتا ہو کافی

ہے۔عالم ہواور وضووغیرہ میں کچھ خامی اس سے رہتی ہو وہ قابل امامت نہیں۔اگر وہ استنجا۔وضو۔غسل صحیح کرلیتا ہے تو نماز پڑھا سکتا ہے،اور اگر اپنے آپ یہ سب، یا ان میں سے کوئی ایک ٹھیک نہیں کرسکتا، وضو صحیح وغیرہ کرنے سے مجبور ہے۔مگر کوئی دوسرا اسے وضووغیرہ ٹھیک کرادیتا ہے تو اس کے پیچھے اس صورت میں بھی کوئی حرج نہیں ،اور بہتر یہی ہے کہ کوئی سالم الاعضا جو امامت کا اہل ہو اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

فاسق کے پیچھے نماز جائز یعنی فرض ادا ہو جائے گا مگر مکروہ ہے

(۱۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ....

جناب مخدومی مکرمی حضرت مولانا مفتی اعظم صاحب قبلہ السلام علیکم (ورحمۃ اللہ وبرکاتہ)

بعد آرزوئے قدم بوسی وآستانہ بوسی کے بندہ ملتمس ہے کہ حضرت نے جو تقریظ فتویٰ امامت کی ترمیم کرکے تحریر فرمائی تھی وہ مع ایک نوازش نامہ کے ناچیز کو ملی، حضرت کی اس بندہ نوازی کا شکریہ نہیں ادا کرسکتا۔مولوی صفی الرحمٰن صاحب بنارسی کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا: مجھے اس میں کلام ہے، ناچیز نے عرض کیا کہ کون سا کلام ہے،تو فرمایا: کہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر فاسق فاجر کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے،اور حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ داڑھی منڈانے والے اور کتروانے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، کہ پڑھنی گناہ اور جو پڑھی ہو اس کا اعادہ واجب،تو جب حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نماز ہو جاتی ہے،تو واجب الاعادہ کیسا؟ یہ پہلا کلام ہے۔اور دوسرا کلام یہ ہے کہ جس مکروہ تحریمی سے اعادہ واجب ہوتا ہے وہ کون مکروہ تحریمی ہے۔خارج نماز یا داخل نماز ،اور یہ بھی فرمایا: کہ اکثر بادشاہان اسلام فاسق ہوتے تھے،اور نماز پڑھاتے تھے،اور لوگ پڑھتے تھے،اور فرمایا: کہ اگر اس کی تصریح عبارت فقہ سے ہو تو بریلی سے حاصل کیجیے،ہم مان لیں گے۔جناب مولوی صفی الرحمٰن صاحب سے ناچیز نے یہ بھی کہا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے احکام شریعت میں بھی لکھا ہے کہ فاسق کے پیچھے جو نماز پڑھی اس کا اعادہ واجب ہے۔حضور سے التجا ہے کہ ان باتوں کا جواب ان کے لیے تشفی بخش ارسال فرمائیں؟

از بنارس بازار سدانند انجمن اشاعت الحق۔مرسلہ عبد الغفور صاحب۔۶/جمادی الآخر ۵۳ھ

الجواب

جواز بمعنی صحت بھی ہوتا ہے اور بمعنی حل بھی۔فاسق ومبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو

ے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے، یعنی صحیح ہو جاتی ہے، مگر مکروہ ہوتی ہے۔ فرض گردن سے اتر جاتا ہے، اور
نا جائز ہے یعنی ان کے پیچھے پڑھنا انہیں امام بنانا حلال نہیں۔

ردالمحتار میں فرمایا:

"جاز أي : مع كراهة التحريم."(١)

یعنی کراہت تحریمی کے ساتھ جائز ہے۔ (مترجم)

وہ حدیث جس کا مولوی صاحب نے ذکر کیا یہ ہے:

((صلوا خلف كل بروفاجر))(٢)

ہر نیک وبد کے پیچھے نماز پڑھو۔ (مترجم)

علامہ سید عبدالرؤف مناوی قدس سرہ تیسیر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

"صلوا جوازاً خلف كل بروفاجر أي : فاسق ؛ فإن الصلاة خلفه صحيحة
ها مكروهة "(٣)

ہر نیک وبد یعنی فاسق کے پیچھے نماز پڑھو، اس لیے کہ اس کے پیچھے نماز درست ہے لیکن مکروہ ہے
ترجم)

ایک اور حدیث ہمارے پیش نظر ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم براً كان أوفاجراً وإن عمل
ائر۔ رواہ ابو داؤد))(٤)

ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنا واجب ہے چاہے وہ نیک ہو یا بدکار اگرچہ کبائر کا ارتکاب کرتا
(مترجم)

کیا اس حدیث یا اس کے ظاہر پر عمل کیا جائے گا، اور برخلاف جماہیر فقہا مبتدع کے پیچھے نماز
یعنی غیر مکروہ تحریمی مانی جائے گی؟۔

---

١ [ردالمحتار على الدر المختار : ٤٩٦/١، ناشر دار الفكر ،بيروت]

١ [الجامع الصغير:٩٢/٢]

١ [التيسير شرح الجامع الصغير:/٩٢]

[illegible]

حدیث میں کل مسلم کا لفظ ہے، اور مبتدع جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچی ہو، مسلم ہی ہے۔ جب ان حدیثوں کو دیکھنے سے فاسق کے پیچھے نماز غیر مکروہ بکراہت تحریم ٹھہرائیں گے، تو مبتدع کے پیچھے مکروہ بکراہت تحریم کیوں کر مانیں گے۔ عجب ان بعض فضلا سے جنہوں نے فاسق و مبتدع میں فرق کی ٹھہرائی، جبکہ کل مسلم دونوں کو شامل۔ نیز فسق کے دونوں حامل ایک فاسق العقیدہ، ایک فاسق العمل۔ یہ مبتدع کے پیچھے پھر کیوں مکروہ بکراہت شدیدہ کہتے ہیں۔ جیسے یہ مبتدع کے پیچھے باوجود دونوں مذکور حدیثوں کے مکروہ بکراہت شدیدہ فرماتے ہیں۔ یوں ہی ہم ہر فاسق کے پیچھے۔ ان حدیثوں کا مطلب جواز ہے، اور جواز بمعنی صحت مراد۔

اشعۃ اللمعات میں حضرت شیخ محقق مطلق مولانا العلامہ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ رحمۃ ربہ الباری زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

نماز واجب است برشما بجماعت، پس ہر مسلمانے بریا فاجر وان عمل الکبائر یعنی جائز ست کہ بوے اقتدا کنند اگرچہ مکروہ است، یا واجب ست اعتقاد جواز آں، وبعض استدلال کردہ اند بایں بوجوب جماعت، وایں بر تقدیر اینست کہ فسق وے بسر حد کفر نکشد و مرد صالح حاضر نہ باشد۔

تم پر نماز با جماعت واجب ہے، لہذا ہر نیک و بد مسلمان کے پیچھے خواہ وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو نماز پڑھنا جائز ہے اگرچہ مکروہ ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز کے جواز کا اعتقاد واجب ہے۔ بعض علما نے اس سے وجوب جماعت کے لیے استدلال کیا ہے۔ مگر یہ وجوب جب ہے کہ اس کا فسق حد کفر کو پہنچا ہو اور نیک امام حاضر نہ ہو۔ ۱۲م

فاسق شرعاً واجب الاہانت ہے، اس کی تعظیم حرام، یہاں تک کہ زبان سے ذراسی اس کی مدح پر حدیث کا ارشاد ہے:

((إذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش))(١)

جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو رب تبارک وتعالیٰ غضب فرماتا ہے، اور عرش الٰہی لرز جاتا ہے۔

اسے امام بنانا تو اس کی اعلیٰ ترین تعظیم ہے، ظاہر ہے کہ یہ گناہ و حرام ہے۔ اور نماز جب کسی مکروہ تحریمی کے ساتھ ادا ہو تو واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

"كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها" (١)

جونماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی اس کا پھیرنا واجب ہے۔(مترجم)

جب بحالت نماز ایک گناہ کا ارتکاب کرتا رہا تو نماز اس گناہ پر مشتمل ہوئی۔نماز امامت پر مشتمل،
مام فاسق کی امامت ناجائز،تو جس نے اسے امام کیا اس کی نماز ایک ناجائز امر پر مشتمل ہوئی۔کراہت
لیے اشتمال کافی ہے،وہ مکروہ داخل ہو یا خارج۔مرد کو ریشم کا کپڑا پہننا گناہ ہے،سونا استعمال کرنا
ع ہے،اگر کوئی شخص ریشم کا کپڑا یا سونے کی انگشتری پہنے ہوئے نماز ادا کرے،جیسے یہ نماز مکروہ ہوگی
گناہ کے ساتھ ادا ہوئی،یوں ہی فاسق کی امامت مکروہہ کے ساتھ والی نماز۔صالح کی امامت واجب،
ن کی امامت میں ترک واجب وارتکاب حرام ہے۔

فتاویٰ حجہ پھر غنیۃ میں ہے:

"لو استويا في العلم والصلاح وأحدهما اقرأ فقد موا الآخر أساؤا ولا
ـمون؛ فالإساءة لترك السنة وعدم الإثم لعدم ترك الواجب؛ لأنهم قدموا رجلاً
لحاً." (٢)

اگر دو لوگ علم وتقویٰ میں برابر ہوں،لیکن ان میں سے ایک قاری ہو(تلاوت قرآن اچھے
ـک سے کرتا ہے)اور لوگوں نے دوسرے کو امام بنا دیا تو وہ اساءت کے مرتکب ہوئے۔لیکن گناہ گار نہ
ں گے،اساءت تو ترک سنت کی وجہ سے ہے،اور گناہ گار نہ ہونا ترک واجب نہ پائے جانے کی وجہ سے
۔اس لیے کہ انھوں نے صالح مرد کو امام بنایا ہے۔(مترجم)

فقہا نے کراہت امامت فاسق کی دو تعلیلیں کیں:ایک یہی کہ اس کی امامت اس کی تعظیم ہے،اور
ن کی تعظیم کیسی اس کی تو اہانت واجب ہے۔لہٰذا جو اسے امام بنائے گا گناہ گار ہوگا۔اور نماز گناہ پر مشتمل
ں۔دوسری کہ فاسق کو دین کی پروہ نہیں ہوتی،اس سے شروط صلاۃ میں کوئی خلل اور منافی صلاۃ کسی امر کا
اب کچھ دور نہیں،بلکہ اس کے فسق کو دیکھتے یہی غالب ہے،اور فقہیات میں ظن غالب ملحق بالیقین ہوتا
۔نیز احکام فقہ غالب پر جاری ہوتے ہیں۔نادر کو نہیں دیکھا جاتا،

---

١ [ردالمحتار،كتاب الصلاة باب صفة الصلاة،مطلب كل صلاة أديت مع كراهة
تحريم تجب إعادتها:٢/١٣٠]

٢ [غنية المستملي شرح منية المصلي:ص.٤٧٩]

علما فرماتے ہیں:

"أحكام الفقه تجري على الغالب من دون نظر إلى النادر."(۱)

احکام فقہ نادر سے قطع نظر کرتے ہوئے، غالب اکثر پر جاری ہوتے ہیں۔(مترجم)

فساق کا غالب حال ایسا ہی ہے، اور ان سے گمان غالب یہی کہ کسی منافی صلاۃ و مخل شروط صلاۃ امر کو کر بیٹھیں، یا جو کرنا ضروری ہے اسے نہ کریں۔ لہذا یوں بھی۔ پس فاسق کی نماز مکروہ ٹھہری اگر چہ اس میں اختلاف ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے، یا تحریمی ہے، مگر کراہت تحریم کی دلیل قوی ہے۔ لہذا ہمارے نزدیک مختار یہی قول تحریم ہے۔

امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

"كره إمامة الفاسق؛ لأنه لايهتم لأمر دينه، ولأن في تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً."(۲)

فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے اس لیے کہ وہ دینی چیزوں کا خیال نہیں رکھتا، اور اس لیے کہ اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے جب کہ از روئے شرع لوگوں پر اس کی اہانت لازم ہے۔(مترجم)

غنیۃ المستملی میں علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"لو قدموا فاسقاً يأثمون بناء على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لعدم اعتنائه بأمور دينه وتساهله بلوازمه، فلا يبعد منه الإخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ماينافيها، بل هو الغالب بالنظر إلى فسقه، ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلاً عند مالك ورواية عن أحمد، إلا إنا جوزناها مع الكراهة، لقوله عليه صلى الله تعالى عليه وسلم:((صلوا خلف كل بر وفاجر.))(۳)

اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو گناہ گار ہوں گے، اس لیے کہ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے دینی امور کی پرواہ نہ کرنے اور اپنی ذمہ داریوں میں سستی برتنے کی وجہ سے۔ لہذا اس سے بعض شروط صلات میں کوئی خلل اور منافی صلات کا ارتکاب کچھ بعید نہیں، بلکہ فسق کے پیش نظر ان امور مذکورہ کا ارتکاب

---

(۱) [التقرير والتجير: ۷۹/۳]

(۲) [تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق.۱/۱۳٤]

ہی غالب ہے، یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کے نزدیک اس کے پیچھے
طلقا نماز جائز نہیں ہے۔ لیکن ہم نے کراہت کے ساتھ نماز کو جائز قرار دیا ہے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالی
لیہ وسلم کے اس ارشاد کی بنیاد پر کہ نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"قال أصحابنا لا ينبغي أن يقتدي به إلا في الجمعة للضرورة فيها بخلاف سائر الصلوات للتمكن من التحول إلى مسجد آخر فيما سوى الجمعة، وعليه حمل عمل الصحابة والتابعين في الاقتداء بالحجاج، وعلى هذا فينبغي أن تكره لجمعة أيضاً إذا تعددت الجوامع كما في زماننا، ويكره أيضاً تقديم العبد الأعرابي وولد الزنا والأعمىٰ، وينبغي أن تكون الكراهة في هؤلاء دون الكراهة ي الفاسق؛ لأنها أمر محتمل غير متحقق ولا غالب، وهو الإخلال ببعض لشروط بناء على الجهل الغالب في العبد. اه"(١)

ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اس کی اقتدا مناسب نہیں ہے مگر جمعہ میں ضرورت کی وجہ سے بر
لاف تمام نمازوں کے، کیوں ان میں دوسری مسجد میں جانا ممکن ہے سوائے جمعہ کے، اسی پر محمول ہوگا،
سحابہ اور تابعین کا عمل حجاج کی اقتدا کے سلسلے میں، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ بھی مکروہ ہوگا،
ب کہ جامع مسجد متعدد ہوں، جیسا کہ ہمارے زمانے میں اور اسی طرح غلام، اعرابی، اور ولد الزنا کو بھی
مام بنانا مکروہ ہے، البتہ ان کی کراہت فاسق کی کراہت سے کم ہوگی، کیوں کہ یہ صرف ایک احتمالی امر ہے
یقینی یا کثیر الوقوع تو ہے نہیں۔ بعض شرائط میں خلل واقع ہونا کیوں کہ غلام اکثر جہالت پر ہوتے
یں۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"إذا تأملت وجدت سبب الكراهة في الأعمىٰ أخف من غيره، ولذا لم يكره تقديمه عند الأئمة الثلاثة، إنما يكره تقديم الأعمىٰ إذا كان غيره أفضل منه، يكره تقديم المبتدع أيضا؛ لأنه فاسق من حيث الاعتقاد، وهو أشد من الفسق ن حيث العمل، وإنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي

---

١) غنية المستملي شرح منية المصلي: ص ٤٧٩

إلى الكفر، أما إذا كان مؤديا فلا يجوز أصلاً كالغلاة من الروافض."(۱)

درروغیرہ میں ہے:

"كره إمامة الفاسق؛ لأنه لا يهتم بأمر دينه، ومبتدع: أي: صاحب هوى لا يكفر صاحبه حتى إذا كفر به لم تجز أصلاً (۱) وإن تقدموا جاز مع الكراهة؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: ((صلوا خلف كل برو فاجر.))(۲)

جب تم غور کرو تو نابینا شخص کی امامت میں دوسروں کی بہ نسبت کراہت کم ہوگی، اسی لیے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کو آگے بڑھانا مکروہ نہیں۔ ہاں اس وقت مکروہ ہے جب افضل موجود ہو، مبتدع کی تقدیم بھی مکروہ ہے، اس لیے کہ یہ تو فاسق فی العقیدہ ہے اور یہ فسق فی العمل سے سخت تر ہے، البتہ اس کی اقتدا کراہت کے ساتھ جائز ہوگی، جب کہ اس کا اعتقاد کفری نہ ہو، اور جب اس کا اعتقاد مفضی الی الکفر ہو تو اس کی امامت کلیۃً جائز نہیں ہے، جیسا کہ غالی روافض۔ فاسق کی امامت مکروہ ہوگی کیوں کہ وہ اپنے معاملہ پر دھیان نہیں دیتا۔ اور بدعتی یعنی خواہشات کے پرستار کی تکفیر نہ کی جائے گی اور جب کہ اس کی تکفیر کردی گئی تو اب اس کے پیچھے نماز اصلاً جائز نہ ہوگی۔ اور اگر فاسق کو لوگوں نے امام بنالیا تو اس کی امامت کراہت کے ساتھ جائز ہوگی، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ (مترجم)

حسن عجیمی علی الدرر میں ہے:

"قوله وفاسق يكره تقديم الفاسق كراهة تحريم، وعند مالك لا يجوز تقديمه، وهو رواية عن أحمد وكذا المبتدع۔ ويكره تقديم العبد والأعرابي وولد الزنا والأعمىٰ، والكراهة فيهم دون تلك الكراهة."(۴)

اور ان کا یہ قول کہ فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اور امام مالک کے نزدیک تو اس کی تقدیم جائز ہی نہیں، اور امام احمد کے نزدیک فاسق کو امام بنانا جائز نہیں اور اس طرح بدعتی کو بھی غلام، اعرابی اور

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص ۴۷۹]

(۲) [دار الحكام شرح غرر الأحكام: باب امامة العبد والأعرابي والفاسق، ۱/۸۵]

[دار الحكام شرح غرر الأحكام: باب جماعة النساء وحدهن، ۱/۸۶]

نا اور نابینا کو بھی۔ امام بنانا مکروہ ہے، لیکن ان کی کراہت فاسق کی کراہت سے کم درجہ کی ہے۔

(

شرح کنز ملا مسکین میں ہے:

"کرہ إمامة الفاسق ، وقال مالك : لا تجوز الصلاة خلفه والمبتدع."(۱)

فاسق کی امامت مکروہ ہے، اور امام مالک نے کہا: کہ اس کے پیچھے اور مبتدع کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

حاشیہ علامۃ الوجود ابوسعود میں ہے:

"أما الفاسق فلأنه لا يهتم بأمر دينه "(۲)

في المعراج من قوله:" إلا في الجمعة أن تعذر منه" يبتنى على القول بعدم
ز تعدد الجمعة ، أما على المفتى به من جواز التعدد فلا فرق، نهر عن الفتح ـ
ـقدموا جاز مع الكراهة ، لقوله عليه الصلاة والسلام: صلوا خلف كل بر
ر.درر(۳)

ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيهة إن وجد غيرهم وإلا فلا كراهة، بحر(٤)۔

وفي النهر عن المحيط: لوصلى خلف فاسق أو مبتدع فقد أحرز فضل
اعة.(٥)

وأقول: علل الزيلعي الكراهة في الفاسق بأن في تقديمه تعظيمه وقد
ب عليهم اهانته شرعاً، مفاده كون الكراهة تحريمة."(٦)

[العناية شرح الهداية : باب الامامة ، ۱/۳۵۰]

[دار الحكام شرح غرر الأحكام باب جماعة النساء وحدهن، ۱/۸۶]

[الهداية في شرح بداية المبتدي باب الامامة: ۱/۵۷]

[دار الحكام شرح غرر الأحكام باب امامة العبد الأعرابي والفاسق ، ۱/۸۶]

[البحر الرائق شرح كنز الدقائق : باب امامة العبد والأعرابي والفاسق ،۱/۳۷۰]

[البحر الرائق شرح كنز الدقائق : باب امامة العبد والأعرابي والفاسق ،۱/۳۷۰]

[تبيين الحقائق: باب الأحق بالامامة، ۱/۱۳۴]

نوح آفندی درمختار میں ہے:

ویکرہ تنزیھاً إمامۃ عبد، و أعرابي، وفاسق، وأعمیٰ إلا أن یکون: أي : غیر الفاسق أعلم القوم فھو أولیٰ، ومبتدع" (۱)

فاسق کی امامت مکروہ اور امام مالک نے فرمایا: اس کے پیچھے نماز جائز نہیں، اسی طرح بدعتی کے پیچھے بھی۔ فاسق کے پیچھے تو اس لیے نہیں ہے کہ وہ دینی امر کا اہتمام نہیں کرتا۔ معراج میں مصنف کے قول ''مگر جمعہ میں ہے اگر متعذر رہو'' یہ مبنی ہے مفتی بہ قول کے مطلق تعدد جمعہ کے عدم جواز پر یعنی تعدد جمعہ کے جواز پر، تو اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ نہر میں فتح سے منقول ہے: اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو کراہت کے ساتھ جائز ہے، کیوں کہ سرکار فرماتے ہیں: ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ در میں ہے: ان کی اقتدا میں کراہت تنزیہی ہے اگر دوسرا کوئی موجود ہو ورنہ بالکل کراہت نہیں۔ بحر اور نہر میں محیط سے ہے، اگر فاسق کے پیچھے پڑھی یا بدعتی کے پیچھے تو اس نے جماعت کی فضیلت حاصل کر لی۔ میں کہتا ہوں زیلعی نے فاسق کراہت کی علت بیان فرمائی کہ اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے جب کہ قوم پر شرعاً اس کی اہانت واجب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے۔

غلام، اعرابی، فاسق اور نابینا کی امامت میں کراہت تنزیہی ہے، مگر یہ کہ اعلم ہو تو وہ بہتر ہے۔ (مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

"وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لايهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعاً۔ ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة ، فإنه لا يؤمن أن يصلي بهم بغير طهارة ، فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال ، بل مشى في شرح المنية علىٰ أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا ، قال: ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلاً عند مالك، ورواية عن أحمد ، فلذا حاول الشارح في (عبارة المصنف) وحمل الاستثناء على غير الفاسق"(۲)

---

(۱) [الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۲/۲۵۴-۲۵۶]

(۲) [ردالمحتار، كتاب الصلاة ، باب الامامة مطلب في تكرار الجماعة في

رہا فاسق تو فقہا نے اس کی تقدیم وامامت کو مکروہ قرار دیا ہے، اس لیے کہ وہ اپنے دینی امر کا اہتمام نہیں کرتا، اور اس لیے کہ اس کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے، جب کہ لوگوں پر شرعاً اس کی اہانت واجب ہے۔ اور مخفی نہ رہے کہ جب وہ دوسروں کے مقابلہ میں اعلم ہو تو بھی اس کی علت ختم نہ ہوگی، کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ لوگوں کو بغیر طہارت کے نماز پڑھادے۔ لہٰذا وہ بدعتی کی طرح ہے اس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہوگی۔ بلکہ شرح منیہ میں اس طرف گئے ہیں کہ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی جیسا کہ ہم بیان کر چکے۔ مصنف نے کہا اس وجہ سے امام مالک اور ایک روایت میں امام محمد کے نزدیک اس کے پیچھے بالکل نماز جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے شارح نے عبارت مصنف میں کوشش کر کے اسے غیر فاسق پر محمول کیا ہے۔ (مترجم)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

"قوله: وفاسق، والمراد الفاسق بجارحة بدليل عطف المبتدع عليه، وتكره إمامته ولو في جمعة لوجود المندوحة بالانتقال إلىٰ امام آخر فيها، لأن المفتي به جواز تعددها، إلا أن يكون أي: غير الفاسق وهو العبد والأعمىٰ، أما الفاسق الأعلم فلا يقدم؛ لأن في تقديمه تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعاً، ومفاد هذا كراهة التحريم في تقديمه."(۱)

مصنف کے قول میں فاسق سے مراد فاسق عمل میں ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا عطف مبتدع پر کیا ہے، اس کی امامت مکروہ ہے اگر چہ جمعہ میں ہو، اس لیے کہ جمعہ میں دوسرے امام کی طرف جانے کی گنجائش ہے، کیوں کہ مفتی بہ قول جمعہ کا تعدد ہے، مگر یہ کہ غیر فاسق یعنی اعمی اور غلام ہوں، رہا فاسق اعلم تو اس کو امام نہیں بنایا جائے گا، کیوں کہ اس کی تقدیم اس کی تعظیم ہے، جب کہ قوم پر اس کی اہانت واجب ہے شرعا، اور یہ اس کی تقدیم میں کراہت تحریمی ہے۔ (مترجم)

فتاوی خلاصہ میں ہے:

"رأيت بخط شمس الأئمة الحلواني أنه يمنع عن الصلاة خلف من يخوض في علم الكلام ويناظر صاحب الأهواء، ويكره الاقتداء بمن كان معروفاً بأكل الربوا۔(۲)

---

(۱) [الدر المختار: حاشية ابن عابدين باب الامامة، ۱/۵۶۰]

والفاسق إذا كان يوم الجمعة وعجز القوم عن منعه، قال بعضهم :يقتدى به في الجمعة ولا يترك الجمعة بإمامته، وفي غير الجمعة هم بسبيل من أن يتحولوا الیٰ المسجد الأخر، ولا يأتموا به۔(۱)

ولو صلى خلف مبتدع أو فاسق فهو محرز ثواب الجمعة، لكن لا ينال ماينال خلف تقي."(۲)

میں نے شمس الأئمہ حلوانی کی تحریر میں دیکھا کہ اس شخص کے پیچھے نماز سے منع کیا جائے گا جو علم کلام میں بحث کرتا ہے اور نفس پرستوں سے مناظرہ کرتا ہو، اور ایسے شخص کی اقتدا مکروہ ہے جو سود خوری میں مشہور ہو، جب فاسق جمعہ کی امامت کرے اور قوم اس کے روکنے سے عاجز ہو، تو بعض کا قول ہے کہ جمعہ میں اس کی اقتدا کی جائے گی، اس کے امامت کی وجہ سے جمعہ ترک نہ کیا جائے گا، اور غیر جمعہ میں انہیں اختیار ہے کہ دوسری مسجد میں چلے جائیں، اور اس میں گناہ گار ہوں گے۔ اگر بدعتی یا فاسق کے پیچھے جمعہ پڑھا تو اسے جمعہ کا ثواب ملے گا، لیکن اتنا نہیں ملے جتنا متقی کے پیچھے ملتا ہے۔ (مترجم)

بزازیہ میں فرمایا:

"أم الفاسق يوم الجمعة ولم يمكن منعه، قال بعضهم: يقتدى به ولا تترك الجمعة بإمامته، وفيه أثر ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما الخ."(۳)

جمعہ کے دن فاسق نے امامت کی اور اس کا روکنا ممکن نہ تھا، تو بعض کہتے ہیں کہ اس کی اقتدا کی جائے گی اور اس کی امامت کی وجہ سے جمعہ نہ چھوڑا جائے گا، اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمر کا بھی ایک اثر ہے۔ (مترجم)

خانیہ میں فرمایا:

"الفاسق إذا كان يؤم وعجز القوم عن منعه، تكلم الناس فيه ، قال بعضهم: في صلاة الجمعة يقتدى به ولا يترك الجمعة بإمامته ؛ لأن في الجمعة لا يوجد غيره(إلى أن قال)ومن شرائط السنة والجماعة أن يرى الصلاة خلف كل بر وفاجر."(۴)

---

(۱) [الفتاویٰ الهندية: الفصل الثالث في بيان من يصلح، ۱/۸۶]

(۲) [الفتاویٰ الهندية: الفصل الثالث في ببيان من يصلح، ۱/۸۴]

(۳) [الفتاوی البزازية مع الهندية: ۱/۲۵۵]

جب فاسق امامت کرے اور قوم اس کے روکنے سے عاجز ہو تو لوگوں نے اس کے بارے میں کئی قول کیے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے: نماز جمعہ میں اس کی اقتدا کی جائے گی اور اس کی امامت کی وجہ سے جمعہ نہ ترک کیا جائے گا، اس لیے کہ جمعہ میں اس کے علاوہ موجود نہیں ہے، اور سنت اور جماعت کے شرائط سے ہے کہ ہر نیک وبد کے پیچھے نماز جائز سمجھے۔ (مترجم)

بحرالرائق میں ہے:

"إذا تعذر منعه يصلي الجمعة خلفه، وفي غيرها ينتقل إلىٰ مسجد أخر، وكان ابن عمر وأنس رضى الله تعالىٰ عنهما يصليان الجمعة خلف الحجاج مع أنه كان أفسق زمانه"(۱)

اگر اس کا روکنا متعذر و دشوار ہو تو اس کے پیچھے جمعہ پڑھے اور جمعہ کے علاوہ دیگر نمازوں میں دوسری مسجد کی طرف چلا جائے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجاج کے پیچھے جمعہ پڑھتے تھے حالاں کہ وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا فاسق تھا۔ (مترجم)

ان عبارات سے بعض میں کراہت تحریم کی نص گزری، اور ان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تقدیم مکروہ ہے، اس سے یہ مراد نہیں کہ نفس تقدیم مکروہ ہے و بس۔ جیسا کہ آج کل ہمارے بعض کرم فرما علما کا خیال ہے، کہ فاسق کو آگے بڑھانا یہ مکروہ تحریمی ہے، اس کی امامت اور اس کی اقتدا مکروہ نہیں، یعنی اسے لوگ امام بنائیں نہیں، اگر وہ بے ان کے امام بنائے خود امامت کرے، یا ان کے بڑھائے بغیر خود بڑھ جائے، تو کچھ حرج نہیں، کہ صرف تقدیم قابل الزام شی تھی، وہ نہ پائی گئی۔ اول تو یہ خود ہی واضح البطلان تھا، پھر جب علما سے "كره إمامة الفاسق. يكره الاقتداء بهم. جوزناها مع الكراهة." وغیرہ گزرا تو اس خیال کا بطلان اور بھی زیادہ واضح ہو گیا۔ وللہ الحمد۔ جو حضرات کراہت تنزیہی کے قائل ہیں وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ صرف تقدیم مکروہ تنزیہی ہے بلکہ اقتدا بس فاسق و امامت فاسق ہی کو فرماتے ہیں۔

بحرالرائق میں فرمایا:

"ويكره الاقتداء بهم كراهة تنزيهة وينبغي أن يكون محل كراهة الاقتداء بهم عند وجود غيرهم وإلا فلا كراهة"(۲)

---

(۱) [البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۱/ ۶۱۱]

فساق کی اقتدا مکروہ تنزیہی ہے جب کہ غیر فاسق موجود ہو، اور اگر غیر فاسق موجود نہ ہو تو کوئی کراہت نہیں۔ (مترجم)

ملک العلما بحر العلوم قدس سرہ "رسائل الارکان" میں فرماتے ہیں:

"یکرہ إمامة الفاسق بعد الاعتماد علی الاتیان بشروط الصلاۃ علیٰ وجه الاحتیاط ـ ثم الکراهة إذا وجد إمام تقی وتقدم علیه الفاسق، وأما إذا لم یجد فلا کراهة ، وإن صلی خلف الفاسق أو المبتدع جاز،ویحرز ثواب الجماعة لکن لا یحرز ثواب المصلی خلف التقي ویکرہ إمامة المبتدع ،فیجوز خلفهم الصلاۃ لکن یکرہ کراهة شدیدۃ .اہ مختصراً۔"(۱)

فاسق کی امامت مکروہ ہے جب کہ شرائط نماز بطریق احتیاط ادا کرنے کا اعتماد و بھروسہ ہو، پھر کراہت بھی اس صورت میں ہے جب کہ متقی امام موجود ہو اور فاسق اس پر مقدم ہو جائے (امام بن بیٹھے) اور متقی امام نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھی تو جائز ہے اور اسے جماعت کا ثواب بھی ملے گا، لیکن پرہیز گار امام کے پیچھے نماز پڑھنے جیسا ثواب نہ ملے گا، پس ان کے پیچھے نماز جائز ہے، مگر سخت مکروہ ہے۔ (مترجم)

دیکھیے ان عبارتوں میں "یکرہ الاقتداء . اور. یکرہ إمامة الفاسق" فرمایا۔ بلکہ بحر العلوم نے تو تقدم علیه فرما کر نخل آرزو کی جڑ ہی کاٹ دی۔ الحمد للہ رب العالمین۔ دربارۂ تقدم فاسق اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، اس کی نص صریح بھی پائی۔

غنیۃ میں ہے:

"إن تقدموا جاز یعني جازت الصلاۃ ولولهم مع الکراهة ولا تفسد، وفي الفاسق خلاف مالك ، فإن عندہ لا تصح إمامته والاقتداء به ، وکذا عند أحمد في روایة ؛ لأن الإمامة کرامة والفاسق لیس بأهل لها .اہ"(۲)

اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنالیا تو نماز جائز ہو جائے گی اگرچہ کراہت کے ساتھ، البتہ فاسد نہ ہوگی، اور فاسق کے بارے میں امام مالک کا اختلاف ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک فاسق کی امامت اور

---

(۱) [رسائل الأرکان : ص۹۸، ناشر مطبع یوسفی لکھنو۔]

ن کی اقتدا درست نہیں، اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے، اس لیے کہ امامت ایک شرف اور زت ہے اور فاسق اس کا اہل وحق دار نہیں۔(مترجم)

جازت کے بعد: ولا تفسد ''فرمایا، جو باعلیٰ ندا منادی کی یہاں جواز بمعنی صحت ہی مراد ہے۔ ہرگز بمعنی حل نہیں۔ ان کی اس عبارت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ تقدیم پر کراہت موقوف ہیں، اور نفس تقدیم ہی مکروہ نہیں، بلکہ بصورت تقدم بھی کراہت ہوگی، اور نماز مکروہ ہوگی۔ وہاں یہ بھی علوم ہوگیا کہ یہاں جواز بمعنی حل نہیں، بلکہ بمعنی صحت۔ یجوز خلفهم الصلاة أي يصح. انہیں بارات سے روشن ہوا کہ صحابہ جو اقتدا جاج کرتے تھے، اس کا محمل کیا ہے،

شرح عقائد نسفی نہایت متداول کتاب میں ہے:

''لا كلام في كراهة الصلاة خلف الفاسق والمبتدع اه.''(١)

بدعتی اور فاسق کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے۔(مترجم)

طوالع الانوار میں ہے:

''أما الفاسق العالم فلا يكون الأفضل؛ لأن في تقديمه تعظيمه وقد وجب علينا اهانته شرعاً، والصلاة خلفه مكروهة تحريماً.''(٢)

فاسق عالم افضل نہ ہوگا اس لیے کہ اسے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہوتی ہے جب کہ ہم پر شرعی طور پر اس کی اہانت ضروری ہے، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔(مترجم)

مقطع کا بند۔ حاوی قدسی سے حضرت محترم جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب اعظمی رام پوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے رسالہ ''اوضح البراہین علی عدم جواز الصلاۃ خلف غیر المقلدین'' میں ناقل:

''قال أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أكره أن يكون الإمام صاحب هوى أو بدعة أو فاسقاً، وأكره لرجل أن يصلي خلفهم.''

حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کہ فاسق بدعتی، اور نفس پرست کی امامت مکروہ خیال کرتا ہوں اور اسی طرح اس شخص سے بھی جو ان کے پیچھے نماز پڑھے، نفرت کرتا ہوں۔(مترجم)

اور فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ متقدمین اکرہ برائے کراہت تحریم اور احب برائے وجوب

---

(١) [شرح العقائد النسفية: ص ١٦٠]

استعمال فرمایا کرتے۔

ردالمختار ج۲:

"یقول المتقدمین أکره: أي : یحرم عندي وأحب ذلك: أي : یجب عندي"(۱)

متقدمین جب "اکرہ" کہتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ یہ میرے نزدیک حرام اور اسی طرح جب کہیں "احب ذلک" مجھے یہ پسند ہے یعنی میرے نزدیک یہ واجب ہے۔(مترجم)

بلکہ خود مجتہد کے لیے فرمایا: کہ مجتہد کبھی حرام کے لیے اکرہ کا استعمال کرتا ہے۔اسی میں لفظ "قد یستعمله المجتهد في الحرام."

بلکہ خود امام سے ایسا استعمال منقول۔امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا امام اعظم سے وقت خطبہ ذکر ودرود کا حکم پوچھا،امام نے ارشاد فرمایا: میرے نزدیک احب یہ ہے کہ سنیں،اور خاموش رہیں۔

علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی "حدیقہ ندیہ ج۲" میں فرماتے ہیں:

"ذكر الشيخ الوالد رحمه الله تعالىٰ في شرحه على شرح الدرر قال: سأل أبو يوسف أبا حنيفة رحمه الله تعالىٰ إذا ذكر الإمام هل يذكرون ويصلون على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقال:أحب إلي أن يستمعوا وينصتوا،ولم يقل لا يذكرون ولا يصلون، فقد أحسن في العبارة واحتشم من أن يقول: لا يذكرون ولا يصلون على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم."(۲)

والد گرامی نے اپنی کتاب شرح شرح الدرر میں ذکر کیا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا جب امام ذکر کرے کیا مقتدی بھی ذکر کریں گے اور سرکار پر درود بھیجیں گے تو آپ نے فرمایا: مجھے پسند ہے کہ لوگ خاموش رہیں اور غور سے سنیں، یہ نہ کہا کہ وہ ذکر نہ کریں گے اور نا ہی درود بھیجیں گے۔ پس عبارت کو بہتر طریقہ سے پیش کیا، اور یہ کہنے سے پرہیز کیا، کہ

---

(۱) [رد المحتار على الدر المختار:فتح القدير لابن الهمام، فصل في بيان المحرمات، ۳/۲۴۵]

رنہ کریں اور سرکار علیہ السلام پر درود نہ بھیجیں۔ (مترجم)

اور ظاہر ہے کہ استماع وانصات فرض ہے، اور اس وقت ہر وہ امر جو منافی استماع وانصات ہونا
ز، تو امام نے احب فرمایا۔ اور مراد امام کی نہی ہے، کہ استماع وانصات کا منافی مکروہ بکراہت تحریم
، بلکہ امام کے اس ارشاد کی تفسیر کے لیے خود امام ہی سے جو مروی ہوا، کیوں نہ پیش کروں۔

فتح القدیر میں فرمایا:

"روي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ وأبي يوسف رحمه الله أن الصلاة
لف أهل الأهواء لاتجوز."(۱)

نفس پرستوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ (مترجم)

نیز فتح القدیر میں فرمایا:

"روى محمد عن أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهم الله تعالىٰ أن الصلاة
ف أهل الهواء لاتجوز۔"(۲)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے شیخین سے روایت کیا ہے کہ بدعتیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

"اغتنم هذا التحرير الرشيق، لعلك لا تجد مثل هذا التحقيق الأنيق في غيره
الحمد لله تعالىٰ ولى التوفيق خير الرفيق على حسن التوفيق، وصلى الله تعالىٰ
ى سيدنا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم إلى أبد الأبد."(۳)

اس عمدہ تحریر کو غنیمت شمار کرو، ممکن ہے کہ اس طرح کی تحقیق انیق دوسری کتابوں میں نہ ملے۔ شکر
، پاک بے نیاز کا جس نے خیر کی توفیق بخشی، اور ہمیشہ ہمیشہ درود وسلام نازل فرمائے نبی کریم صلی اللہ
لی علیہ وسلم اور آپ کی آل وآصحاب پر۔ (مترجم)

ا) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید مولوی ہے، اور بکر حافظ اور قاری ہے، ان میں کس کو حق امامت کا حاصل ہونا چاہیے، جواب

) [فتح القدير شرح الهداية: ۱/۳۰۴]

) [فتح القدير لابن الهمام: باب الامامة، ۱/۳۵۰]

بحوالہ کتب معتبرہ مع عبارت و دستخط و مہر۔

الجواب

اگر مولوی ہے اور ایسا قرآن عظیم پڑھ لیتا ہے کہ نماز صحیح ہو جائے۔ حروف کے مخارج کو نکال لیتا ہے، فن تجوید سے واقف نہیں۔ اور سنی حافظ ضروری مسائل طہارت وصلاۃ کا واقف ہے۔ مولوی اور حافظ دونوں ضروری مسائل طہارت وصلاۃ کا لحاظ رکھتے، اور ان پر عمل کرتے ہیں تو مولوی اولیٰ بالامامت ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

کانے کے پیچھے نماز درست ہے

مسئلہ: (۱۳)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک شخص یک چشم ہے، اور امامت کرتا ہے، حافظ قرآن بھی ہے، کیا اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے، جب کہ دو آنکھ والا موجود ہو، حافظ بھی ہو دیگر مسائل وغیرہ سے بھی واقف ہو، امید ہے کہ جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے گا۔ عین بندہ نوازی ہوگی، ساتھ قرآن شریف وحدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

از راج کوٹ کریم پورہ عبدالمجید پیش امام۔

الجواب

یک چشم کے پیچھے نماز میں کچھ حرج نہیں۔ دوسرا شخص جب کہ اس سے زیادہ اعلم ہے تو وہ اولیٰ بالامامت ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

دو شخص لائق امامت ہیں تو جو بغیر اجرت امامت کرے اس کی امامت اولیٰ ہے

مسئلہ: (۱۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

سوال بہ مجرد اس کے کہ مقرر کیا گیا اور قابل امام موجود ہے، ملازم پیشہ کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر کوئی شخص قابل امامت موجود ہے، اور وہ بے معاوضہ اس خدمت کو انجام دیتا ہے، تو اسی کے

و لوگ چندہ کر کے تنخواہ دیں جب بھی کہ اگرچہ متاخرین کے نزدیک اجرت امامت لینا دینا جائز پھر
خود امامت پر عقد نہ کرنا چاہیے، مگر ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی امامت سے اس کی امامت کہیں بالا ہے جو
معاوضہ پڑھاتا ہے۔ یہ تو اس صورت میں ہے، کہ دوسرا بھی امامت کے لائق ہو کہ سنی صحیح العقیدہ ہو،
و غیرہ بد مذہب نہ ہو، اور اگر وہ بد مذہب ہے جب تو اس کے پیچھے نماز گناہ ہے، اور اس کی بد مذہبی
اللہ کفر تک پہنچی ہوئی ہو، جیسے آج کل کے وہابی اور قادیانی وغیرہم جب تو اس کے پیچھے نماز ہی
، جیسے کسی ہندو مجوسی نصرانی یہودی کے پیچھے، یوں ہی اگر بد مذہب تو نہیں مگر فاسق معلن ہو کہ مثلاً
ں حد شرع سے کم رکھتا ہو، یا کسی اور فسق کا ارتکاب علی الاعلان کرتا ہو تو بھی اس کی امامت جائز نہیں،
کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی کہ پڑھنی گناہ اور جو پڑھی ہو اس کا پھیرنا واجب۔ یوں
ر فاسق بھی نہ ہو مگر مسائل ضروریہ طہارت وصلاۃ سے ناواقف، یا واقف بھی ہو مگر بہر حال ان پر عامل
۔ قرآن عظیم صحیح نہ پڑھتا ہو۔ حلال ملازمت رکھنے والے کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، اس کی امامت
ت ہے، خود امامت کی ملازمت مراد ہے تو اس کا حکم اوپر گزر چکا۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

م کی شان میں گستاخی کرنے والا لائق امامت نہیں جب تک توبہ نہ کرے

) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جو شخص اپنی ذاتی غرض سے ایک عالم کو بر سر اجلاس فحش گالیاں حتی کہ ماں دادی بیوی وغیرہ کی
ر کر کفر کا فتویٰ لگائے، اور بغیر توبہ یا معافی کے پھر مسجد کا امام بن جائے، اس کے پیچھے نماز درست ہے
لہ کہ خود بھی مولوی ہونے کا مدعی ہو، اور کسی جائداد وغیرہ کے جھگڑے میں اپنے بزرگ مولوی کو برا
ر کفر کا فتویٰ لگا کر مسجد کا مالک بننے کی کوشش کر کے امام بنے، کیا اس کی امامت درست ہوگی؟۔

الجواب

نہیں جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

امام کو امامت کی نیت کرنا لازم نہیں

) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ازمنشی جان محمد محلّہ نئی بستی شہر کہنہ بریلی۔۲۴/ جمادی الآخرہ ۱۳۵۷ھ

الجواب

امام ویسے ہی نیت کرے جیسے منفرد کرتا ہے، وہ نیت امامت کرنے کا محتاج نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے:

”والإمام ینوي ماینوي المنفرد ولا یحتاج إلیٰ نیة الإمامة، حتی لو نوی أنه لا یؤم فلانا فجاء فلانٌ واقتدیٰ به جاز، هکذا في فتاویٰ قاضی خان“ واللّٰه تعالیٰ أعلم(۱)

امام ویسے ہی نیت کرے جیسے منفرد نیت کرتا ہے، اسے نیت امامت کی حاجت نہیں، یہاں تک کہ اگر امام نے یہ نیت کرلی کہ وہ فلاں شخص کا امام نہیں، پھر وہ شخص آکر اس امام کی اقتدا کرے تو نماز ہو جائے گی، اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔ (مترجم)

فاسق بدکار کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اس کا اعادہ واجب

(۱۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) ایک شخص نے مسجد کے اندر لونڈا بازی کی، مسلمانوں کو معلوم ہونے پر توبہ استغفار کرایا۔

(۲) یہی شخص محلّہ کے اندر چوری کیا جس کی وجہ سے جرم قائم ہو کر سزایافتہ ہوا۔

(۳) یہی شخص غیر عورت سے زنا کیا، دونوں شادی شدہ تھیں، دوبارہ توبہ استغفار کرایا۔ اور قرآن ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ آئندہ زنا ہرگز نہ کروں گا۔

(۴) پھر شادی شدہ عورت کے ساتھ زنا کرتے وقت دیکھا، اور ہر قوم میں وہر جگہ اس شخص کی شہرت پھیل گئی، بعدہ محلّہ کے تمام مسلمان اکٹھے ہو کر مشورہ کیا، کہ یہ شخص اپنے محلّہ کے اندر بارہا زنا کیا ہے، اس لیے اقرار نامہ لکھا کہ آئندہ کے لیے اس شخص کو محلّہ کے اندر نہ آنا چاہیے، ترک موالات کرایا۔

(۵) یہ شخص غیر محلّہ کا رہنے والا ہے، اور چھ سال تک ہمارے محلّہ کے اندر نہ آنے پائے، بعضے

---

(۱) [الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة الباب الثالث في شروط الصلاة، الفصل الرابع في النیة: ۱/ ۸۶]

ص نا اتفاقی کی وجہ سے اس شخص کو مسجد کے اندر لائے، اور اس شخص کے آنے سے محلّہ کے اندر فتنہ وفساد
یل گئے ہیں۔ اس شخص کے مسجد میں آنے کی وجہ سے ہمارے محلّہ کے اندر نا اتفاقی پھیل کر پنج وقتہ
زوں کی جماعت ٹوٹ گئی۔

(۶) یہی شخص ہنود کے ساتھ خنزیر کا شکار کھیلنے کو جایا کرتا ہے، اور کئی کئی روز شکار گاہ میں رہ جاتا
ہے۔ اس شخص کا شرعاً مسجد ومحلّہ کے اندر آنا جائز ہے یا نہیں، اور یہ مسجد محلّہ کے اندر ہے۔

(۷) اور یہی شخص امامت کے قابل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اوپر لکھے ہوئے سوالوں کا جواب
تھ دلیل کے دے کر ثواب دارین حاصل فرمائیں، اندیشہ خوں ریزی کا ہے، جواب جلد مرحمت
مائیں؟۔

از مقام کوسد گڑھ ضلع اجمیر شریف۔ فیض محمد ولد محمد بخش صاحب۔

الجواب

وہ شخص سخت گنہ گار مستحق نار ہے، اس سے میل جول ناجائز ہے، اس کے اس حال بدحال پر مطلع
لر جو اس کے ساتھی ہیں، وہ بھی گنہ گار ہیں، اس ظالم کی رسی میں گرفتار ہیں، ان پر بھی توبہ لازم، یہ لوگ
ر توبہ نہ کریں، تو اس کی طرح ان کا بھی حقہ پانی بند کر دینا چاہیے، ان سے بھی میل جول موقوف کیا
ے، وہ ہرگز امامت کا اہل نہیں، اسے ہرگز امام نہ بنایا جائے، اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اسے امام بنانا
ناہ۔

غنیۃ وتبیین الحقائق وغیرہما میں ہے:

"لو قدموا فاسقا یاثمون۔"(۱)

اگر لوگوں نے فاسق کو امامت کے لیے بڑھایا تو وہ گنہ گار ہوں گے۔ (مترجم)

درمختار میں ہے:

" کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب إعادتھا"(۲)

جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا لوٹانا واجب ہے۔ (مترجم)

نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں، ان کا اعادہ کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) [غنیۃ المستملي شرح منیۃ المصلي: ص ٤٧٩]

(۲) [رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب صفۃ الصلاۃ: ۲/۱۳۰]

علانیہ جھوٹ بولنے والا فاسق ہے امامت کے ہرگز لائق نہیں

(۱۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جو شخص جھوٹی اور لغوبات لوگوں سے کہہ دے، یعنی زید سے یہ کہے کہ عمرو نے تجھے گالی دی اور عمرو سے یہ کہے کہ زید نے تجھے برا کہا، اور اس کا یہ کہنا صریح جھوٹ۔ منشا یہ ہے کہ دو مسلمان کے اندر آپس میں لڑائی ہو جائے، اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ کبھی کبھی امامت بھی کرتا ہے، لہذا ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بغیر توبہ کئے ہوئے امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟

عبدالغفار خاں موضع راٹن مونگیر

الجواب

ایسا شخص گنہ گار ہے، جھوٹ خود سخت کبیرہ ہے، نہ کہ ایسا جھوٹ افترا، جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، فریب کرنا، فتنہ اٹھانا، مسلمانوں میں لڑائی، جھگڑا، فساد کرانا، یہ سب شدید گناہ ہیں۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے جو جھوٹ بولا جائے اور مسلمانوں پر افترا کیا جائے، وہ اور بھی زیادہ ملعون کام ہے، جھوٹ بولنا افترا کرنا ہی مسلمان کا کام نہیں، نہ کہ ایسا جھوٹ ایسا قبیح وفضیح افترا:

قال تعالیٰ:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾(۱)

جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے۔

وقال تعالیٰ:

﴿لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ﴾(۲)

اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کر دے۔

وقال تعالیٰ:

﴿فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾(۳)

---

(۱) [سورۃ النحل:۱۰۵] (۲) [سورۃ طٰہٰ:۶۱]

(۳) [سورۃ آل عمران:۶۱]

جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

وقال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم:

((لیس منا من غشنا)) (۱)

دھوکا دینے والا ہم میں سے نہیں۔ (مترجم)

وہ شخص اگر ایسا جھوٹا مشہور ہو چکا ہو، علی الاعلان جھوٹ بولنے کا عادی ہو چکا ہو، تو فاسق معلن ہے، اس کے پیچھے نماز گناہ ہے، اس سے جب تک توبہ نہ کرے امام نہ بنایا جائے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

امام تسمیع اور مقتدی تحمید ادا کرے

۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

امام کو بعد سمع اللہ لمن حمدہ کے ربنا لک الحمد کہنا چاہیے یا نہیں، اگر نہیں پڑھے تو کیا حرج؟ زید کہتا ہے کہ نہیں پڑھنا چاہیے مکرسہ کر، اور کون قول صحیح ہے کہ: ربنا لک الحمد یا اللھم ربنا ولک الحمد.

از باغ احمد علی خاں بریلی مسئولہ احمد صاحب، ۱۳/ ربیع الآخر ۵۸ھ

الجواب

امام صرف تسمیع پر اکتفا کرے، اگرچہ امام اعظم سے ایک روایت میں اور صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ تسمیع وتحمید دونوں کرے، مگر ظاہر الروایۃ میں امام اعظم سے یہی ہے کہ تسمیع پر اکتفا۔ مقتدی تحمید کرے۔

منیہ اور اس کی شرح غنیۃ میں ہے:

"ثم یرفع راسه ویقول الإمام حال الرفع: سمع اللہ لمن حمدہ .وإن كان المصلي مقتدياً فإنه يأتي بالتحميد. ولا يأتي المقتدي بالتسميع، وإن كان منفرداً يأتي بهما. أما الإمام فيأتي بعد التسميع بالتحميد أيضاً على قولهما۔ وفي رواية

(۱) [مجمع الزوائد، باب في الغش: ۴/ ۷۸]

الحسن عن أبي حنيفة وفي ظاهر الرواية عنه إنه يأتي بالتسميع لا بالتحميد لما مر من قوله: عليه الصلاة والسلام۔ إذا قال الإمام: سمع الله لمن حمده فقولوا: اللهم ربنا لك الحمد. فإنه قسم، والقسمة تنافي الشركة، ولا يرد إنه عليه السلام قسم في قوله: وإذا قال ولا الضالين قولوا: آمين، مع أن الإمام يقولها، لإنه ورد في بعض رواياته، فإن الإمام يقولها ولم يرد ههنا مثله على أن ههنا مانعاً ليس هناك، وهو أن المسنون في هذه الأذكار ابتدائها عند ابتداء الانتقال، انتهاؤها عند انتهائه، ومقتضاه انتهاء تسميع الإمام عند انتهاء الرفع وكذا انتهاء تحميد المقتدي، فلو حمد الإمام بعد ذلك لوقع تحميده بعد تحميد المقتدي، وهو خلاف وضع الإمامة. اه. "(۱)

پھر سر اٹھاتے وقت امام تسمیع کرے اور اگر نمازی مقتدی ہو تو وہ تحمید (ربنا ولك الحمد) پڑھے مقتدی تسمیع نہ کرے، اور اگر منفرد ہے تو دونوں پڑھے، البتہ امام تسمیع وتحمید دونوں کرے صاحبین کے قول کے مطابق۔ امام حسن کی روایت میں امام اعظم سے ہے اور ظاہر الروایۃ انہی سے ہے کہ امام صرف تسمیع کرے گا، تحمید نہ کرے گا، جیسا کہ سرکار علیہ السلام کا فرمان گذرا کہ جب امام **سمع الله لمن حمده** کہے تو تم **اللھم ربنا لک الحمد** کہو، تو یہ قول تقسیم پر دلالت کر رہا ہے اور تقسیم شرکت کے منافی ہے، یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ سرکار دوعالم نے اپنے اس فرمان میں بھی تقسیم فرمائی ہے: کہ امام جب "ولا الضالین" کہے تو تم "آمین" کہو، حالاں کہ امام بھی آمین کہتا ہے اس لیے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ امام آمین کہتا ہے، جب کہ اس طرح کا حکم تسمیع وتحمید کے باب میں نہیں آیا، مزید برآں، یہاں ایک مانع ہے جو وہاں نہیں ہے، وہ یہ کہ مسنون ان اذکار میں ہے کہ ان اذکار کو ابتدائے انتقال کے وقت شروع کیا جائے اور انتہائے انتقال پر ختم کر دیا جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کی تسمیع انتہائے رفع پر ختم ہو جائے، اسی طرح مقتدی کی تحمید بھی انتہائے رفع پر ختم ہو جائے، پس اگر امام اس کے بعد تحمید کرے تو اس کی تحمید مقتدی کی تحمید کے بعد ہوگی، اور یہ صورت وضع امامت کے خلاف ہے۔ (مترجم)

مقتدی ومنفرد تحمید یوں کریں:

"اللھم ربنا ولك الحمد."۔ یا۔ یہ کہیں: "ربنا لك الحمد، اور ربنا لك الحمد سے ربنا ولك الحمد" افضل ہے۔

غنیۃ میں کافی سے اسی ترتیب کے ساتھ افضلیت کا حکم نقل فرمایا،

غنیۃ میں ہے:"وأفضليتها علىٰ ترتيبها كذا في الكافي."والله تعالىٰ أعلم.(۱)

اور اس کی افضلیت اس کی ترتیب پر ہے، یوں ہی کافی میں ہے۔(مترجم)

بے وجہ شرعی تارک جماعت ومسجد فاسق ہے

۲۰) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

میں جناب دادا پیر قبلہ......صاحب کا خلیفہ پیر......صاحب کا مرید ہوں، میرے پیر صاحب اور جناب پیر صاحب مذکور الصدر کے طرف سے پیری مریدی کے سلسلہ میں بحیثیت خلیفہ کے اکثر پونہ ساتشریف لایا کرتے ہیں مگر پیر صاحب ایک سفر میں جناب قبلہ دادا پیر صاحب میرے پیر صاحبان کا رود محلّہ گھوڑ پور میں ہوا، عاجز بھی اس محلّہ میں قیام پذیر تھا۔ ہر دو پیر صاحبان ایک ہفتہ تک متصل مسجد سافروکش رہے، عاجز بھی ہر دو بزرگان کی خدمت میں یومیہ حاضر ہوا کرتا تھا مگر باوجودے کہ اذان قامت کی آواز برابر سنائی دیتی تھی مگر پیر صاحب نے کبھی مسجد میں جا کر نماز نہیں پڑھی، ہاں گاہے گاہے برصاحب شرماً حیاءً مسجد میرے ساتھ چلے جاتے تھے مگر پابند نماز وجماعت یا مسجد کے یہ بھی نہ تھے۔ادب بے علمی مانع ہوتی تھی کہ پیر صاحبان کی مسجد کی عدم حاضری کا باعث دریافت کرے لیکن مجبوراً ایک دن برصاحب سے مسجد میں جا کر نماز نہ پڑھنے کا اپنی زبان سے دریافت کیا تو جواباً آپ نے فرمایا کہ:ان اموں کے پیچھے ہماری نماز نہیں ہوتی۔اب جواب طلب یہ ہے کہ ایسا شخص جو بلا عذر شرعی پانچ وقت مسجد ں حاضر نہیں ہوتا ہو۔تو گھر میں اس کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) دویم یہ کہ قبلہ پیر صاحب کا حلقہ درس قوالی مع باجا گاجا کے ہوتا تھا جن مکاران پر مصنوعی ال آتا تھا وہ پیر صاحب کو بے حجابانہ سجدہ کرتے تھے، میں نے مجبوراً پیر صاحب سے دریافت کیا تو رمانے لگے کہ پیر کو تعظیمی سجدہ جائز ہے۔میں حیرت میں رہ گیا، سجدہ تو بجز خدا کے کسی کو نہ کرنا چاہیے، کیا یر کو سجدہ کرنا جائز ہے، اور ایسا پیر جو پنج وقتی نماز مسجد کی اذان واقامت سنے اور مسجد میں نہ جائے اور باجا کا جا کے ساتھ قوالی میں مست رہے اور مرید سجدے کریں ان کو منع نہ کرے ایسے پیر سے مرید ہونا شرعاً

---

۱) [غنية المستملى شرح منيه المصلى:ص۳۰۹]

جائز ہے یا نہیں؟۔اور اگر اس کی مریدی توڑے تو شرعاً کوئی جرم تو نہیں ہے؟۔مذکورہ بالا عیبوں والے پیر کا شرعاً کیا حکم ہے؟بینوا توجروا عند اللہ بغیر حساب۔

از بمبئی زکریا مسجد ۳،مرسلہ جناب اکبر حسین صاحب معرفت سید خیر الدین صاحب۔۶رذی قعدہ ۵۲ھ بخدمت محترم موقر شیخ الاسلام جناب مصطفیٰ رضا خاں صاحب مفتی سلمہ اللہ تعالیٰ آمین۔

الجواب

بلا وجہ شرعی جو تارک جماعت و مسجد ہو فاسق ہے۔مگر جو نماز وہ گھر میں پڑھے گا ہو جائے گی۔بے وجہ شرعی ترک جماعت و مسجد کا اس پر الزام ہوگا۔مگر مسافر کہ اسے رخصت ہے بہتر اس کے لیے بھی حاضری مسجد و جماعت ہے مگر اس پر لازم نہیں خصوصاً مقتدا و پیشوا اصحاب کے لیے ان کا ترک مسجد و جماعت محض بر بنائے سفر ہرگز مناسب نہیں،حد درجہ نامناسب ہے۔

"لاصلاة لجار المسجد إلا في المسجد."(۱)

مسجد کے پڑوس میں رہنے والے کی نماز مسجد ہی میں ہوتی ہے۔(مترجم)

کے معنی یہ نہیں کہ گھر میں جو نماز پڑھی وہ نماز ہی نہیں بلکہ یہ کہ وہ صلاۃ کاملہ نہیں۔

صورت مستفسرہ میں جو پیر صاحب نے ترک جماعت و مسجد کی یہ وجہ ظاہر کردی کہ ان اماموں کے پیچھے ہماری نماز نہ ہوگی۔تو اب اس سوال کے کیا معنی ہیں کہ بے عذر شرعی جو حاضر نہیں ہوتا الخ۔وہ تو عذر شرعی بتاتے ہیں اور سوال اس کے متعلق ہے جو بے عذر حاضری ترک کرے۔رہا ترک صلاۃ،یہ بہت اشد حرام فسق لاکلام ہے۔یہ اگر ثابت ہو تو نہ عذر سفر یہاں مقبول ہے نہ عذر عدم اہلیت امام۔بے نمازی سے بیعت ناجائز ہے۔اور لاعلمی میں جو ایسے سے بیعت ہوگیا ہو اسے بعد علم دوسرے کسی جامع شروط سے بیعت چاہیے۔قوالی مع مزامیر ہمارے نزدیک ضرور حرام و ناجائز و گناہ ہے۔اور سجدۂ تعظیمی بھی ایسا ہی۔ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے اگرچہ وہ لائق التفات نہیں۔مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکم فسق سے بچادیا ہے۔جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں اگرچہ شرعاً ان پر اب دہرا الزام ہے،ایک ارتکاب حرام کا،دوسرا اسے جائز سمجھنے خلاف قول صحیح جمہور چلنے کا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

امامت

(٢١) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...
میں اپنے گاؤں میں جماعت پڑھاتا تھا، جس پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، کہ آپ پنج وقت جماعت سے ادا نہیں کرتے، لہٰذا میں مزدوری کرتا ہوں، جس وقت ہو سکتی ہے، میں ادا کرادیتا تھا، اور جماعت سے نہ پڑھانے سے کل نمازی رک جائیں گے، اس پر شریعت کیا کہتی ہے؟

نثار احمد، موضع یوسف پور ڈاک خانہ کڈھا بھمورا

الجواب

جب تم مسجد میں امامت کے لیے ملازم نہیں، اور بے عذر جماعت ترک نہ کرتے ہو، جس وقت حاضر ہوتے ہو اس وقت جماعت کی امامت کرتے ہو، تو جس نے یہ کہا کہ تمہارے پیچھے نماز جائز نہیں ہے غلط کہا، توبہ کرے، اس نے عقل سے مسئلہ بتایا، اور شریعت پر افترا کیا، ملعون کام کیا، اس پر توبہ لازم ہے۔
حدیث میں ہے: ((من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السموات والأرض))(١)
جو بے علم فتویٰ دے اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم
فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

(١) [کنز العمال، کتاب العلم، حدیث: ٢٩٠١٤- ١٠/٨٤]

(۴) جماعت

نماز سے فارغ ہوکر امام اپنا رخ قبلہ سے دوسری جانب کرلے

(۲۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید ایک محلّہ کی مسجد میں امام ہے، فجر وعصر کی نماز کے بعد پورب دکھن کی طرف منہ کرکے دعا مانگتا ہے۔ مقتدیان نے امام صاحب سے کہا کہ ہم نے مولوی بلغاری صاحب اور مولوی غلام محی الدین خاں صاحب پیش امام سابق جامع مسجد، اور نیز بزرگان دین کے پیچھے نماز پڑھی ہے، وہ سب صاحبان اتر کی طرف منہ کرکے دعا مانگا کرتے تھے، جس پر زید مذکور نے جواب دیا کہ اگلے بزرگ سب گمراہ تھے۔ اور حضرت کے چچا ابوجہل بھی گمراہ تھے۔ تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے لیے شرعا کیا جرم ہے؟۔ بینوا توجروا۔

از شاہ جہان پور رنگیں چوپال جناب مولوی حکیم سلامت اللہ صاحب قادری رضوی۔ ۲۱/جمادی الآخرہ ۵۲ھ

الجواب

نماز کے بعد انحراف چاہیے، خواہ جنوباً کرے، خواہ شمالاً، اور اگر شمالاً جنوباً انحراف کا موقع نہ ہو تو قبلہ کو پشت کرے، اور نمازیوں کی طرف منہ کرے، حالت صلاۃ میں تو بوجہ استقبال قبلہ نمازیوں کی طرف پشت بہ مجبوری تھی۔ اب جب کہ نماز سے فارغ ہوچکے تو نمازیوں کی طرف پشت نہ ہونی چاہیے۔ لہذا انحراف کرے، اور ہر بات میں تیامن مستحب ہے۔ تو شمالاً انحراف احب ہے۔ اور جائز جنوباً وشرقاً بھی ہے۔ خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے بعد انصراف انحراف احادیث میں موجود۔ اور: ''عن یمینه و عن یسارہ.'' بھی۔ اور حضور کی تیامن کے ساتھ محبت اور اس کا اعتاد کسے معلوم نہیں، اور اس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کہ لوگ انحراف عن یمین ہی کو حق اور اس کے سوا کو ناجائز نہ ماننے لگیں۔ قولاً وفعلاً تنبیہ بھی فرمائی۔

غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

یمینه، وإن شاء انحرف عن یمینه وجعل القبلة عن یساره، وهذا أولیٰ لما في مسلم من حدیث البراء:((کنا إذا صلینا خلف رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أحببنا أن نکون عن یمینه حتی یقبل علینا بوجهه، فإن مفهومه إن وجهه صلی اللّٰه علیه عند الإقبال علیهم کان یقابل من هو عن یمینه، وذلك إنما یکون إذا کان المسجد عن یمینه والقبلة عن یساره))وقیل: معناه حتی یقبل علینا بوجهه قبل من هو عن یساره ، فیفید الانصراف عن یمینه، لا أنه یجلس منحرفاً بل یستقبلهم في القعود بعد الانصراف عن یمینه کما في حدیث أنس عن مسلم أیضاً: کان النبي صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم ینصرف عن یمینه۔ وما في الصحیحین وغیرهما من حدیث ابن مسعود،قال:لایجعل أحدکم للشیطٰن شیئاً من صلاته یری أن حقا علیه أن لا ینصرف إلا عن یمینه، لقد رأیت رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم کثیراً ینصرف عن یساره لا یعارض ذلك؛ لأن فعله علیه الصلاۃ والسلام ذلك تعلیماً للجواز مع محبته للتیامن واعتیاده به وهو: أي الجواز مراد ابن مسعود، فإنه إنما نهیٰ أن یری الانصراف عن الیمین حقاً لا یجوز غیره."(۱)

جب امام نماز سے فارغ ہو جائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو وہ بائیں طرف انصراف کرے اور قبلہ اس کے داہنی جانب ہو، اور چاہے تو دائیں جانب پھرے اور قبلہ اس کے بائیں جانب ہو، جیسا کہ صحیح مسلم میں بروایت حضرت براء بن عازب موجود ہے، کہ جب ہم سرکار دو عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو ہمیں داہنی جانب رہنا پسند تھا۔ تاکہ سرکار دو عالم کا ہماری طرف رخ انور ہو۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ سرکار دو عالم کا رخ انور اس کی طرف ہوتا تھا جو آپ کے داہنی جانب ہوتا جب سرکار ان کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور یہ صورت اس وقت ہو سکتی ہے جب مسجد آپ کی داہنی جانب ہو اور قبلہ بائیں جانب۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ سرکار کا رخ انور اس شخص کی طرف ہوتا جو آپ کی بائیں جانب ہوتا، جس وقت سرکار ہماری طرف اقبال فرماتے۔ تو یہ داہنی جانب انصراف کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ منہ پھیر کر گھوم کر بیٹھتے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ داہنی طرف انصراف

فرمانے کے بعد آپ ان کی طرف رخ فرماتے جیسا کہ صحیح مسلم ہی میں حضرت انس کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داہنی جانب انصراف فرماتے تھے۔ اور صحیحین وغیرہ میں جو حدیث ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وارد ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شیطان کو اپنی نماز میں بالکل نہ بھٹکنے دے، ان کا خیال ہے کہ نمازی کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ صرف داہنی طرف سے انحراف کرے ، بے شک میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ زیادہ تر آپ بائیں جانب انصراف فرماتے۔ یہ روایت اس کے معارض نہیں، اس لیے کہ آپ کا یہ عمل تعلیم جواز کے لیے تھا جب کہ آپ کو تیامن پسند تھا اور یہی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اور ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود جواز تھا۔ بے شک آپ نے اس بات سے روکا کہ وہ داہنی جانب انصراف کو اس طرح حق سمجھے کہ غیر کو جائز نہ سمجھے۔ (مترجم)

تو وہ جس نے دکھن کی جانب اور پورب کی طرف ہی وقت دعا منہ کرنے کو حق جانا، اور اور کو ناجائز نہ صرف ناجائز بلکہ گمراہی، وہ اپنا حکم خود کہے۔ اس نے غلط و باطل فتویٰ دیا یا نہیں۔ اللہ اکبر بوجہ محبت تیامن والتیاد تیامن حضور علیہ الصلاۃ والسلام تنبیہ کے لیے انحراف عن یسارہ بھی فرمائیں۔ اور انحراف عن یمینہ ہی کو حق جانیں، اور انحراف عن یسارہ کو ناجائز ماننے سے نہی ارشاد بھی فرمائیں، اور یہ حضور کے محبوب انصراف عن یمینہ ہی کو نہ صرف ناجائز بلکہ گمراہی بتائے، تمام بزرگوں کو گمراہ ٹھہرائے، اب بتائیے کہ وہ بحکم حدیث:

((من أفتیٰ بغیر علم لعنته ملائکة السموات والأرض))(۱)

جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ (مترجم)

ملعون ملائکہ آسمان و زمین ہوا یا نہیں۔ اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سارے بزرگوں کو گمراہ ٹھہرایا یا نہیں۔ **لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم** ۔ اس پر توبہ لازم اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز سے سخت احتراز لازم، وہ توبہ کے ساتھ تجدید ایمان و تجدید نکاح بھی کرے۔ **واللہ الموفق وھو تعالیٰ أعلم وعلمه أتم۔**

---

(۱) [کنز العمال، کتاب العلم الباب الثاني، في آفات العلم: ۲۹۰۱۴ـــ ۸۴/۱۰]

جماعت کے بعد امام کا داہنی طرف رخ کر لینا محبوب و پسندیدہ ہے

۲۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

نماز فجر کے بعد امام کو کس رخ پر بیٹھ کر دعا مانگنا چاہیے، اور دیگر نماز، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کن
ُوں پر امام کو بیٹھ کر دعا مانگنا چاہیے۔ ہر اوقات نماز کی تفصیل علاحدہ معلوم ہونا چاہیے۔ فقط

از محلّہ براہم پورہ بریلی ۱۳؍شعبان المعظم ۱۳۵۶ھ

الجواب

امام مخیّر ہے چاہے جس طرف انصراف کرے، خواہ داہنے ہاتھ، یا بائیں ہاتھ، چاہے روبمشرق
ُکر بیٹھے، مگر جب کہ اگلی یا پچھلی صف میں کوئی مصلی اس کے محاذات میں ہو۔ مگر داہنے ہاتھ کا انصراف
ُبوب ہے۔ یعنی روبشمال ہو کر بیٹھے، داہنے ہاتھ کو مقتدی ہوں بائیں کو قبلہ۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو
ُامن محبوب ہے۔ اور حضور کا انصراف یوں ہی ہوتا۔

حدیث مسلم میں ہے:

((كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينصرف عن يمينه))(۱)

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داہنی جانب انصراف فرماتے تھے۔ (مترجم)

اور، کـــان استمرار" پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں بیان جواز کے لیے کہ کوئی اس مداومت سے یہ
ُعتقاد کرے کہ یہی حق یہی لازم ہے کہ یوں ہی انصراف کرے، بہت بار حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یسار
ُی فرمایا۔ یعنی روبجنوب پشت بشمال ہو کر تشریف رکھنا۔

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ آپ نے فرمایا:

((لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرى أن حقاً عليه أن لا
ُنصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كثيراً
ُصرف عن يساره. صح))(۱)

---

۱) [صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الانصراف من الصلاة بعد التسليم عن اليمن الشمال، ۱۵۸۸: ۱/ ۶۱۰]

تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کو نہ بھٹکنے دے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس پر داہنی طرف انصراف ہی ضروری ہے، بے شک میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ بائیں طرف انصراف کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔(مترجم)

غنیّہ میں ہے:

((إذا تمت صلاة الإمام فهو مخير انشاء انحرف عن يساره، وجعل القبلة عن يمينه وانحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره ، وهذا أولىٰ لما في مسلم من حديث البراء: كنا إذا صلينا خلف رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه))(۲)

"فإن مفهومه أن وجهه عند الإقبال عليهم كان يقابل من هو يمينه، وذلك إنما يكون إذا كان المسجد عن يمينه، والقبلة عن يساره۔ وقيل: معناه حتى يقبل علينا بوجه قبل من هو عن يساره، فيفيد الانصراف عن يمينه، لا أنه يجلس منحرفاًبل يستقبلهم في العقود بعد الانصراف عن يمينه)) كما في حديث أنس في مسلم أيضاً :((كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم ينصرف عن يمينه.))(۳)

جب امام کی نماز مکمل ہو جائے تو اسے اختیار ہے چاہے وہ بائیں جانب انصراف کرے اور قبلہ اس کے داہنی جانب ہو، اور چاہے داہنی جانب انصراف کرے اور قبلہ اس کے بائیں جانب ہو، یہ صورت بہتر ہے جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں حضرت براء کی روایت سے وارد ہے کہ جب ہم سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہماری خواہش یہ ہوتی کہ ہم آپ کے داہنی طرف رہیں تا کہ آپ کا رخ انور ہماری طرف ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کی طرف اقبال فرماتے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رخ انور اسی کی طرف ہوتا جو آپ کے داہنی طرف ہوتا، اور یہ صورت اس وقت ہوتی جب کہ مسجد آپ کی داہنی جانب اور قبلہ بائیں جانب ہوتا۔(مترجم)

---

(۱) [مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد،۹٤٦:۱/۱۸۳]

(۲) [صحيح مسلم، كتاب الصلاة باب يمين الامام،۱۵۸۹:۱/٦۱۰]

"وما في الصحيحين وغيرهما من حديث ابن مسعود قال: لا يجعل
ـدكم للشيطان شيئاً من صلوته يرى أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه،
ـد رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره لا
رض ذلك؛ لأن فعله عليه الصلاة والسلام ذلك تعليم للجواز معه محبته للتيامن
عتياده به وهو أي :الجواز مراد ابن مسعود، فإنه إنما نهىٰ عن أن يرى
نصراف عن اليمين حقاً لا يجوز غيره، والمراد من الانصراف الالتفات عن
هة الصلاة وهي القبلة أعم من أن يجلس بعده أولا (إلىٰ قوله) وإن شاء استقبل
ـاس بوجهه، أي : وجلس لما في الصحيحين وغيرهما عن سمرة بن جندب:
ن النبي صلى الله تعالىٰ علىٰ وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه"(١)

"وهذا إذا لم يكن بحذائه: أي : في مقابلته عند استقبال القوم مصل، حتى
كان بحذائه مصل لا يستقبلهم بل ينحرف يمنة ويسرة سواء كان المصلي في
ـف الأول أو في الصف الآخر إذا لم يكن بينهما حائل."اه مختصراً

اور صحیحین وغیرہ میں جو حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی نماز میں
طان کو نہ بھٹکنے دے، ان کا خیال ہے کہ نمازی پر ضروری ہے کہ وہ داہنی جانب انصراف کرے، بے شک
، نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اکثر بائیں طرف انصراف کرتے دیکھا ہے، تو آپ نے اس سے
امر سے روکا ہے کہ وہ انصراف عن الیمین کو اس طرح حق نہ سمجھے کہ اس کے علاوہ جائز ہی نہ جانے، اور
راف سے مراد جہت قبلہ سے منہ پھیرنا ہے خواہ وہ اس کے بعد بیٹھے یا نہ بیٹھے اور بیٹھے تو لوگوں کی طرف
رخ کر کے بیٹھے۔ جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ
ب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے، تو اس کے بعد ہماری طرف رخ فرماتے، یہ اس صورت
، تھا جب آپ کے سامنے کوئی نہ ہوتا، یعنی استقبال قوم کے وقت آپ کے سامنے کوئی نمازی نہ ہوتا،
ں تک کہ جب آپ کے سامنے کوئی نمازی ہوتا تو ان کی طرف رخ نہ فرماتے بلکہ داہنی یا بائیں جانب
راف فرماتے، خواہ نمازی اول صف میں ہوتا یا آخری صف میں جب کہ ان کے درمیان کوئی حائل نہ

) [صحيح البخاري، كتاب الأذان، باب يستقبل الامام الناس اذا

ہوتا۔(مترجم)

یہ کچھ نہیں ہے کہ فجر میں اس رخ پر انصراف کرے، ظہر میں اس رخ پر، عصر مغرب عشا میں اس رخ پر، اولیٰ یہی ہے کہ روبشمال کرے، اور کبھی کبھی روبجنوب بھی بیٹھے۔ اور کسی صف میں اگر کوئی مصلی نہ ہو تو پشت بقبلہ روبمشرق بھی بیٹھ سکتا ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کی جماعت مکروہ خواہ تراویح میں ہو

(۲۴) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مستورات حافظہ تراویح کی نماز پڑھا سکتی ہیں یا نہیں، یعنی ایسی جماعت جس میں صرف عورتیں ہی ہوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عورتوں کو جماعت کا حکم فرض میں نہیں، نفل تو نفل ہے، عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، اور اگر کریں تو ان میں جو امام بنے وہ ان کے وسط میں کھڑی ہو۔ مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو، فرض میں بھی یوں ہی تراویح میں بھی، کہ اس میں ان کی امام آگے کھڑی ہو تو کراہت دوہری ہو جائے گی، اور امام دوہری گنہ گار۔

درمختار میں ہے:

"ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو في التراویح."(۱) واللّٰہ تعالیٰ أعلم."

اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، خواہ تراویح ہی ہوں۔(مترجم)

بچوں کی صف بڑوں کے پیچھے علاحدہ بنائی جائے

(۲۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مسئولہ جناب منشی خلیل صاحب سکریٹری انجمن اصلاح المسلمین محلّہ پورہ چندن ڈاک خانہ کوپا گنج ضلع اعظم گڑھ۔ ۱۰/ذی القعدہ ۷۵ھ

امسال عیدالفطر کی نماز کے موقع پر عیدگاہ میں بالغوں کی صفوں میں نابالغ بچے بھی تھے، حضرت لانا محمد وصی اللہ صاحب نے فرمایا: کہ بچوں کو صف میں پیچھے کیا جاے، اس حکم کو سن کر چند لوگوں نے ں کو صفوں سے پیچھے ہٹانا شروع کر دیا، لیکن حاجی سلیمان صاحب نے اپنے لڑکے کے متعلق کہا کہ یہ نا نہیں ہٹے گا، اور اس بچے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ کس کی مجال ہے کہ اس کو ہٹا دے، چند لوگوں نے ان کو بھایا کہ حاجی صاحب یہ شرع کا حکم ہے، آپ مخالفت کیوں کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ یہ تین دن ے آتے ہیں، پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ لڑکا نہیں ہٹ سکتا، ایسے ایسے مولویوں کو ہم نے بہت دیکھا ہے، اور ڑی بازوں کو بھی تو میرا کام ہے۔ مزید توضیح کے لیے دو گواہوں کا بیان اور ایک رپورٹ منجاب اصلاح لمین گوپا گنج منسلک ہے۔

(۱) مندرجہ بالا مضمون سے شرع کے حکم کی مخالفت اور توہین علما ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) عام مسلمانوں کو ایسے شخص کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ امید کہ مدلل جواب عنایت مائیں گے۔

الجواب

نابالغ کو بالغین کی صف میں پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، جنہوں نے بچوں کو صف سے جدا کر کے پیچھے ھڑا ہونے کو کہا انہوں نے صحیح کہا۔ جس نے ضد کی اس نے بے جا ناروا ہٹ کی، ناحق مسلمانوں سے نے کے لیے آمادہ ہوا، اور انہیں اپنی بے ہودہ گوئی سے ایذا دی، اسے توبہ اور جنہیں اپنے قول وفعل سے ۔ا دی ان سے معافی چاہیے۔

حدیث میں ہے:

((عن أبي مسعود الأنصاري قال: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه سلم يمسح مناكبنا في الصلاة ويقول استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم، لني منكم أولوا الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم))(۱)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ مشہور صحابی رسول ہیں، آپ فر تے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں ہمارے کاندھوں پر اپنا دست پاک مارا اور

اپنے دست اقدس سے نمازیوں کی صف کو سیدھا فرمایا اور ارشاد فرمایا: اپنی صفیں سیدھی رکھو، ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ ہو جاؤ ورنہ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں گے، اس حدیث سے صفوں کی ترتیب اور ان کو سیدھا رکھنے کا حال معلوم ہوا۔ نیز دوسری حدیث میں بیان فرماتے ہیں: میرے قریب صف اول میں صاحبان عقل وخرد کھڑے ہوا کریں پھر وہ جو ان سے قریب ہیں پھر وہ قریب البلوغ بچے جن کو مراہق کہا جاتا ہے، پھر وہ جو ان سے قریب ہیں، جیسے خنثیٰ مشکل کہ مرد عورت دونوں کی علامت ان میں ہوتی ہے، پھر یہ بھی طے شدہ ہے کہ ان کے بعد عورتوں کی صف بندی ہوگی۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تمہارے درمیان آج اختلاف اور فتنہ وفساد یہ اسی فرمان عالی شان کی مخالفت کا سبب ہے کہ نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا تم نے ترک کر دیا امام مسلم نے اس کو روایت کیا۔ صفت بندی کے چار مرتبے ہیں، حدیث سابق میں عورتوں کی صف کا ذکر نہیں ہوا کہ یہ تو متعین ہے البتہ ہدایہ میں ذکر کیا ہے کہ پہلی صف مردوں کے لیے دوسری بچوں کے لیے، تیسری عورتوں کے لیے۔ انہوں نے خنثیٰ کا ذکر نہیں کیا، مگر شیخ ابن ہمام نے فرمایا: ان کا بچوں اور عورتوں کے درمیان مقام ہے۔ وقایہ میں بھی اسی طرح ہے اور شافعی مذہب کی رو سے بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ شیخ کی شرح میں مذکور ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہمارے شانوں کو چھوتے اور فرماتے انہیں سیدھا رکھو، جدا مت کرو کہ تمہارے دل جدا (مختلف) نہ ہو جائیں، اور میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو ذی عقل اور بالغ ہیں، پھر اس کے بعد وہ لوگ جو کہ مرتبہ میں ان کے قریب ہوں، اس کے بعد وہ جو ان کے قریب ہوں۔ (مترجم)

حضرت شیخ محقق مطلق مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکاۃ میں فرماتے ہیں:

روایت ست از ابی مسعود انصاری کہ از مشاہیر صحابہ است گفت بود آنحضرت کہ مسح می کرد کتفہائے ما را در نماز و بدست برابر وہموار ساخت آں ہا و تسویہ می کرد صف نماز را ویقول استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم برابر شدید موافق باشید و اختلاف نکنید پس مختلف گردد دلہائے شما بیان ترتیب صفوف می کند می فرماید باید کہ متصل شوند مرا و در صف اول بایستند خداوندان بلوغ و عقل ثم الذین یلونہم پستر آں کسانیکہ قریب اند بایشاں در رتبہ چنانکہ صبیان و آنہاں کہ قریب بلوغ اند کہ ایشاں را مراہق خوانند ثم الذین یلونہم پس نزآں کسانیکہ نزدیک و متصل اند بایشاں چناں کہ خناثی کہ علامت

تلافی۔ پس شما امروز سخت ترید از روئے اختلاف در کلمہ وقوع فتن وایں بسبب ترک تسویہ صفوف وعدم امتثال امر شارع ست، رواہ مسلم انتہی۔ نیز اس سے اگلی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: مراتب صفوف چہار خواہد بود، در حدیث سابق مرتبہ نساء ذکر نہ کردہ از جہت تعین آں وذکر کردہ است، در ہدایہ کہ صف اول برائے مردان ست، بعد ازوے صبیان، بعد ازوے نساء ذکر نہ کرد صاحب ہدایہ خنائی را، وشیخ ابن الھمام در فتح گفتہ است کہ صف خنائی میان صبیان ونساء ست، ہمچنیں ست در وقایہ ومذہب شافعیہ نیز ہمیں ست چنانچہ در شرح شیخ مذکور ست۔

وہ شخص توبہ کرے کہ اس نے حدیث کی مخالفت کی، شرع کی نافرمانی کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نماز کا کیا حکم ہے

حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم العالیہ القدسیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

معروض ایں کہ ایک رسالہ مسمی بنام "اسپیکر" مرتبہ مفتی مرکز اہل سنت حضرت بحر العلوم صدر مدرس دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف نظر سے گزرا، مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر میں نماز جائز ودرست ہوگی، فساد نماز کا حکم لگانا فاسد وباطل ہے، لہذا آں حضور سے عرض ہے کہ رسالہ اسپیکر میں جو مسئلہ درج ہے وہ آں حضور کے نزدیک صحیح ہے یا غلط؟۔ اگر غلط ہے تو دلائل شرعیہ سے مسئلہ ھذا کی وضاحت فرما کر ہم لوگوں کے شکوک وشبہات کو دفع کریں فقط والسلام۔

المستفتی: شمس الحسن خان رضوی مصطفوی، عبد الشکور خان رضوی محلہ گھیر شیخ محلہ ذخیرہ بریلی

الجواب

جو لوگ نہ امام کی آواز سنیں نہ مبلغ کی آواز ان تک پہنچی، نہ ایسے مقتدیوں کو دیکھتے ہوں جو امام یا مبلغ کی آواز سن کر رکوع وسجود کرے، محض لاؤڈ اسپیکر کی آواز سنکر یہ معاملات کریں ان کی نماز نہ ہوگی کہ اس صورت میں یہ خارج سے تلقی کر رہے ہیں، اور یہ مفسد نماز ہے، اگرچہ یہی مان لیا جائے کہ لاؤڈ اسپیکر سے جو آواز آرہی ہے وہ امام ہی کی آواز ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں آواز مماثل آواز امام پیدا نہیں ہوتی ہے، لاؤڈ اسپیکر کی یہ آواز گنبد کی آواز کی طرح ہے اور صدائے بازگشت کے مانند ہے۔ واللہ تعالیٰ ہو

بے وجہ جماعت ترک کرنا فسق ہے

(۲۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر کوئی فرد واحد مسجد کے پیش امام صاحب سے ناراض ہوکر ان کی اقتدا کو ترک کر کے جماعت میں شامل نہیں ہوتا بلکہ انفرادی حیثیت سے وہ اس مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرتا ہو تو کہاں تک درست ہوگا؟۔ جب کہ شہر میں دوسری مسجدیں بھی موجود ہوں؟ اگر اس فرد واحد کی ناراضگی پیش امام صاحب پر درست ہوگی تو وہ اپنے عمل میں کیسا ہے، اور اگر اس کی ناراضگی درست نہ ہوگی تو اس کا عمل کیسا ہوگا؟ بیان فرما کر اجر دارین حاصل کریں۔

المستفتی خلیل بادشاہ

الجواب

اگر وہ امام جامع شرائط امامت ضروری مسائل وطہارت وصلاۃ کے عالم اور ان پر عامل ہو اور فاسق یا بدمذہب نہیں، تو اس شخص کا یہ فعل سخت خلاف شرع ہے، اس پر اس فعل سے توبہ لازم ہے، مسجد میں اسی امام کے پیچھے نماز پڑھے، جماعت میں تفریق نہ ڈالے، فتنہ پیدا نہ کرے، اگر امام کے اندر کوئی ایسی خرابی ہو کہ جس کی بنا پر اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، تو دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے اگر اس میں جماعت سے نہ پڑھ سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد طاہر حسین پورنوی غفرلہ، ۱۱؍رمضان المبارک ۹۰ھ

الجواب صحیح

اگر بے وجہ شرع کوئی جماعت ترک کرے تو وہ فاسق ہے، حق اللہ اور حق امام میں گرفتار ہے، اس پر توبہ لازم ہے۔ اور اگر امام میں ایسی خرابی ہے تو وہ گنہ گار ہے اس پر توبہ اور اس خرابی کا دور کرنا لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفٰے رضا قادری غفرلہ

(۵) وتر

عشا کے فرض تنہا پڑھے ہوں تو وتر بھی علاحدہ پڑھے

۲۸) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مکرم ومحترم حضرت مولانا صاحب زادعنایتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

دوسرا رمضان شریف جارہا ہے، اس مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوا، اس دفعہ بھی کافی شور ہوا، علاقہ میں دو یق ہوگئے، آپ براہ الطاف مفصل واضح کردیں تاکہ اختلاف دور ہو، اور بھی فتوے آچکے ہیں، لیکن معتبر ب پر آپ کا فتویٰ ہوگا۔

(۱) دو تین آدمی مسجد میں آئے جب کہ فرض عشا ادا ہو چکے تھے ساتھ جماعت کے، اور جماعت اویح شروع تھی، انہوں نے فرض علاحدہ علاحدہ پڑھ کر جماعت تراویح میں شامل ہوگئے، جب تراویح م ہوئیں، تو ان کے ذمہ کچھ تراویح باقی تھیں، وہ بقایا تراویح چھوڑ کر جماعت وتر میں شامل جائیں، یا پہلے بقایا تراویح ادا کریں، اور جماعت وتر چھوڑ دیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز وتر میں شامل جائیں، اور بعد کو تراویح پوری کریں۔ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوے، کیوں کہ جماعت وتر تابع عت تراویح کے ہے، اس واسطے وتر کی جماعت نہ چھوڑے (صغیری) بعض کہتے ہیں کہ اگر فرض عشا عت سے نہیں پڑے تو وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔

(۱) کتاب بہار شریعت مصنفہ جناب مولانا مولوی حکیم ابو العلا امجد علی صاحب اعظمی حصہ چہارم ۳۰/ مسئلہ: اس کا وقت فرض عشا کے بعد سے طلوع فجر تک ہے۔ وتر سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اور بعد ، تو اگر کچھ رکعتیں اس کی باقی رہ گئیں کہ امام وتر کو کھڑا ہو گیا تو امام کے ساتھ وتر پڑھ لے باقی ادا کرے ب کہ فرض جماعت سے پڑھے ہوں، اور یہ افضل ہے۔

(۲) کتاب بہار شریعت ص:۳۳/ حصہ چہارم۔ مسئلہ: اگر عشا جماعت سے پڑھی اور تراویح تنہا تو وتر کی ت میں شریک ہو سکتا ہے۔ اور عشا تنہا پڑھ لی اگر چہ تراویح با جماعت پڑھی تو وتر تنہا پڑھے۔ (درمختار ردالمحتار)

(الف) ہمارے علاقہ میں رواج ہو گیا ہے کہ جب کوئی آدمی مرجاتا ہے، تو چند قرآن مجید جو ما ۸/ ہدیہ سے زیادہ نہیں ہوتے، اور نہایت بوسیدہ ہوتے ہیں، کیوں کہ حضرات علما کو وہ پھر دیے جاتے

ہوتے ہیں، دام چکائے اور لے آئے، بعض اوقات مسجد سے بھی دیے جاتے ہیں، تقسیم کے وقت وہ پھر مولانا صاحب کے حصہ میں بدستور رواج آجاتے ہیں، کیوں کہ یہ قرآن مجید مسجدوں کے نام تقسیم ہوتے ہیں، فلاں حضرت فلاں مسجد کے امام ہیں، انہیں دیا جائے، مسکینوں کا نام تک نہیں۔ جب امام صاحب کے حصہ میں آیا، انہوں نے پھر طاق میں جا کر ڈال دیا، اور کوئی فوت ہوا تو انہوں نے پھر پیسے بٹور لیے، یہ کہاں تک جائز ہے۔ ایسے قرآن مجید بیچنے، خریدنے والوں کو کیا کچھ وعید ہے یا نہ؟ جس مردے کے پیچھے دیے جاتے ہیں کوئی ثواب ہے یا نہ؟۔ یہ مصحف قابل تلاوت نہیں ہوتے۔

(ب) اسی طرح مردے کے پیچھے کچھ نقدی اور غلہ بھی دیا جاتا ہے جس کو اسقاط یا حیلہ کہا جاتا ہے، اس کی تقسیم مندرجہ ذیل طریقہ پر ہوتی ہے۔ بموجب حیثیت مردہ (چوں کہ یہ رواج عام ہے، اگر ایک ۸/آنے مسجد کو دے تو دوسرا خواہ غریب ہی ہو اس سے بڑھ کر دے گا۔ یعنی ایک روپیہ) ایک روپیہ یا آٹھ آنے، یا چار آنے مسجد کو دی جائے گی۔ تمام مسجدوں کے علما اکٹھا کر کے ایک لائن میں بٹھائے جاتے ہیں، وہ منہ سے بولتے ہیں کہ فلاں گاؤں کی مسجد دو تقسیم کنندہ دیے جاتے ہیں، اگر ایک گاؤں کے دوسرے گاؤں کی مسجد میں نہیں دیتے تو جب ان کا کوئی مر جاتا ہے ان کو نہیں دیتے۔ آئے دن ایسے تنازع ہوتے رہتے ہیں، کیا اگر اسقاط جائز ہے تو تقسیم جائز ہے، اگر جائز نہیں تو جو دیدہ ودانستہ یہ فعل کرتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے، بلکہ یہ رواج اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ گروہ کے گروہ بازاروں میں پھرتے ہیں، اور خبر رسانی کے عجیب عجیب سلسلے قائم کر رکھے ہیں، کہ آج کہاں کوئی فوت ہوا، اسی دھن میں لگے رہتے ہیں۔ اگر اسقاط کا مصرف صحیح نہیں تو کیا دینے والا فضول خرچ نہیں، فضول خرچ کے واسطے کیا وعید ہے، مردے کے پیچھے ایسی خیرات دینے سے مردے کو کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ صدقہ فقیروں اور مساکین کا مال ہے، جو شخص متمول (بینک میں روپیہ جمع ہو) وہ صدقہ کھائے، شرعاً اس کے واسطے کیا حکم ہے؟۔ جان بوجھ کر زکاۃ نہ دیتا ہو اور صدقہ بھی کھائے کیا ایسے آدمی کی امامت جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

از دینہ تحصیل جہلم مرسلہ جناب صوفی محمد فاضل صاحب مالک اسلامی دوکان۔ ۲۹/شوال ۵۰ھ۔

الجواب

جس نے فرض بجماعت نہ پڑھے ہوں وہ وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو کہ اس میں جماعت نہیں مگر تبعاً کہ وہ من جہۃ نفل ہے۔ وتر میں جماعت رمضان ہی میں یا بہ تبعیت فرض ہے، یا بہ تبعیت رمضان، یا بہ تبعیت تراویح، اور مشہور یہی ہے کہ بہ تبعیت جماعت فرض یا بہ تبعیت جماعت تراویح ہے۔ علما کا اس

ڑھے، اگرچہ صحیح یہی ہے کہ وہ تراویح بجماعت پڑھ سکتا ہے۔ جماعت فرض کے تابع ہے جب تو ظاہر ہے کہ اگر فرض بجماعت نہ پڑھے ہوں تو وتر بجماعت نہیں پڑھ سکتا، اور بہ تبعیت رمضان ہے تو اس کے یہ عنی نہیں کہ رمضان میں وتر جماعت ہی سے پڑھے، بلکہ یہ کہ رمضان میں جماعت سے پڑھ سکتے ہیں۔ بہرصورت جماعت ہی سے پڑھنا اس سے کہاں نکلتا ہے۔ یوں ہی اگر بہ تبعیت جماعت تراویح ٹھہرائیں جب بھی۔ اور میں کہتا ہوں کہ تبعیت فرض سے جماعت وتر کچھ کہو نہیں نکلتی، رمضان کے تابع کہو اس کے یہی معنی ہیں کہ رمضان ہی میں وتر کی جماعت بہ تبعیت عشا یا بہ تبعیت تراویح ہوگی۔ یہ نہیں کہ رمضان میں اس میں جماعت علی الاستقلال ہے۔ فإنه لم يقل به أحد۔

وتر کا نماز مستقل غیر تابع عشا ہونا اور بات ہے، اور اس میں جماعت کا استقلال اور بات، اس خلاف کا ثمرہ یہ نہیں کہ جن کے نزدیک جماعت وتر تابع جماعت فرض ہے وہی بحالت فوت جماعت عشا جماعت وتر سے ممانعت کریں، اور جن کے نزدیک اس کی جماعت تابع جماعت تراویح ہے۔ وہ اس نے ب کہ جماعت تراویح فوت نہ کی ہو، یا اور جن کے نزدیک تابع رمضان ہے اسے مطلقاً جماعت وتر کی اجازت دیں، بلکہ اس خلاف کا ثمرہ یہ ہے کہ جس نے فرض ایک امام کے پیچھے پڑھے اور تراویح دوسرے امام کے پیچھے، یا فرض وتراویح دونوں ایک امام کے پیچھے اور وتر دوسرے کی اقتدا سے، یا فرض جماعت سے اور تراویح بے جماعت پوری، یا کچھ جماعت سے، یا بالکل نہ پڑھیں تو جو اس کی جماعت تابع جماعت فرض ٹھہراتے ہیں وہ امام فرض کے پیچھے ان سب صورتوں میں اس کی جماعت جائز بتاتے ہیں، دوسرے کے پیچھے اجازت نہیں دیتے، اور جو جماعت تراویح کے تابع بتاتے ہیں وہ امام تراویح کے پیچھے بشرط یہ کہ اس نے تراویح سب یا کچھ جماعت سے ادا کی ہوں۔ اور جو اسے رمضان کے تابع ٹھہراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام فرض کے پیچھے پڑھے، یا امام تراویح کے، یا کسی اور امام کے، خواہ تراویح سب یا کچھ جماعت سے پڑھی ہوں یا علاحدہ یا بالکل نہ پڑھی ہوں۔

غنیۃ میں فرمایا:

"إذا لم يصل الفرض مع الإمام فعن عين الأئمة الكرابليسي أنه لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر، وكذا إذا لم يتابعه في التراويح لا يتابعه في الوتر" (١)

---

(١) غنية المستملي شرح منية المصلي، ص ٣٩١

جب کسی نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں تو عین الأئمہ کرابلسی سے مروی ہے کہ وہ تراویح اور وتر کچھ امام کے پیچھے نہ پڑھے اور اسی طرح اگر اس نے تراویح امام کی اقتدا میں نہ پڑھی ہوں تو وہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ (مترجم)

اسی میں فرمایا:

"لو صلى العشاء وحده فله أن يصلي التراويح مع الإمام، وهو الصحيح، حتى لو دخل بعد ما صلى الإمام الفرض وشرع في التراويح، فإنه يصلي الفرض أولاً وحده، ثم يتابعه في التراويح۔ وفي القنية لو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح جماعة؛ لأنها تبع للجماعة."(۱)

اگر کسی نے عشا تنہا پڑھی ہو تو وہ صحیح قول کے مطابق تراویح امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے یہاں تک کہ وہ امام کے فرض پڑھ کر تراویح شروع کرنے کے بعد پہنچا تو وہ پہلے تنہا فرض ادا کرے پھر تراویح امام کی اقتدا میں پڑھے۔ اور قنیہ میں ہے کہ اگر لوگوں نے فرض جماعت سے نہ پڑھے تو جماعت سے تراویح پڑھنے کا انہیں اختیار نہیں، کیوں کہ تراویح جماعت فرض کے تابع ہیں۔ (مترجم)

ردالمحتار میں، تاتارخانیہ اور اس میں تتمہ سے ہے:

"سئل علي ابن أحمد عمن صلى الفرض والتراويح وحده أو التراويح فقط، هل يصلي الوتر مع الإمام، قال: لا ـ اه"(۲)

علی بن احمد سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے فرض اور تراویح دونوں یا صرف تراویح تنہا پڑھی ہوں، کیا وہ وتر امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ (مترجم)

اس کے بعد شامی میں فرمایا:

"ثم رأيت القهستاني ذكر تصحيح ماذكره المصنف (من جواز الوتر جماعة لمن صلى التراويح منفرداً أي: والفرض جماعة ۱۲ جد الممتار) ثم قال لكنه إذلم يصل الفرض معه لا يتبعه في الوتر"(۳)

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي:ص۲۹۱]

(۲) [رد المحتار، كتاب الصلاة، مبحث صلاة التراويح:۲/۴۳۶]

پھر میں نے قہستانی دیکھی تو اس میں اس چیز کو صحیح قرار دیا جسے مصنف نے بیان کیا ہے، یعنی وتر
ت سے پڑھنا جائز اس شخص کو جس نے تراویح تنہا پڑھی ہوں اور فرض جماعت سے پڑھے ہوں،
جب فرض نماز امام کے ساتھ نہ پڑھی ہو تو وہ وتر میں امام کی اقتدا نہ کرے گا۔(مترجم)

اعلیٰ حضرت سیدنا الوالد الماجد قدس سرہ نے حاشیہ شامی جد الممتار میں فرمایا:

"فالمتحصل مما ذكر أن من صلى الفرض بجماعة يجوز له الدخول في
ماعة الوتر، سواء صلى الفرض خلف هذا الإمام، أو خلف غيره، وسواء صلى
اويح وحده، أو خلف هذا الإمام، أو خلف غيره، بل ومن لم يصلها رأساً كما
مله إطلاق قوله :ولم يصلها بالإمام يصلي الوتر، فإنه يصدق بانتفاء القيد والمقيد
هما،فليحرر. والله تعالىٰ أعلم.والمنفرد في الفرض ينفرد في الوتر."(۱)

مذکورہ مسئلے میں یعنی جس نے فرض جماعت سے پڑھے ہوں تو وہ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے۔
کا حاصل یہ ہے کہ وہ جماعت وتر میں شریک ہوسکتا ہے،خواہ اس نے فرض اس امام کے پیچھے یا
ے کے پیچھے پڑھے ہوں،اور خواہ تراویح تنہا پڑھی ہوں، یا اس امام کے پیچھے یا کسی دوسرے کے
بل کہ وہ بھی جس تراویح نے بالکل پڑھی نہ ہوں، کہ مصنف کا علی الاطلاق یہ کہنا کہ "ولم يصلها
مام يصلي الوتر" یہ بتاتا ہے کہ جب قید اور مقید دونوں کے انتفا ہوگا جب ہی یہ صادق آئے گا۔لہذا
رو،اور تنہا فرض پڑھنے والا وتر تنہا پڑھے۔(مترجم)

مجمع الانہر میں ہے:

"لو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح بجماعة، ولو لم يصلها
الإمام صلى الوتر به؛ لأنه تابع لرمضان. وعند البعض لا؛ لأنه تابع للتراويح
ده، وفي القهستاني يجوز أن يصلي الوتر بالجماعة، وإن لم يصل شيئا من
ويح مع الإمام أو صلاها مع غيره وهو الصحيح"(۲)

اگر لوگوں نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وہ تراویح بھی جماعت سے نہ پڑھیں اور اگر
ح جماعت سے نہ پڑھی ہوں تو وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں، کیوں کہ وہ رمضان کے تابع ہیں،اور

[جد الممتار حاشية رد المحتار.۱/۳۳۸]

[مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر،كتاب الصلاة فصل في التراويح،۱/۲۰۶]

بعض فقہا کے نزدیک نہیں پڑھ سکتے، کیوں کہ وتر ان کے نزدیک تراویح کے تابع ہیں۔ اور قہستانی میں ہے کہ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے اگر چہ تراویح بالکل بھی جماعت سے نہ پڑھی ہوں۔ یا پھر دوسرے امام کے پیچھے پڑھی ہوں، اور یہی صحیح ہے۔ (مترجم)

صغیری اور اس کی اصل کبیری میں یہ مسئلہ ہماری نظر میں دو جگہ ہے، کہ اگر کسی کا ایک تراویح، یا دو تراویح، یا اکثر فوت ہو گئے، اور امام وتر کو کھڑا ہو گیا، تو یہ امام کے ساتھ وتر پڑھے، یا اپنی باقی تراویح ادا کرے، دونوں جگہ اس کا کہیں پتہ نہیں، کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوے۔ کیوں کہ جماعت وتر تابع جماعت تراویح کے ہے۔

صغیری و کبیری کی عبارت یہ ہے:

”إن فاتته مع الإمام ترويحة أو ترويحتان أو أكثر، هل يقضيها قبل الوتر، أو يوتر ثم يقضيها، ذكره في الذخيرة، اختلف المشايخ في زماننا، قال بعضهم: يوتر مع الإمام ثم يقضي ما فاته من التراويح إحرازاً لفضيلة الجماعة مع أن التراويح تجوز بعده .وقال بعضهم: يصلي التراويح المتروكة ثم يوتر.“(۱)

اگر کسی کی امام کے پیچھے ایک تراویح یا دو تراویح یا اکثر فوت ہو گئیں تو کیا وہ وتر سے پہلے انہیں ادا کرے گا، یا پہلے وتر پڑھے گا اور پھر انہیں ادا کرے گا۔ اسے ذخیرہ میں ذکر کیا ہے، ہمارے زمانے میں مشائخ کا اختلاف ہے: بعض کہتے ہیں: فضیلت جماعت حاصل کرنے کے لیے پہلے امام کے ساتھ وتر پڑھے پھر فوت شدہ تراویح ادا کرے، اس لیے کہ وتر بعد کو بھی جائز ہیں، اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ پہلے فوت شدہ تراویح ادا کرے پھر وتر پڑھے۔ (مترجم)

انہیں میں دوسری جگہ زیر فروع ہے:

”فاتته ترويحة أو ترويحتان وقام الإمام إلى الوتر يوتر مع الإمام ثم يقضي ما فاته.“(۲)

اگر کسی کا ایک ترویحہ یا دو ترویحے فوت ہو گئے اور امام وتر کے لیے کھڑا ہو گیا تو امام کے ساتھ وتر پڑھے اور پھر باقی فوت شدہ تراویح ادا کرے۔ (مترجم)

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص۳۸۶]

ان میں یہ کہاں ہے ''اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے'' اور نہ یہاں یہ ہے کہ ''جماعت فرض
ے کیا تعلق'' وہ صورت ان دونوں کتابوں میں زیر فروع اسی مسئلہ مذکورہ سے متصل ذکر فرمائی ہے، کہ اور
ب کہ فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں تو امام عین الائمہ کرابیسی سے منقول ہے کہ نہ امام کے ساتھ
وتح پڑھے نہ وتر۔ اھ

پھر اس صورت میں بھی کبیری میں بعد بیان اختلاف حکم و وجہ ہر حکم یہ تحریر فرمایا کہ:

"لاشك أن تـأخير الوتر أولىٰ وإن فاتت الجماعة فيه، فإن الانفراد به أولىٰ
ىٰ قول الجمهور كما سيأتي إنشاء الله تعالىٰ."(۱)

یعنی بے شک تاخیر وتر اولیٰ ہے، اگر چہ وتر کی جماعت جاتی رہے کہ وتر میں انفراد ہی برقول جمہور
ا ہے۔ جیسا کہ عن قریب مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

نیز صغیری میں بعد بیان اختلاف فرمایا:

ولا شك أن تاخير الوتر أولىٰ و كذلك الانفراد به."

بے شک وتر کو مؤخر کرنا اولیٰ ہے اسی طرح انفراد بھی۔ (مترجم)

کہاں یہ اور کہاں وہ کہ اگر چہ فرضوں میں شامل نہیں ہوئے، کیوں کہ جماعت وتر جماعت تراویح
، تابع ہے، اس سے لزوم جماعت وتر۔ یا بہر حال بے کراہت اس کا جواز کیوں کر نکلا کہ اگر چہ فرضوں کی
عت کھوئی ہو مگر وتر جماعت ہی سے پڑھے۔ تابع ہونے کا حاصل تو اتنا ہی ہے کہ تراویح جماعت سے
ی جاتی ہیں، تو رمضان میں ان کی تبعیت سے وتر بھی بجماعت پڑھ سکتے ہیں، نہ یہ کہ وتر بہر حال
عت ہی سے پڑھیں۔

ہاں صغیری کی یہ عبارت:

"وإذا لـم يـصـل الفرض مع الإمام، قيل: لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر،
ـذا إذالـم يـصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في
ث كله الخ."

اور جب اس نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو ایک قول ہے کہ تراویح اور وتر امام کے ساتھ
ں پڑھ سکتا اور اسی طرح اگر اس کے ساتھ نہ پڑھی تو وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے، اور صحیح یہ ہے کہ وہ ان

(۱) غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، ص: ۳۸۶ [partially cut off]

تمام میں امام کی اقتدا کرسکتا ہے۔(مترجم)

(اس عبارت) میں اس کا ایہام ضرور ہے، کہ اگرچہ فرض بے جماعت پڑھے ہیں، وتر میں شامل ہوسکتا ہے، مگر یہ نرا وہم ہے، اس کا کوئی قائل نہ ہوا۔ کتب فقہ دیکھ جایئے، دور کیوں جایئے کبیری ہی دیکھ لیجیے، اختصار کے سبب یہ وہم پیدا ہوگیا۔ تصحیح دو قولوں سے ایک کی ہوتی ہے، یہاں کوئی دوسرا قول ہی نہیں۔"ومن ادعیٰ فعلیه البیان." پھر اگر ہوتا بھی تو اصحاب تصحیح سے اس کی تصحیح اگر ہوتی تو علامہ ابراہیم حلبی صاحب صغیری یہ فرماسکتے کہ:"والصحیح الخ" کہ خود یہ اصحاب تصحیح سے نہیں کہ خود کسی قول کی تصحیح کریں۔ بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے، خود کبیری ملاحظہ کیجیے، اس میں پہلے امام عین الائمہ کرابیسی سے یہ نقل فرمایا کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ نہ تراویح جماعت سے پڑھے نہ وتر۔ یوں ہی جس نے امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھیں وہ وتر بھی امام کے ساتھ نہ پڑھے۔ پھر اس میں خلاف نقل فرمایا کہ فرمایا:

"وقال أبو یوسف البانی: إذا صلی مع الإمام شیئاً من التراویح یصلي معه الوتر، وکذا إذالم یدرك معه شیئاً منها"(۱)

اور امام ابو یوسف البانی نے کہا ہے کہ جب امام کے ساتھ کچھ تراویح پڑھ لیں تو اس کے ساتھ وتر بھی پڑھ لے، اور اسی طرح جب اس کے ساتھ کچھ بھی نہ پاے۔(مترجم)

یعنی امام ابو یوسف البانی نے فرمایا: کہ اگر کچھ تراویح بھی امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو اس کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے۔ یوں ہی اگر کچھ بھی امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں وتر اس کے ساتھ پڑھے۔

پھر فرمایا:

"وکذا إذا صلی التراویح مع غیره، له أن یصلي الوتر معه."(۱)

یعنی یوں ہی جب کہ امام کے سوا کسی اور امام کے ساتھ تراویح پڑھیں تو اسے امام وتر کے ساتھ وتر پڑھنا چاہیے۔"وھو الصحیح ذکره ابو اللیث." یہ صحیح ہے امام ابو اللیث نے اسی کو صحیح فرمایا۔

آگے فرمایا:

"وکذا قال ظهیر الدین المرغیناني: لو صلی العشاء وحده، فله أن یصلي

---

(۱) [غنیة المستملي شرح منیة المصلي:ص۳۹۱]

تراويح مع الإمام وهو الصحيح."(۱)

یوں ہی امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا: کہ اگر عشا تنہا پڑھی تو اسے جائز ہے کہ تراویح امام کے ساتھ پڑھے۔ وهو الصحيح۔ اور یہی صحیح ہے۔

"حتى لو دخل بعد ما صلى الإمام الفرض وشرع في التراويح فإنه يصلي الفرض أولاً وحده، ثم يتابعه في التراويح."(۲)

یہاں تک کہ اگر امام کے فرض پڑھ لینے اور تراویح شروع کر دینے کے بعد آیا، تو پہلے فرض تنہا پڑھ لے، پھر تراویح میں امام کی اتباع کرے۔

کبیری میں اس کا کہیں نشان ہے کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں تو بھی وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے؟ حاشا کہیں نہیں، اس کا کہیں پتہ ہی نہیں تصحیح کیسی۔ انہوں نے پہلے امام عین الائمہ سے تین حکم نقل فرمائے: (۱) جس نے فرض بے جماعت پڑھے ہوں وہ تراویح میں امام کی اتباع نہ کرے۔ (۲) یوں ہی وتر میں۔ (۳) جس نے تراویح میں اتباع امام نہ کیا ہو وہ وتر میں بھی اتباع نہ کرے۔ یہ مسئلہ مختلف فیہ تھا اس میں اختلاف ذکر کیا۔ پھر امام ابو اللیث سے امام ابو یوسف البانی کے اس قول کی تصحیح نقل فرمائی: کہ تراویح ایک کے پیچھے پڑھیں، تو دوسرے کے پیچھے وتر پڑھ سکتا ہے۔ یوں ہی پہلے میں بھی اختلاف تھا، اور قول آخر یعنی جواز جماعت تراویح بحال فوت جماعت فرض صحیح تھا۔ اسے لکھا اور اس کی امام ظہیر الدین مرغینانی سے تصحیح نقل فرمائی۔

دیکھیے امام عین الائمہ کرابیسی کے جواب میں انھوں نے ان دونوں مسئلوں میں امام ابو اللیث و امام ظہیر الدین مرغینانی سے تصحیح نقل فرمائی، اور جہاں سادہ خلاف قول تھا وہاں سادہ نقل فرمایا۔ ان کا وہ دوسرا مسئلہ کہ جس نے فرضوں کی جماعت کھوئی ہے وہ وتر جماعت سے نہ پڑھے، خلاف سے ہی پاک تھا، اسی لیے اس کے خلاف کوئی سادہ قول بھی نقل نہ فرمایا، اگر اس کے خلاف کوئی قول ہوتا تو ضرور نقل فرماتے۔ اب بحمدہ تعالیٰ روشن تر ہو گیا کہ صغیری کی عبارت سے جو وہم ہوتا ہے وہ نرا وہم ہے۔ ہرگز ان کی مراد یہ نہیں کہ فرض بے جماعت پڑھے ہوں جب بھی وتر جماعت سے پڑھے، یہی صحیح ہے، اس کا صحیح ہونا درکنار یہ کسی کا قول ہی نہیں۔

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص۳۹۱]

"فالحمد لله والمنة على كشف الغمة، وهو ولي النعمة، وكتبت على تلك العبارة الموهمة على هامش الصغيري، قوله:في ذلك يعني: اتباعه في التراويح صحيح فيما إذا لم يصل الفرض جماعة، وكذا اتباعه في الوتر فيما إذالم يصل التراويح بالجماعة، لا أن اتباعه في الوتر يصح فيما إذا لم يصل الفرض مع الإمام، فافهم وتدبر وتثبت وتشهد.لما قلنا اقتصاره في التصريح على لفظه التراويح، هذا كله كتبته بتوفيق الله تعالىٰ تفقهاً،ثم بعد تحريره بشهر أو أزيد ظفرت بصغيري مكتبة سيدنا الوالد الماجد رحمه الله تعالىٰ فراجعتها، فوجدت بحمد الله تعالىٰ ما حاشيته علىٰ تلك العبارة الموهمة.أجاب عنها بعينه ما أجبت وبحث ما بحثت ولله الحمد، وهذا ما نصه: قوله: والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في ذلك كله ليس هو رحمه الله تعالىٰ من أصحاب التصحيح، وإنما هو ناقل، ويرشدك مطالعة . شرحه الكبير الملخص منه هذا الصغير إن التصحيح للإمام الفقيه أبي الليث وللإمام ظهير الدين المرغيناني، وإنهما إنما يرجحان إلىٰ تصحيح جواز الاتباع في الوتر إن لم يتبع في التراويح، وجواز الاتباع في التراويح وإن لم يتبع في الفرض، ولا أثر فيهما التصحيح جواز الاتباع في الوتر، وإن لم يتبع في الفرض فراجعه.(ص: ٤١٠)

فالواقع ههنا نشأ من اقتصار فحل فلينتبه، ليس الفرق بينهما إلا فرق اللسان، كأنه هو فانظر إلىٰ هذا التوارد، ومن أنا، وأيش أنا ماهذا إلا بفضل الله فيض خدمته رضى الله تعالىٰ عنه وأرضاه عنا۔ ثم بعد ما مضى علىٰ هذا برهة من الزمان ظفرت بكرم الله تعالىٰ بباب الوتر والنوافل من فتاواه المنيفة المباركة قدس الله تعالىٰ سره وأفاض علينا بره، فراجعته فيها هذا الفتوىٰ بالعربية، ما قولكم رحمكم الله تعالىٰ في الرجل الذي اقتدىٰ بالإمام في التراويح وقد صلى الفرض في بيته أو مع غير الإمام، هل يصلي الوتر بالجماعة أم لا، والوتر بالجماعة تابع لرمضان أم لجماعة الفرض."

پس خدا کا شکر ہے اور اس کا احسان ہے مشکل آسان فرمانے پر اور وہی نعمت عطا فرمانے والا

اقتدا درست ہے اس صورت میں جب اس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں، یوں ہی وتر کی جماعت میں بھی اقتدا درست ہے اس صورت میں جب اس نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہوں۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کی اقتدا اس صورت میں بھی درست ہے جب اس نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں، اس کو سمجھ لو، غور کرو اور ذہن نشین کرلو، جیسا کہ ہم بیان کر چکے کہ انہوں نے لفظ ''تراویح'' کی تصریح فرما کر اسی پر اکتفا کرلیا ہے۔ میں نے یہ سب اللہ عزوجل کی توفیق اپنی فقہی بصیرت کی روشنی میں لکھا، پھر اس کے لکھنے کے ایک ماہ یا اس سے کچھ زائد کا عرصہ گزرا ہی تھا کہ مجھے اپنے والد گرامی کی لائبریری میں ''صغیری'' مل گئی تو میں نے اس کی طرف رجوع کیا، الحمدللہ میں نے دیکھا کہ اس موہوم عبارت کے حاشیہ پر انھوں نے وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا اور اسی طرح بحث کی جیسی میں نے کی تھی، والحمد لله على ذلك۔

ان کی عبارت یہ ہے ارشاد فرماتے ہیں: صحیح بات یہ ہے کہ وہ ان تمام صورتوں میں اقتدا کرسکتا ہے، لیکن علامہ ابراہیم حلبی ''صغیری'' کے مصنف اصحاب تصحیح سے نہیں ہیں بلکہ وہ تو محض ناقل ہیں، اور شرح کبیر کا مطالعہ جس سے یہ صغیر ملخص تمہاری اس طرف رہنمائی کرے گی کہ تصحیح امام فقیہ ابواللیث اور امام ظہیرالدین مرغینانی کی ہے کہ وہ دونوں بزرگ تراویح میں عدم اقتدا کی صورت میں وتر میں اقتدا کے جواز کی تصحیح کو ترجیح دیتے ہیں، اور ان میں فرض میں عدم اقتدا کی صورت میں وتر میں جواز اقتدا کی تصحیح کا کوئی اثر نہیں ہے، اس طرف رجوع کیا جاسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ صورت اختصار کی وجہ سے پیدا ہوئی لہذا متنبہ ہو جاؤ، ان دونوں میں صرف زبان کا فرق ہے، گویا کہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے پس اس عبارت کو دیکھو۔ اور میں کیا ہوں، میری حیثیت ہی کیا ہے یہ تو سب ان کی خدمت کا فیض ہے، اللہ ان سے راضی ہو اور ان کو ہم سے راضی فرمائے۔ پھر اس پر تھوڑے دن گزرنے کے بعد آپ کے مبارک فتاویٰ میں ایک فتویٰ باب الوتر والنوافل مل گیا، اللہ تعالیٰ ہم پر ان کے فیض کی بارش فرمائے۔ تو میں نے اس میں آپ کے اس عربی فتویٰ کی طرف رجوع کیا آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارشاد ہے اس شخص کے بارے میں جو تراویح میں امام کی اقتدا کرے جب کہ فرض نماز اس نے گھر پر یا دوسرے کی اقتدا میں پڑھی ہو، کیا جماعت سے وتر پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اور وتر رمضان کے تابع ہیں یا فرض جماعت کے۔ (مترجم)

الجواب: "من صلى الفرض منفرداً لا يدخل جماعة الوتر، ومن صلاها جماعة ولو خلف غير هذا الإمام فله أن يأتم به في الوتر، أي: وإن لم يكن أدرك تراويح معه، هو الصحيح المعتمد في الغنية شرح المنية للعلامة إبراهيم الحلبي:

ذالـم يصل الفرض مع الإمام الخلاف ... [illegible]

في رد المحتار: قوله: لو لم يصلها(أي التراويح بالإمام، له أن يصلي الوتر معه (إلىٰ قول القهستاني: لا يتبعه في الوتر كمامر)قلت: وعزاه القهستاني للمنية، وهي منية الفقهاء لامنية المصلي كماظنه بعض المتصدين للفتوى في عصرنا، فنسبه إلىٰ عدم مطابقة النقل للمنقول عنه.قال الشامي: فقوله(يعني المصنف)ولولم يصلها: أي: وقد صلى الفرض معه، لكن ينبغي أن يكون قول القهستاني معه احترازاً عن صلاتها منفرداً، قلت:فيكون على وزان قول الغنية المار: إذا لم يدرك معه شيئاً منها، فإنما أراد به الانفراد، لا ما يشمل الإدراك مع غيره، بدليل قوله: عطفاً عليه، وكذا إذا صلى التراويح مع غيره، قال الشامي: أما لو صلاها(يعني الفريضة)جماعة مع غيره ثم صلى الوتر معه لاكراهة، تأمل انتهى.)"

جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ وتر کی جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا اور جس نے جماعت سے پڑھے ہوں اگر چہ دوسرے امام کے پیچھے تو وہ وتر میں امام کی اقتدا کرسکتا ہے، یعنی اگر چہ اس کو تراویح امام کے ساتھ نہ ملی ہوں یہی قول صحیح ہے جو علامہ ابراہیم حلبی کی کتاب غنیۃ شرح منیہ کا معتمد ہے کہ جب اس نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں الخ، یہ عبارت پوری آغاز فتویٰ میں گذر چکی ہے، اور ردالمحتار میں فرمایا: کہ اگر تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں تو بھی اسے وتر جماعت سے پڑھنے کا حق حاصل ہے، قہستانی کے قول: وہ وتر میں امام کی اقتدا نہ کرے، جیسا کہ گزر چکا۔ میں کہتا ہوں کہ قہستانی نے اسے منیہ کی طرف منسوب کیا ہے، یہ منیۃ الفقہا ہے نا کہ منیۃ المصلی، جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض فتویٰ نویسوں کا گمان ہے، پس اس کے بارے میں کہا کہ نقل منقول عنہ کے مطابق نہیں۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: مصنف کے "لو لم يصلها" (اگر چہ اس نے تراویح نہ ہو) سے مراد یہ ہے کہ فرض امام کے ساتھ پڑھے ہوں۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ اس کے ساتھ قہستانی کا قول ان کے تنہا پڑھنے سے احتراز ہو، پس میں کہتا ہوں کہ تب تو یہ غنیۃ کے گذشتہ قول کے وزن پر ہوگا (مطابق ہوگا) کہ جب اس نے امام کے ساتھ کچھ نہ پڑھا ہو، بلا شبہ اس سے مراد انفراد ہے، وہ مراد نہیں جو کہ دوسرے امام کے ساتھ پڑھنے کو شامل ہو کیوں کہ انہوں نے فرمایا، عطفاً علیہ، اور یوں ہی جب اس نے تراویح دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہوں۔ علامہ شامی فرماتے ہیں اگر اس نے فرض نماز دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہو پھر وتر۔ اس کے ساتھ پڑھے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، خوب غور کرو، ختم شد (مترجم)

سام، فإن من صلى الفريضة منفرداً ليس له أن يدخل في جماعة الوتر، لا مع هذا
سام، ولا مع غيره، فكذلك في قوله: معه وبالجماعة، فالمتحصل شيئان:
حدهما أن المنفرد في الفرض ينفرد في الوتر، وما وقع في منهية الدر الفريد في
سائل الصيام والقيام والعيد للفاضل المفتي محمد عنايت أحمد عليه رحمة
حد أن من لم يصل الفرض بجماعة فله أن يدخل في جماعة الوتر، وعزاه
حاشية الطحطاوي فسهو، وأنا قد راجعت المعزى إليه فلم أجده نصاً بما ظن،
م قد تشم من بعض كلماته رائحة ذلك حيث قال عند قول الدر المختار: لو
كها الكل(يعني جماعة التراويح، هل يصلون الوتر بجماعة، فليراجع قضية
تعليل في المسئلة السابقة(أي : لو تركوا الجماعة في الفرض لم يصلوا التراويح
جماعة)بقولهم:لأنها تبع أن يصلي الوتر جماعة في هذه الصورة؛لأنه ليس بتبع
تراويح ولا للعشاء عند الإمام رحمه اللّٰه تعالىٰ انتهىٰ،حلبي انتهىٰ، فقد يوهم
له: ولا للعشاء جواز الوتر بجماعة ولو لم يصل هو بل الكل الفرض بها لكنه
ما علمت خلاف المنصوص، فإن الذي في رد المحتار عن شرح النقاية عن
نية: إن لم يحمل على مامر كان أدخل في الرد علىٰ هذا الإيهام.)"

میں کہتا ہوں واضح رہے کہ مصنف کے قول لا یتبعہ کی "ہا" ضمیر، مطلقاً امام کے لیے ہے نا کہ
ں اس امام کے لیے، اس لیے کہ جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں اسے وتر جماعت سے پڑھنے کا حق نہیں
، نہ امام کے ساتھ اور نہ دوسرے کے ساتھ۔ اسی طرح ان کے قول "معہ بالجماعۃ" میں، پس
صہ کے طور پر دو چیزیں ظاہر ہوئیں، ایک یہ کہ فرض تنہا پڑھنے والا وتر بھی تنہا پڑھے گا، اور فاضل مفتی محمد
یت احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "**منهية الدر الفريد في مسائل الصيام والقيام والعيد**"
ں جو وارد ہوا ہے کہ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں وہ وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے اور اسے
شیہ طحطاوی کی طرف منسوب کیا ہے، یہ ان کا سہو ہے۔ میں نے حاشیہ طحطاوی کی طرف رجوع کیا تو میں
ے اسے صراحت نہ پایا، ہاں ان کے بعض کلمات سے اس کی بو آتی ہے، کیوں کہ انہوں نے درمختار کے
ں "**ولو تركها الكل**" اگر سب نے جماعت تراویح کو ترک کر دیا ہو تو کیا وہ وتر جماعت سے پڑھ
تے ہیں، پھر فرمایا: "تو رجوع کرنا چاہیے" یعنی سابقہ مسئلہ کی طرف رجوع کرنے کا اشارہ ہے، اور سابقہ
ک ... اگر لوگوں نے فرض کی جماعت چھوڑ دی تو وہ تراویح جماعت سے نہ پڑھیں ان کے قول کی

وجہ سے کہ تراویح اس صورت میں وتر باجماعت پڑھنے کے تابع ہیں، اس لیے کہ وتر امام اعظم کے نزدیک نہ تراویح کے تابع ہیں، اور نا ہی عشا کے، ختم شد حلبی۔ پس ان کے قول: و لا للعشاء، سے وتر باجماعت کے جواز کا وہم ہوا، جب کہ اس نے بل کہ تمام لوگوں نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں، لیکن یہ خلاف منصوص ہے جیسا کہ تم نے جان لیا، بے شک ردالمحتار میں شرح نقایہ عن المنیہ سے جو مروی ہے اگر اس کو گذشتہ پر محمول نہ کیا جائے تو یہ اس ایہام کے رد میں زیادہ مؤثر ہوگا۔ (مترجم)

”وأما ما ذكر أنه ليس بتبع عند الإمام فنعم، ونعم الجواب عنه ما أفاد المولىٰ المحقق ابن عابدين أن أصالته في ذاته لا تنافي كون جماعته تبعاً، قلت:ألا ترىٰ أن الظهر والعصر من أعظم الفروض المستقلة، والجمع بينهما من توابع الوقوف بعرفة ولو في حجة نافلة، فافهم۔ قال الشامي: إنهم اختلفوا في أفضلية صلاتها بالجماعة بعد التراويح اه.أي فكانت جماعته أدون حالاً من جماعة التراويح المسنونة عند الجمهور، حتى لو تركها الكل أثموا فكيف بجماعة الفرض الواجبة على الصحيح الرجيح، فساغ أن يكون تبعًا في الجماعة وإن كان أصلا في الذات حتى أفسد تذكره المكتوبات، قلت:علىٰ أن التعليل بالقضية المذكورة تعليل بالنفي، وهو عندنا من التعليلات الفاسدة كما صرحوا به في الأصول، وحصر العلة في التبعية ممنوع محتاج إلى البيان هذا.والآخرأن من صلى الفرض بجماعة يجوز له الدخول في جماعة الوتر، سواء صلى الفرض خلف هذا الإمام أو غيره كما قرر الشامي، وسواء صلى التراويح وحده، أو خلف هذا الإمام، أو غيره كما نصوا عليه، قلت:بل ومن لم يصلها رأساً كما يشمله إطلاق قوله: ولو لم يصلها بالإمام له أن يصلي الوتر فإنه يصدق بانتفاء القيد والمقيد جميعا وليحرر.“

اور جو یہ ذکر کیا کہ امام صاحب کے نزدیک یہ تابع نہیں تو یہ بات تو ہم کو تسلیم ہے، لیکن کیا ہی بہتر جواب علامہ محقق ابن عابدین نے اسے دیا ہے کہ اس کا بالذات اصلی ہونا اس کی جماعت کا تابع ہونے کے منافی نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تمھیں معلوم نہیں کہ ظہر وعصر بڑے ہی عظیم اور مستقل فرض ہیں، لیکن ان دونوں کو جمع کر کے پڑھنا وقوف عرفہ کے تابع ہے گو حج نفلی ہو، پس اسے سمجھ لو۔ علامہ شامی فرماتے

ت تراویح سے جو سب کے یہاں مسنون ہے کم درجہ کی ہے حتی کہ تراویح کی جماعت اگر پوری قوم
ل کردی تو گناہ گار ہوں گے، تو جماعت وتر کا فرض کی جماعت سے جو کہ راجح قول کے مطابق واجب
یا مقابلہ ہے، لہذا یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وتر اگر چہ فی ذاتہ مستقل نماز ہیں لیکن ان کی جماعت عشا کی نماز
ع ہے، اسی لیے اگر وتر کی جماعت میں یاد آجائے کہ عشا کے فرض باقی ہیں تو وتر فاسد ہو جائیں گے۔
اقول: علامہ شامی کا متن کے قول مذکور کو علت قرار دینا یہ تعلیل بالنفی ہے جب کہ ہمارے یہاں
ر ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں مصرح ہے۔ پھر اس کلام کو وتر کی جماعت فرض کا کیا حال ہوگا جو صحیح اور
مذہب واجب ہے اگر وہ بالذات اصل ہے یہاں تک کہ فرائض کا ذکر اسے فاسد کردے گا، میں
دوں گا کہ قضیۂ مذکور کی تعلیل تعلیل بالنفی نہیں ہے، وہ ہمارے نزدیک تعلیلات فاسدہ سے ہے۔
کہ اصول میں اس کی صراحت کردی گئی ہے اور علت کو اقتدا میں منحصر کرنا ممنوع اور اس بیان کا محتاج
اور جس نے فرض جماعت سے پڑھے ہوں، اسے وتر کی جماعت میں شرکت کا اختیار ہے، خواہ فرض
م کے پیچھے پڑھے ہوں یا دوسرے امام کے پیچھے، اس کو علامہ شامی نے ثابت اور واضح کیا ہے۔ اور
رح خواہ تراویح تنہا پڑھی ہوں یا اس امام کے پیچھے یا دوسرے کے پیچھے، جیسا کہ فقہا نے اس کی
ت کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جس نے تراویح بالکل پڑھی نہ ہوں، اس لیے کہ فقہ کا قول مطلق ہونا اس
ہے، وہ ہے ولو لم يصلها بالإمام يصلي الوتر، یعنی اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ
ہوں تو بھی وہ وتر پڑھے گا، کیوں کہ یہ قید مقید دونوں کی نفی کی تصدیق کرتا ہے، لہذا اس کو سمجھ لو۔
م)

”وأما ذكروا أن جماعة الوتر هل هي تبع لجماعة التراويح أم لا؟ جنح
ضلان الحلبي والطحطاوي في حواشي الدر إلى الثاني كما سمعت،
ظهر الشامي الأول قائلا إن سنية الجماعة في الوتر إنما عرفت تابعة للتراويح،
: وهذا هو الأظهر، فإن شرعية جماعته لو كانت لإصالته ، فإصالته دائمة لا
ص برمضان، ثم رأيت العلامة البرجندي نص في شرحه للنقاية: أن الجماعة
تبعية التراويح على ماهو المشهور اه. فقد ثبت رواية واعتضد دراية وترجح
ة فانقطع النزاع، فاعلم أن هذا كله لو ترك الكل جماعة التراويح كما قدمنا
لغنية عن القنية ، أما إذا جمع القوم وتخلف عنها ناس، ثم أدركوا الوتر مع

كما سمعت، نعم ذهب بعض كالإمام علي بن أحمد وعين الائمة الكرابيسي إلىٰ تبعية لجماعة التراويح في حق كل مصل بمعنى أن من لم يدركها مع الإمام لا يتبعه في الوتر، لكنه كما علمت قول مرجوح، قلت:وبهذا التحقيق ظهر التوفيق بين كلام العلامة البرجندي المذكور، و كلام الفاضل شيخي زاده في مجمع الأنهر شرح الملتقى الأبحر حيث قال: لولم يصلها(يعني التراويح)مع الإمام صلى الوتر به، لأنه تابع لرمضان، وعند البعض لا؛ لأنه تابع للتراويح عنده ،وفي القهستاني: ويجوز أن يصلي الوتر بالجماعة إن لم يصل شيئاً من التراويح مع الإمام، أو صلاها مع غيره وهو الصحيح اه.وما في المجمع فإنه صريح في أن القول بتبعية للتراويح قول مرجوح خلاف للجمهور وصريح مافي البرجندي انه هو القول المشهور."

انھوں نے بیان کیا ہے کہ کیا وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہے یا نہیں تو فاضل حلبی اور علامہ طحطاوی حواشی در میں دوسرے قول کی طرف مائل ہیں، جیسے تم سن چکے،اور علامہ شامی نے اول کو ظاہر کیا ہے، کیوں کہ وہ فرماتے ہیں: جماعت وتر کی سنت تراویح تبعیت میں پہنچائی گئی۔ میں کہتا ہوں کہ یہی زیادہ ظاہر ہے۔اس لیے کہ اس کی جماعت کی مشروعیت اگر اصلی ہوتی تو رمضان ہی کے ساتھ خاص نہ ہوتی، پھر میں نے دیکھا کہ علامہ برجندی نے اپنی شرح نقایہ میں صراحت کردی ہے کہ وتر کی جماعت مشہور قول پر تراویح کے تابع ہے۔پس روایت سے ثابت ہوگیا اور درایت سے تائید ہوگئی اور شہرت سے ترجیح مل گئی ،لہذا نزاع ختم ہوا،واضح رہے کہ یہ سب تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ سب نے تراویح کی جماعت ترک کردی ہو، جیسے ہم قنیہ غنیۃ کے حوالے سے بیان کر چکے، رہی یہ صورت کہ تمام قوم نے تراویح کی جماعت ترک کی لیکن چند لوگ اس میں شریک نہ ہوئے ، پھر ان کو وتر کی جماعت مل گئی ،تو یقیناً اپنی جماعت وتر میں شریک ہونا جائز ہے جب کہ انھوں نے فرض با جماعت پڑھے ہوں جیسے تم سن چکے، البتہ بعض فقہا جیسے امام علی بن احمد اور عینی کرابیسی اسی طرف گئے ہیں کہ وتر کی جماعت ہر نمازی کے حق میں جماعت تراویح کے تابع ہے اگر کسی نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھیں تو وہ وتر میں بھی اس کی اقتدا نہیں کرسکتا ،لیکن یہ قول مرجوح ہے جیسا کہ تم اسے جان چکے۔ میں کہتا ہوں کہ اس تحقیق سے علامہ برجندی کے مذکورہ کلام اور فاضل شیخ زادہ کے کلام میں تطبیق ہوگئی جو انہوں نے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں یہ

کیوں کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ تراویح امام کے ساتھ پڑھے،تو بھی وتر امام کے ساتھ پڑھ سکتا
،اس لیے کہ وہ رمضان کے تابع ہیں،اور بعض لوگوں کے نزدیک نہیں پڑھ سکتے کیوں کہ وہ ان کے
ن پر تراویح کے تابع ہے۔اور قہستانی میں ہے کہ وتر با جماعت پڑھنا جائز ہیں اگر تراویح بالکل بھی
کے پیچھے نہ پڑھے،یا پھر دوسرے امام کے پیچھے پڑھے،یہی صحیح ہے،اور مجمع کی عبارت اسی کی
حت کر رہی ہے کہ تراویح کے تابع ہونے کا قول خلاف جمہور اور قول مرجوح ہے اور برجندی کی
بت بتلا رہی ہے کہ یہی قول مشہور ہے۔(مترجم)

"ووجه التوفيق أن التبعية في كلام المجمع ماخوذة بالنظر إلىٰ كل أحد
خاصة نفسه، ولذا بنى عليه منع من لم يدركها مع الإمام عن دخوله في
تر، وفي كلام البرجندي بمعنى وقوعه بعد إقامة الناس جماعة التراويح وإن
يدركها بعض القوم فليكن التوفيق . وبالله التوفيق ثم إنما المعنى بتبعيته
ضان إن جماعته غير مشروعة إلا فيه ، لا سلب تبعيته عما سواه مطلقاً حتى
افي تبعيته لجماعة التراويح ، بل والفرض فإن فيه ما قد علمت، فأذن لا
اف بين التبعيتين إلا على قول البعض المرجوح ـ هكذا.ينبغي التحقيق
ه تعالىٰ ولي التوفيق."

اور اس کی تطبیق کی صورت یہ ہے کہ اقتدا مجمع کی کلام ماخوذ ہے بالذات ہر ایک کی طرف نظر
تے ہوئے یہی وجہ ہے کہ امام کے ساتھ وتر میں شریک ہونے سے اس شخص کو روک دیا گیا،جو تراویح
ت کے ساتھ نہ پا سکے،اور کلام برجندی میں ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے جماعت تراویح
لرنے کے بعد آئے،اگر چہ کچھ لوگوں کو جماعت نہ ملے،اسی طرح تطبیق کرنی چاہیے،اللہ ہی توفیق
؛ والا ہے پھر وتر کے رمضان کے تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جماعت صرف رمضان میں
رع ہے،اس سے دوسری چیزوں کے تابع ہونے سے مطلقاً نفی ہوئی،یہاں تک کہ وتر کے رمضان کا
ہونا جماعت تراویح کی نسبت کے منافی ٹھہرے،بل کہ فرض کی تبعیت کے منافی ٹھہرے،کیوں کہ
نت تم جان چکے،پس دونوں تبعیتوں میں صرف بعض لوگوں کے مرجوع قول پر اختلاف ہے تحقیق اسی
ہونی چاہیے اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔(مترجم)

نعم وقع في شرح المنية الصغير مانصه:

إذالم يصل الفرض مع الامام، قيل: لا يتبعه في التراويح ولا في الوتر

وكذا إذا لم يصل معه التراويح لا يتبعه في الوتر، والصحيح أنه يجوز أن يتبعه في ذلك كله، حتى لو دخل بعد ما صلى الإمام الفرض وشرع في التراويح فإنه يصلي الفرض أولاً وحده ثم يتابعه في التراويح۔ وفي القنية: لو تركوا الجماعة في الفرض ليس لهم أن يصلوا التراويح جماعة اه."(۱)

ہاں شرح منیہ صغیر میں ہے جس کی نص یہ ہے، جب فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو ایک قول یہ ہے کہ وہ تراویح اور وتر میں اس کی اقتدا نہیں کرے گا، اور یوں ہی جب وہ امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھے تو وہ وتر میں بھی اسی کی اقتدا کرے، اور صحیح قول یہ ہے کہ وہ ہر ایک صورت میں اس کی اقتدا کر سکتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ امام کے فرض ادا کر کے تراویح شروع کرنے کے بعد پہنچا تو اولاً تنہا فرض پڑھے پھر تراویح میں امام کی اقتدا کرے اور قنیہ میں ہے اگر لوگوں نے فرض کی جماعت ترک کر دی تو انہیں جماعت سے تراویح پڑھنے کی اجازت نہیں۔ (مترجم)

"فأوهم ذلك عند بعض الناس أن الحلبي صحح جواز اتباع الإمام في الوتر وإن لم يتبع في الفرض، وأنا أقول: ليس هو رحمه الله تعالىٰ من أصحاب التصحيح، وإنما وظيفته النقل عن أئمة الترجيح، ومعلوم أن شرحه الصغير إنما هو ملخص شرحه الكبير، وهذه عبارة الكبير بمرأى عين منك لا ترى فيه تصحيحاً أصلاً ناظراً إلىٰ هذا المتوهم، وإنما فيه تصحيحان: الأول من الإمام الفقيه أبي الليث لجواز اتباع الإمام في الوتر، سواء صلى التراويح كلها أوبعضها معه، أومع غيره، أو وحده منفرداً، وهذا محمل قوله: يجوز أن يتبعه في ذلك كله. والثاني عن الإمام ظهير الدين المرغيناني لجواز الاتباع في التراويح وإن لم يتبعه في الفرض، وعليه يتفرع الفرع المذكور في الشرحين معاً: حتى لو دخل بعد ما صلى الإمام الفرض. فالتوهم الحاصل في عبارة الشرح الصغير إنما منشؤه ما وقع فيه ههنا من الاختصار المخل. ألا ترىٰ أنه اقتصر في التفريع المذكور كأصله الكبير على قوله: يتابعه في التراويح، ولو كان مراده بقوله: في ذلك كله مايشمل المتوهم لزاد أيضاً والوتر، وبالجملة فالمعروف المعلوم من تصحيحات الأئمة هو

ي بينه في الشرح الكبير وهذا المتوهم لايعرف له تصحيح ولا ترجيح، فلا
ارض مانص عليه في منية الفقهاء وحكم به حكماً جاز ما من دون ذكر
ف. فعليك بالتبصر والإنصاف."

تو اس سے بعض لوگوں کو وہم ہوا کہ حلبی نے وتر میں امام کی اقتدا کے جواز کی تصحیح کی ہے، اگرچہ
نے فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے ہوں۔ اور میں کہتاں ہوں کہ حلبی علیہ الرحمہ اصحاب تصحیح سے نہیں ہیں
ا کام تو ائمہ ترجیح سے نقل کرنا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ ان کی شرح صغیر، شرح کبیر کی تلخیص ہے اور
ر کی عبارت آپ کے سامنے ہے جس میں تمہیں اس وہم کی طرف نظر کرتے ہوئے کوئی تصحیح نہ ملے گی
اس میں دو تصحیحیں ہیں ایک فقیہ ابو اللیث کی وتر میں امام کی اقتدا کے جواز کے تعلق سے خواہ اس امام
ساتھ اس نے ساری تراویح پڑھی

یا غیر کے ساتھ پڑھی ہوں یا تنہا پڑھی ہوں، یہی ان کے قول "يجوز أن يتبعه في ذلك
" کا محمل ہے، اور دوسری امام ظہیر الدین مرغینانی کی تصحیح ہے، اس امام کے ساتھ فرض نماز نہ پڑھنے کی
ت میں تراویح کی اقتدا کے جواز کے تعلق سے، اور اسی پر گذشتہ تفریع پیدا ہوتی ہے دونوں شرحوں میں
ساتھ، یہاں تک کہ امام کے فرض نماز پڑھنے کے بعد داخل ہوا پس شرح صغیر کی عبارت میں پیدا
نے والے وہم کا سبب اس جگہ پائے جانے والا مخل اختصار ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ انہوں نے مذکورہ
ج میں اس کی اصل کبیر کی طرح اپنے قول "يتابعه في التراويح" پر اکتفا کیا، (یعنی وہ امام کی
یح میں اقتدا کرے گا) اگر ان کی مراد اپنے قول "في ذلك كله" سے وہ ہو جو وہم کو شامل ہو
الوتر" کا بھی اضافہ فرماتے، خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ معروف معلوم بات ائمہ کی تصحیحات رہی ہے جیسے
ح کبیر میں بیان کیا ہے، اور اس وہم کا تعلق تصحیح و ترجیح کسی سے نہیں تو منیۃ الفقہا میں جو صراحت کی گئی اس
معارض نہ ہو اور جو حکم بیان کیا گیا وہ بغیر اختلاف کے جائز ہے لہذا غور کرو اور انصاف سے کام
۔ (مترجم)

"ولك أن تقول: إن "الإمام" معرف باللام، وضمير "يتبعه" راجع إليه،
معرفة إذا اعيدت معرفة كان المراد عين الأول غالباً. فالمعنى إذا لم يصل
رض مع هذا الإمام فله أن يتبعه في الوتر. أي: لا يجب لاتباعه في الوتر أن
ن اتبع هذا الإمام بعينه في الفرض، وهذا صحيح لاشك."

اور تم کہہ سکتے ہو کہ "الامام" معرف باللام ہے اور یتبعہ کی ضمیر اسی کی طرف راجع ...

قاعدہ ہے کہ جب معرفہ کا اعادہ معرفہ کے ساتھ کیا جائے تو مراد عین اول ہوتا ہے غالباً، اور مطلب یہ ہے کہ جب فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے تو وتر میں اس امام کی اقتدا کر سکتا ہے یعنی وتر میں اقتدا کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ بعینہ اسی امام کی فرض میں اقتدا کرے، اور یہ بلاشبہ صحیح ہے۔ (مترجم)

"ویؤید هذا الفهم أن القهستاني لما قال: إذالم يصل الفرض معه لا يتبعه في الوتر احتاج الشامي إلىٰ إبانة مراده. وإن المقصود مع الإمام، مالامع خصوص هذا الإمام، وإن جادل مجادل فنقول: الشرح الصغير مطالب بتصحيح نقل هذا التصحيح الذي لا يعلم له أصلاً في كتاب قبله حتى في الكبير الذي كان أصله، والله الموفق۔ فقد تحرر بما تقرر أن جماعة الوتر تبع لجماعة الفرض في حق كل أحد من المصلين، ولجماعة التراويح في الجملة، لا في حق كل، ولرمضان بمعنى أنها تكره في غيره لو على سبيل التداعي بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدر عن الدرر حتى جاز اقتداء ثلثة بإمام بلا كراهة في الأصح كما في حاشية العلامة الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح،للعلامة الشرنبلالي رحمة الله تعالىٰ على العلماء جميعاً۔ اتقن هذا فلعلك لا تجد هذا التحرير في غير هذا التقرير۔ وما توفيقي إلا بالعليم الخبير۔ والله سبحانه وتعالىٰ أعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم۔ فالحمد لله حمداً موافياً لنعمه۔ أنظر كيف سنح عليّ بعين أكثر ما سنح على أبي بفضله الوفي والله تعالىٰ أعلم."

اوراس فکر وسوچ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب قہستانی نے کہا کہ اگر اس کے ساتھ فرض نہیں پڑھے تو وتر بھی نہ پڑھے گا علامہ شامی کو اپنی مراد واضح کرنا چاہیے، بے شک مقصود امام سے مطلقاً امام ہے نا کہ خاص یہ امام اگر چہ جھگڑنے والا جھگڑے، پس ہم کہتے ہیں کہ شرح صغیر پر اس فعل کی تصحیح کا مطالبہ ہے جس کی اصل پہلے کی کسی کتاب میں موجود نہیں یہاں تک کہ کبیر میں بھی نہیں جو کہ اس کی اصل ہے، اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ جو کچھ ثابت اس سے واضح ہو گیا کہ وتر کی جماعت ہر ایک نمازی کے حق میں جماعت فرض کے تابع ہے اور فی الجملہ جماعت تراویح کے تابع ہے نا کہ ہر ایک حق میں، اور رمضان کے تابع ہے اس معنی کر کہ غیر رمضان میں تداعی کے طور پر مکروہ ہے اسی طرح کہ ایک اقتدا چار آدمی کریں ،جیسا کہ درد سے در میں ہے، یہاں تک کہ تین لوگوں کا ایک امام کی اقتدا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام علما پر رحم فرمائے، اسے اچھی طرح یاد کرلو، ممکن ہے کہ یہ تحریر دوسری تقریر میں نہ ملے اور یہ سب کچھ اللہ کی توفیق سے ہے رب تعالیٰ کا شکر ہے جو نعمتوں کا عطا فرمانے والا ہے، دیکھو یہ بات بعینہ مجھ پر میرے والد گرامی سے زیادہ آشکار ہوگئی۔ (مترجم)

جواب سوال دوم

(الف) یہ رواج برا ہے۔ بازار بھاؤ سے جو کاغذ کی قیمت ہوگی وہی اسقاط کے حساب میں آئے گی وہ بھی اس وقت جب کہ مستحق کو پہنچے، اور اگر اسقاط میں وہ قرآن عظیم نہیں دیے جاتے بلکہ یوں ہی بغرض ایصال ثواب دیے جاتے ہیں تو جب کہ وہ نا قابل تلاوت ہیں تو قرآن عظیم دینے سے جو مقصود ہے وہ حاصل نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ب) اسقاط تو چاہیے۔ باقی یوں تقسیم یہ سرے ہی سے ناجائز ہے جب کہ اس میں مستحق نا مستحق کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ ایک جگہ کی مسجد کا امام مستحق ہے اسے دیا گیا تو یہ دینا ٹھیک ہوا، دوسری جگہ کا نا مستحق ہے اسے دیا گیا یہ جائز نہ ہوا، نہ اس کے دیے اسقاط صحیح۔ اور پھر اس خیال سے کہ وہاں کے لوگوں نے ہمارے یہاں کے امام کو دیا تھا ہم وہاں کے امام کو دیں، نہ دیں گے تو مفت نزاع ہوگا، یہ دینا خالصا خدا کے لیے دینا بھی نہ ہوا، جو اس پر لڑتے ہیں جاہل ہیں، گناہ کرتے ہیں۔ اور اگر اس کا لحاظ بھی رہے کہ نا مستحق کو نہ دیا جائے، مستحقین ہی کو پہنچے جب بھی اس طریقہ کو ضروری خیال کرنا ٹھیک نہیں۔ کہ جب مساکین ہی کو دینا ہے تو وہ جہاں کے ہوں، اور اپنے محتاج اقربا کا خیال مقدم پھر الأقرب فالأقرب نیز الأحوج فالأحوج پر نظر بہتر۔ امام، زمرۂ فقرا و مساکین میں وہی داخل ہوگا جو فقیر و مسکین ہو۔ امامت مسکینی نہیں کہ جو امام ہو مسکین ہو۔ جو امام مسکین ہے اسے فدیہ لینا جائز ہے، جب کہ ہاشمی نہ ہو۔ جو مسکین نہیں اسے حرام ہے۔

قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِينِ وَالْعٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾(۱)

زکاۃ تو انہیں لوگوں کے لیے ہے جو محتاج ہوں۔

اسے دینا جائز نہ اسے دینے سے فدیہ ادا ہو۔ نہ میت کو اس کا کوئی ثواب کہ نا مستحق کو دینے کا کوئی

ثواب ہی نہیں۔

صدقات واجبہ تو فقرا و مساکین کے لیے ہی ہیں، غنی متمول کو نہ دینا جائز نہ اسے لینا حلال۔ جو غنی ہوکر لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ فرض مسلمین کا ابطال کرتے ہیں، باطل طور پر مسلمانوں کے اموال کھاتے ہیں،

اور قرآن عظیم کے ارشاد:

﴿لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾(۱)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ

کا خلاف کرتے ہیں۔ پھر بے ضرورت سوال حرام ہے اگر چہ صدقات واجبہ نہ مانگے۔ اور یہ تو دہرا حرام ہوا۔ ایسے سائل کو دینا حرام ہے اگر چہ صدقہ واجبہ نہ دے۔ **"لأنه تعاون على الإثم والعدوان.**

وقال تعالىٰ: ﴿لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(۲)

گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وبارک وسلم فرماتے ہیں:

((لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي.))(۳)

مالدار اور طاقت ور کے لیے صدقہ حلال نہیں۔ (مترجم)

جو غنی ہوکر صدقات واجبہ لیتا ہے، وہ بھی مانگ کر وہ طرح طرح حرام کار، شدید گنہ گار مستحق نار داخل زمرۂ فساق وفجار ہے۔

جس پر زکاۃ فرض ہے اور وہ زکاۃ نہیں دیتا مبتلائے قہر قہار، مستوجب غضب جبار ہے، اسے قرآن عظیم سے مژدہ عذاب نار ہے۔ کہ وہ سونا چاندی جن کی اس نے زکاۃ نہ دی، جنہیں اس نے کنز ٹھہرایا، اٹھانے کی جگہ نہ اٹھایا، اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ نہ کیا، وہ جہنم کی آگ سے تپائے جائیں گے، پھر ایسوں کی پیشانی اور پہلو اور پیٹھ ان سے چھپکے جائیں گے، کہ یہ مواضع بقدر ان کنوز کے وسیع

---

(۱) [سورۃ البقرۃ:۱۸۷]

(۲) [سورۃ المائدۃ:۲]

دیے جائیں گے، اور یہ کنوز تپا کران کی پیشانیوں، پہلوؤں، پشتوں پر رکھ دیے جائیں گے (والعیاذ باللہ تعالیٰ) اور ان سے ارشاد ہوگا: یہ ہے وہ جسے تم نے اپنی جانوں کے لیے جمع کیا تھا۔ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کیا، زکاۃ میں نہ دیا تھا) تو چکھو اس کا بدلہ۔

قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ. يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ﴾(۱)

وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوش خبری سناؤ دردناک عذاب کی، جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں۔ پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں۔ یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

تفسیر امام جلیل جلال الدین سیوطی قدس سرہ میں ہے: أي : لايؤدون منها حقه من الزكاة والخير."(۲)

﴿لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾(۳)

اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

ایسوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔

"لأن في تقديمه تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعاً."(٤)

اس لیے کہ اس کو مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے، جب کہ شرعی طور پر اس کی اہانت واجب ہے۔ (مترجم)

درمختار وغیرہ اسفار میں فرمایا:

"كل صلاة أديت مع كراهة التحريم تجب إعادتها" والله تعالىٰ أعلم.(٥)

ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی تو اس کا اعادہ واجب ہے۔ (مترجم)

---

۱) [سورة التوبة: ٣٤]

۲) [تفسير الجلالين: ١/ ٢٤٥ ـ سورة التوبة: ٣٤]

۳) [سورة التوبة: ٣٣]

٤) [ردالمحتار على الدر المختار: باب الامامة، ١/ ٥٦٠]

٥) [... ٢/ ٥١٣]

نماز سے فارغ ہوکر امام اپنا رخ قبلہ سے دوسری جانب کرلے

(۲۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید ایک محلّہ کی مسجد میں امام ہے، فجر وعصر کی نماز کے بعد پورب دکھن کی طرف منہ کرکے دعا مانگتا ہے۔ مقتدیان نے امام صاحب سے کہا کہ ہم نے مولوی بلغاری صاحب اور مولوی غلام محی الدین خاں صاحب پیش امام سابق جامع مسجد، اور نیز بزرگان دین کے پیچھے نماز پڑھی ہے، وہ سب صاحبان اتر کی طرف منہ کرکے دعا مانگا کرتے تھے، جس پر زید مذکور نے جواب دیا کہ اگلے بزرگ سب گمراہ تھے۔ اور حضرت کے چچا ابوجہل بھی گمراہ تھے۔ تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے لیے شرعاً کیا جرم ہے؟۔ بینوا توجروا۔

از شاہ جہان پور رنگیں چوپال جناب مولوی حکیم سلامت اللہ صاحب قادری رضوی۔ ۲۱/ جمادی الآخرہ ۵۲ھ

الجواب

نماز کے بعد انحراف چاہیے، خواہ جنوباً کرے، خواہ شمالاً، اور اگر شمالاً جنوباً انحراف کا موقع نہ ہو تو قبلہ کو پشت کرے، اور نمازیوں کی طرف منہ کرے، حالت صلاۃ میں تو بوجہ استقبال قبلہ نمازیوں کی طرف پشت بہ مجبوری تھی۔ اب جب کہ نماز سے فارغ ہوچکے تو نمازیوں کی طرف پشت نہ ہونی چاہیے۔ لہذا انحراف کرے، اور ہر بات میں تیامن مستحب ہے۔ تو شمالاً انحراف احب ہے۔ اور جائز جنوباً وشرقاً بھی ہے۔ خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے بعد انصراف انحراف احادیث میں موجود۔ اور: ''عن یمینہ وعن یسارہ۔'' بھی۔ اور حضور کی تیامن کے ساتھ محبت اور اس کا اعتماد کسے معلوم نہیں، اور اس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے کہ لوگ انحراف عن یمین ہی کو حق اور اس کے سوا کو ناجائز نہ ماننے لگیں۔ قولاً وفعلاً تنبیہ بھی فرمائی۔

غنیۃ شرح منیہ میں ہے:

''إذا تمت صلاۃ الإمام فھو مخیر إن شاء انحرف عن یسارہ وجعل القبلۃ عن یمینہ، وإن شاء انحرف عن یمینہ وجعل القبلۃ عن یسارہ، وھذا أولیٰ لما في مسلم من حدیث البراء: ''کنا اذا صلینا خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

حبنـاأن نـكـون عـن يمينه حتى يقبل علينا بوجهه، فإن مفهومه إن وجهه صلى اللّٰه
ـليه عند الإقبال عليهم كان يقابل من هو عن يمينه، وذلك إنما يكون إذا كان
ـمسجد عن يمينه والقبلة عن يساره))وقيل: معناه حتى يقبل علينا بوجهه قبل
ـن هـو عـن يسـاره ، فيـفيـد الانـصـراف عـن يـمـينه، لا أنه يجلس منحرفاً بل
ستـقبـلهـم في القعود بعد الانصراف عن يمينه كما في حديث أنس عن مسلم
يضـاً: كـان الـنبـي صـلـى الـلّٰـه تـعالى عليه وسلم ينصرف عن يمينه۔ وما في
لصحيحين وغيرهما من حديث ابن مسعود،قال:لا يجعل أحدكم للشيطٰن شيئاً
ـن صلاتـه يرى أن حقا عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول اللّٰه
ـلـى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره لا يعارض ذلك؛ لأن فعله
ـليه الصلاة والسلام ذلك تعليماً للجواز مع محبته للتيامن واعتياده به وهو: أي
الـجـواز مـراد ابـن مسعود، فإنه إنما نهىٰ أن يرى الانصراف عن اليمين حقاً لا
جوز غيره."(۱)

جب امام نماز سے فارغ ہوجائے تو اسے اختیار ہے چاہے تو وہ بائیں طرف انصراف کرے
ور قبلہ اس کے داہنی جانب ہو، اور چاہے تو دائیں جانب پھرے اور قبلہ اس کے بائیں جانب ہو، جیسا کہ
ںیح مسلم میں بروایت حضرت براء بن عازب موجود ہے، کہ جب ہم سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
قتدا میں نماز پڑھتے تو ہمیں داہنی جانب رہنا پسند تھا۔ تاکہ سرکار دوعالم کا ہماری طرف رخ انور ہو۔
حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ سرکار دوعالم کا رخ انور اس کی طرف ہوتا تھا جو آپ کے داہنی جانب ہوتا جب
سرکار ان کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور یہ صورت اس وقت ہوسکتی ہے جب مسجد آپ کی داہنی جانب ہو اور قبلہ
ائیں جانب۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ سرکار کا رخ انور اس شخص کی طرف ہوتا جو آپ کی
ائیں جانب ہوتا، جس وقت سرکار ہماری طرف اقبال فرماتے۔ تو یہ داہنی جانب انصراف کا فائدہ دے
رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ منہ پھیر کر گھوم کر بیٹھتے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ داہنی طرف انصراف
فرمانے کے بعد آپ ان کی طرف رخ فرماتے جیسا کہ صحیح مسلم ہی میں حضرت انس کی روایت کردہ حدیث
میں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داہنی جانب انصراف فرماتے تھے۔ اور صحیحین وغیرہ میں جو

(۱) غنية المستملي شرح منية المصلي، ص ۳۲۹

حدیث ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وارد ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ تم میں سے کوئی شیطان کو اپنی نماز میں بالکل نہ بھٹکنے دے، ان کا خیال ہے کہ نمازی کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ صرف داہنی طرف سے انحراف کرے ، بے شک میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا کہ زیادہ تر آپ بائیں جانب انصراف فرماتے۔ یہ روایت اس کے معارض نہیں، اس لیے کہ آپ کا یہ عمل تعلیم جواز کے لیے تھا جب کہ آپ کو تیامن پسند تھا اور یہی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ اور ابی مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقصود جواز تھا۔ بے شک آپ نے اس بات سے روکا کہ وہ داہنی جانب انصراف کو اس طرح حق سمجھے کہ غیر کو جائز نہ سمجھے۔ (مترجم)

تو وہ جس نے دکھن کی جانب اور پورب کی طرف ہی وقت دعا منہ کرنے کو حق جانا، اور اور کو ناجائز نہ صرف ناجائز بلکہ گمراہی، وہ اپنا حکم خود کہے۔ اس نے غلط و باطل فتویٰ دیا یا نہیں۔ اللہ اکبر بوجہ محبت تیامن و اتقیاد تیامن حضور علیہ الصلاۃ والسلام تنبیہ کے لیے انحراف عن یسارہ بھی فرمائیں۔ اور انحراف عن یمینہ ہی کو حق جانیں، اور انحراف عن یسارہ کو ناجائز ماننے سے نہی ارشاد بھی فرمائیں، اور یہ حضور کے محبوب انصراف عن یمینہ ہی کو نہ صرف ناجائز بلکہ گمراہی بتائے، تمام بزرگوں کو گمراہ ٹھہرائے، اب بتایئے کہ وہ بحکم حدیث:

((من أفتیٰ بغیر علم لعنته ملائکة السموات والأرض))(۱)

جس نے بغیر علم کے فتویٰ دیا تو اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔ (مترجم)

ملعون ملائکہ آسمان وزمین ہوا یا نہیں۔ اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک سارے بزرگوں کو گمراہ ٹھہرایا یا نہیں۔ **لاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظیم**۔ اس پر توبہ لازم اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز سے سخت احتراز لازم، وہ توبہ کے ساتھ تجدید ایمان وتجدید نکاح بھی کرے۔ **واللہ الموفق وھو تعالیٰ أعلم وعلمه أتم۔**

جماعت کے بعد امام کا داہنی طرف رخ کر لینا محبوب وپسندیدہ ہے

(۳۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

نماز فجر کے بعد امام کو کس رخ پر بیٹھ کر دعا مانگنا چاہیے، اور دیگر نماز، ظہر، عصر، مغرب اور عشا کن

---

(۱) [illegible] ۲۸۶/۱۰

امام کو بیٹھ کر دعا مانگنا چاہیے۔ ہر اوقات نماز کی تفصیل علاحدہ معلوم ہونا چاہیے۔ فقط

ازمحلّہ براہم پورہ بریلی　　　　　　۱۳رشعبان المعظم ۱۳۵۶ھ

الجواب

امام مخیّر ہے چاہے جس طرف انصراف کرے، خواہ داہنے ہاتھ، یا بائیں ہاتھ، چاہے رو بمشرق ، مگر جب کہ اگلی یا پچھلی صف میں کوئی مصلی اس کے محاذات میں ہو۔ مگر داہنے ہاتھ کا انصراف ہے۔ یعنی رو بشمال ہو کر بیٹھے، داہنے ہاتھ کو مقتدی ہوں بائیں کو قبلہ۔ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو ب ہے۔ اور حضور کا انصراف یوں ہی ہوتا۔

حدیث مسلم میں ہے:

((كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ينصرف عن يمينه))(١)

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم داہنی جانب انصراف فرماتے تھے۔ (مترجم)

اور كـــان استمرار" پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں بیان جواز کے لیے کہ کوئی اس مداومت سے یہ ے کہ یہی حق یہی لازم ہے کہ یوں ہی انصراف کرے بہت بار حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے یسار ۔ یعنی رو بجنوب پشت بشمال ہو کر تشریف رکھنا۔

صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ آپ نے فرمایا:

((لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلاته يرى أن حقاً عليه أن لا ف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كثيراً عن يساره. صح))(٢)

تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کو نہ بھٹکنے دے، یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس پر داہنی راف ہی ضروری ہے، بے شک میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بہت مرتبہ بائیں راف کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (مترجم)

غنیّۃ میں ہے:

[صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الانصراف من الصلاة بعد التسليم عن اليمن ١٥٨٨، ١/٦١٠]

[مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، ٢/١٠٩٦، ٢١٨٣

((إذا تمت صلاة الإمام فهو مخير انشاء انحرف عن يساره، وجعل القبلة عن يمينه وانحرف عن يمينه وجعل القبلة عن يساره ، وهذا أولىٰ لما في مسلم من حديث البراء: كنا إذا صلينا خلف رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم أحببنا أن نكون عن يمينه يقبل علينا بوجهه))(١)

"فإن مفهومه أن وجهه عند الإقبال عليهم كان يقابل من هو يمينه، وذلك إنما يكون إذا كان المسجد عن يمينه، والقبلة عن يساره۔ وقيل: معناه حتى يقبل علينا بوجهه قبل من هو عن يساره، فيفيد الانصراف عن يمينه، لا أنه يجلس منحرفاًبل يستقبلهم في العقود بعد الانصراف عن يمينه)) كما في حديث أنس في مسلم أيضاً :((كان النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ينصرف عن يمينه.))(٢)

جب امام کی نماز مکمل ہو جائے تو اسے اختیار ہے چاہے وہ بائیں جانب انصراف کرے اور قبلہ اس کے داہنی جانب ہو، اور چاہے داہنی جانب انصراف کرے اور قبلہ اس کے بائیں جانب ہو، یہ صورت بہتر ہے جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں حضرت براء کی روایت سے وارد ہے کہ جب ہم سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو ہماری خواہش یہ ہوتی کہ ہم آپ کے داہنی طرف رہیں تا کہ آپ کا رخ انور ہماری طرف ہو۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کی طرف اقبال فرماتے وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رخ انور اسی کی طرف ہوتا جو آپ کے داہنی طرف ہوتا، اور یہ صورت اس وقت ہوتی جب کہ مسجد آپ کی داہنی جانب اور قبلہ بائیں جانب ہوتا۔ (مترجم)

"وما في الصحيحين وغيرهما من حديث ابن مسعود قال: لا يجعل أحدكم للشيطان شيئاً من صلوته يرى أن حقاً عليه أن لا ينصرف إلا عن يمينه، لقد رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم كثيراً ينصرف عن يساره لا يعارض ذلك؛ لأن فعله عليه الصلاة والسلام ذلك تعليم للجواز معه محبته للتيامن و اعتياده به وهو أي :الجواز مراد ابن مسعود، فإنه إنما نهىٰ عن أن يرى الانصراف عن اليمين حقاً لا يجوز غيره، والمراد من الانصراف الالتفات عن جهة الصلاة وهي القبلة أعم من أن يجلس بعده أولا (إلىٰ

---

(١) [صحيح مسلم، كتاب الصلاة باب يمين الامام،١٥٨٩:١/٦١٠]

ن شاء استقبل الناس بوجهه، أي: وجلس لما في الصحيحين وغيرهما عن سمرة بن كان النبي صلى اللّٰه تعالىٰ علي وسلم إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه"(۱)

"وهذا إذا لم يكن بحذائه: أي: في مقابلته عند استقبال القوم مصل، حتى بحذائه مصل لا يستقبلهم بل ينحرف يمنة ويسرة سواء كان المصلي في أول أو في الصف الآخر إذا لم يكن بينهما حائل."اه مختصراً

ور صحن وغیرہ میں جو حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ تم میں سے کوئی اپنی نماز میں بھٹکنے دے، ان کا خیال ہے کہ نمازی پر ضروری ہے کہ وہ داہنی جانب انصراف کرے، بے شک کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اکثر بائیں طرف انصراف کرتے دیکھا ہے، تو آپ نے اس سے روکا ہے کہ وہ انصراف عن الیمین کو اس طرح حق نہ سمجھے کہ اس کے علاوہ جائز ہی نہ جانے، اور ے مراد جہت قبلہ سے منہ پھیرنا ہے خواہ وہ اس کے بعد بیٹھے یا نہ بیٹھے اور بیٹھے تو لوگوں کی طرف کے بیٹھے۔ جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں وارد ہے کہ م صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھتے، تو اس کے بعد ہماری طرف رخ فرماتے، یہ اس صورت آپ کے سامنے کوئی نہ ہوتا، یعنی استقبال قوم کے وقت آپ کے سامنے کوئی نمازی نہ ہوتا، جب آپ کے سامنے کوئی نمازی ہوتا تو ان کی طرف رخ نہ فرماتے بلکہ داہنی یا بائیں جانب تے، خواہ نمازی اول صف میں ہوتا یا آخری صف میں جب کہ ان کے درمیان کوئی حائل نہ

)

کچھ نہیں ہے کہ فجر میں اس رخ پر انصراف کرے، ظہر میں اس رخ پر، عصر مغرب عشا میں اس ہی ہے کہ رو بشمال کرے، اور کبھی کبھی رو بجنوب بھی بیٹھے۔ اور کسی صف میں اگر کوئی مصلی نہ رو بمشرق بھی بیٹھ سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کی جماعت مکروہ خواہ تراویح میں ہو

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

رات حافظہ تراویح کی نماز پڑھا سکتی ہیں یا نہیں، یعنی ایسی جماعت جس میں صرف عورتیں

البخاري، كتاب الأذان، باب يستقبل الامام الناس اذا سلم، ۸۴۵: ۱/ ۲۰۳]

ہی ہوں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عورتوں کو جماعت کا حکم فرض میں نہیں، نفل تو نفل ہے، عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، اور اگر کریں تو ان میں جو امام بنے وہ ان کے وسط میں کھڑی ہو۔ مردوں کے امام کی طرح آگے نہ کھڑی ہو، فرض میں بھی یوں ہی تراویح میں بھی، کہ اس میں ان کی امام آگے کھڑی ہو تو کراہت دوہری ہو جائے گی، اور امام دوہری گنہ گار۔

درمختار میں ہے:

"ویکرہ تحریماً جماعۃ النساء ولو في التراویح."(۱) واللّٰہ تعالیٰ أعلم."

اور عورتوں کی جماعت مکروہ ہے، خواہ تراویح ہی ہوں۔ (مترجم)

بچوں کی صف بڑوں کے پیچھے علاحدہ بنائی جائے

(۳۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ....

مسئولہ جناب منشی خلیل صاحب سکریٹری انجمن اصلاح المسلمین محلّہ پورہ چندن ڈاک خانہ کوپا گنج ضلع اعظم گڑھ۔ ۱۰/ ذی القعدہ ۵۷ھ

امسال عید الفطر کی نماز کے موقع پر عیدگاہ میں بالغوں کی صفوں میں نابالغ بچے بھی تھے، حضرت مولانا محمد وصی اللہ صاحب نے فرمایا: کہ بچوں کو صف میں پیچھے کیا جائے، اس حکم کو سن کر چند لوگوں نے بچوں کو صفوں سے پیچھے ہٹانا شروع کر دیا، لیکن حاجی سلیمان صاحب نے اپنے لڑکے کے متعلق کہا کہ یہ لڑکا نہیں ہٹے گا، اور اس بچے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ کس کی مجال ہے کہ اس کو ہٹا دے، چند لوگوں نے ان کو سمجھایا کہ حاجی صاحب یہ شرع کا حکم ہے، آپ مخالفت کیوں کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ یہ تین دن سے آتے ہیں، پڑھیں یا نہ پڑھیں یہ لڑکا نہیں ہٹ سکتا، ایسے ایسے مولویوں کو ہم نے بہت دیکھا ہے، اور تاڑی بازوں کو بھی تو میرا کام ہے۔ مزید توضیح کے لیے دو گواہوں کا بیان اور ایک رپورٹ منجاب اصلاح المسلمین گوپا گنج منسلک ہے۔

---

(۱) [illegible] ۲/۳۰۶-۳۶۶

(۱) مندرجہ بالا مضمون سے شرع کے حکم کی مخالفت اور توہین علما ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

(۳) عام مسلمانوں کو ایسے شخص کے ساتھ کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ امید کہ مدلل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب

نابالغ کو بالغین کی صف میں پیچھے کھڑا ہونا چاہیے، جنہوں نے بچوں کو صف سے جدا کر کے پیچھے کھڑا ہونے کو کہا انہوں نے صحیح کہا۔ جس نے ضد کی اس نے بے جا نا رواہٹ کی، ناحق مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آمادہ ہوا، اور انہیں اپنی بے ہودہ گوئی سے ایذا دی، اسے توبہ اور جنہیں اپنے قول و فعل سے ایذا دی ان سے معافی چاہیے۔

حدیث میں ہے:

((عن أبي مسعود الأنصاري قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يمسح مناكبنا في الصلاة ويقول استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم، ليلني منكم أولوا الأحلام والنهى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم))(۱)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آپ مشہور صحابی رسول ہیں، آپ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز میں ہمارے کاندھوں پر اپنا دست پاک مارا اور اپنے دست اقدس سے نمازیوں کی صف کو سیدھا فرمایا اور ارشاد فرمایا: اپنی صفیں سیدھی رکھو، ایک دوسرے سے آگے پیچھے نہ ہو جاؤ ورنہ تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہو جائیں گے، اس حدیث سے صفوں کی ترتیب اور ان کو سیدھا رکھنے کا حال معلوم ہوا۔ نیز دوسری حدیث میں بیان فرماتے ہیں: میرے قریب صف اول میں صاحبان عقل و خرد کھڑے ہوا کریں پھر وہ جوان سے قریب ہیں پھر وہ قریب البلوغ بچے جن کو مراہق کہا جاتا ہے، پھر وہ جوان سے قریب ہیں، جیسے خنثیٰ مشکل کہ مرد عورت دونوں کی علامت ان میں ہوتی ہے، پھر یہ بھی طے شدہ ہے کہ ان کے بعد عورتوں کی صف بندی ہوگی۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: تمہارے درمیان آج اختلاف اور فتنہ و فساد یہ اسی فرمان عالی شان کی مخالفت کا سبب ہے کہ نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا تم نے ترک کر دیا امام مسلم نے اس کو روایت کیا

---

(۱) [illegible]

۔صفت بندی کے چار مرتبے ہیں، حدیث سابق میں عورتوں کی صف کا ذکر نہیں ہوا کہ یہ تو متعین ہے البتہ ہدایہ میں ذکر کیا ہے کہ پہلی صف مردوں کے لیے دوسری بچوں کے لیے، تیسری عورتوں کے لیے۔ انہوں نے خنثیٰ کا ذکر نہیں کیا، مگر شیخ ابن ہمام نے فرمایا: ان کا بچوں اور عورتوں کے درمیان مقام ہے۔ وقایہ میں بھی اسی طرح ہے اور شافعی مذہب کی رو سے بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ شیخ کی شرح میں مذکور ہے۔

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں ہمارے شانوں کو چھوتے اور فرماتے انہیں سیدھا رکھو، جدا مت کرو کہ تمہارے دل جدا (مختلف) نہ ہو جائیں، اور میرے قریب وہ لوگ کھڑے ہوں جو ذی عقل اور بالغ ہیں، پھر اس کے بعد وہ لوگ جو کہ مرتبہ میں ان کے قریب ہوں، اس کے بعد وہ جوان کے قریب ہوں۔ (مترجم)

حضرت شیخ محقق مطلق مولانا عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکاۃ میں فرماتے ہیں:

روایت ست از ابی مسعود انصاری کہ از مشاہیر صحابہ است گفت بود آنحضرت ﷺ کہ مسح می کرد کتفہائے ما در نماز و بدست برابرو ہموار ساخت آں ہا و تسویہ می کرد صف نماز را ویقول استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبکم برابر شدید موافق باشید و اختلاف نکنید پس مختلف گردد دلہائے شما بیان ترتیب صفوف می کند و می فرماید باید کہ متصل شوند مرا و در صف اول بایستند خداوندان بلوغ و عقل ثم الذین یلونہم پستر آں کسانیکہ قریب اند بایشاں در رتبہ چنانکہ صبیان و آنہاں کہ قریب بلوغ اند کہ ایشاں را مراہق خوانند ثم الذین یلونہم پس نز آں کسانیکہ نزدیک و متصل اند بایشاں چناں کہ خناثی کہ علامت مردی و زنی ہر دو دارند و متعین ست کہ بعد از وے صف نساء خواہد بود قال گفت ابو مسعود: فانتم الیوم أشد اختلافا پس شما امروز سخت ترید از روئے اختلاف در کلمہ و قوع فتن و ایں بسبب ترک تسویہ صفوف و عدم امتثال امر شارع ست، رواہ مسلم انتہی۔ نیز اس سے اگلی حدیث کے تحت فرماتے ہیں: مراتب صفوف چہار خواہد بود، در حدیث سابق مرتبہ نساء ذکر نہ کردہ از جہت تعین آں وذکر کردہ است، در ہدایہ کہ صف اول برائے مردان ست، بعد از وے صبیان، بعد از وے نساء ذکر نہ کرد صاحب ہدایہ خناثی را، و شیخ ابن الھمام گفتہ است کہ صف خناثی میان صبیان و نساء ست، ہمچنیں ست در وقایہ و مذہب شافعیہ نیز ہمیں ست چنانچہ در شرح شیخ مذکور ست۔

وہ شخص توبہ کرے کہ اس نے حدیث کی مخالفت کی، شرع کی نافرمانی کی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر نماز کا کیا حکم ہے

حضور مفتی اعظم ہند قبلہ دامت برکاتہم العالیہ القدسیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

معروض ایں کہ ایک رسالہ مسمی بنام ''اسپیکر'' مرتبہ مفتی مرکز اہل سنت حضرت بحر العلوم صدر مدرس علوم منظر اسلام بریلی شریف نظر سے گزرا، مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ لاؤڈ اسپیکر میں نماز جائز ست ہوگی، فساد نماز کا حکم لگانا فاسد وباطل ہے، لہذا آں حضور سے عرض ہے کہ رسالہ اسپیکر میں جو مسئلہ ہے وہ آں حضور کے نزدیک صحیح ہے یا غلط؟۔ اگر غلط ہے تو دلائل شرعیہ سے مسئلہ ھذا کی وضاحت کر ہم لوگوں کے شکوک وشبہات کو دفع کریں فقط والسلام۔

المستفتی: شمس الحسن خان رضوی مصطفوی، عبدالشکور خان رضوی محلّہ گھیر شیخ محلّہ ذخیرہ بریلی

الجواب

جو لوگ نہ امام کی آواز سنیں نہ مبلغ کی آواز ان تک پہنچی، نہ ایسے مقتدیوں کو دیکھتے ہوں جو امام یا کی آواز سن کر رکوع وسجود کرے، محض لاؤڈ اسپیکر کی آواز سنکر یہ معاملات کریں ان کی نماز نہ ہوگی کہ اس رت میں یہ خارج سے تلقی کر رہے ہیں، اور یہ مفسد نماز ہے، اگر چہ یہی مان لیا جائے کہ لاؤڈ اسپیکر سے واز آرہی ہے وہ امام ہی کی آواز ہے اور لاؤڈ اسپیکر میں آواز مماثل آواز امام پیدا نہیں ہوتی ہے، ڈ اسپیکر کی یہ آواز گنبد کی آواز کی طرح ہے اور صدائے بازگشت کے مانند ہے۔ واللہ تعالیٰ ھو ادی وھو تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہ

بے وجہ جماعت ترک کرنا فسق ہے

۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر کوئی فرد واحد مسجد کے پیش امام صاحب سے ناراض ہو کر ان کی اقتدا کو ترک کر کے جماعت

ہوگا؟۔ جب کہ شہر میں دوسری مسجدیں بنی موجود ہوں؟ اگر اس فرد واحد کی ناراضگی پیش امام صاحب پر درست ہوگی تو وہ اپنے عمل میں کیسا ہے، اور اگر اس کی ناراضگی درست نہ ہوگی تو اس کا عمل کیسا ہوگا؟ بیان فرما کر اجر دارین حاصل کریں۔

المستفتی خلیل بادشاہ

الجواب

اگر وہ امام جامع شرائط امامت ضروری مسائل وطہارت وصلاۃ کے عالم اور ان پر عامل ہو اور فاسق یا بدمذہب نہیں، تو اس شخص کا یہ فعل سخت خلاف شرع ہے، اس پر اس فعل سے توبہ لازم ہے، مسجد میں اسی امام کے پیچھے نماز پڑھے، جماعت میں تفریق نہ ڈالے، فتنہ پیدا نہ کرے، اگر امام کے اندر کوئی ایسی خرابی ہو کہ جس کی بنا پر اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، تو دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھے اگر اس میں جماعت سے نہ پڑھ سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد طاہر حسین پورنوی غفرلہ، ١١/رمضان المبارک ٩٠ھ

الجواب صحیح

اگر بے وجہ شرع کوئی جماعت ترک کرے تو وہ فاسق ہے، حق اللہ اور حق امام میں گرفتار ہے، اس پر توبہ لازم ہے۔ اور اگر امام میں ایسی خرابی ہے تو وہ گنہ گار ہے اس پر توبہ اور اس خرابی کا دور کرنا لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفے رضا قادری غفرلہ

(۶) مکروہات

گوٹا لچکا اگر جھوٹا ہے تو نماز مکروہ

۳۵) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جس پگڑی میں گوٹا لگا ہو اس کو باندھ کر نماز پڑھنا درست ہے؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز ہے جب کہ گوٹا چار انگل سے کم ہو، اور سچا ہو جھوٹے سے نماز مکروہ ہوگی۔

زعفران اور کسم کے رنگ سے مرد کی نماز مکروہ

۳۶) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

وہ کون سا رنگ ہے جس رنگ کا کپڑا پہن کر نماز نہیں ہوتی؟۔

الجواب

زعفران وکسم کا رنگا مرد کو ممنوع ہے، اس سے نماز مکروہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کے دن بھی زوال کے وقت نماز مکروہ ہے

۳۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً ان بابوں میں کہ

(۱) جمعہ کے لیے زوال ہے یا نہیں؟۔

(۲) جمعہ کی پہلی اذان زوال کے وقت میں کہنا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۳) کیا جمعہ کے روز زوال کے وقت سنتیں اور نوافل پڑھ سکتے ہیں؟۔

(۴) جمعہ کا خطبہ عربی یا غیر عربی اردو آمیز ہو طول ہو یا مختصر، کیا صورت افضل ہے؟۔

(۵) سنتیں مسجد ہی میں پڑھ سکتے ہیں، یا مکان میں بھی؟۔

(۶) صف کے درمیان منبر یا ستون آجائے تو صف وہیں کی جائے یا پیچھے ہٹ کر؟۔

بحوالہ کتب حنفیہ، احادیث وفقہ سے تمام مسائل سے حوالہ کتب وصفحہ تحریر فرمائیے۔(۶) کے مسئلہ پر زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔بینوا توجروا۔

از پونہ کیمپ جامع مسجد بابوت اسٹریٹ ۶۸۶ مرسلہ سید محمد امام۔

الجواب

زوال تو ہر دن ہوتا ہے، ہمارے امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جمعہ کے دن بھی وقت زوال تطوع ناجائز، ہاں امام ابو یوسف سے روایت مشہور یہ ہے کہ جمعہ کے دن وقت زوال نفل جائز ہے، یہی مذہب امام شافعی کا ہے،

ان کا متمسک یہ حدیث ہے:

((عن أبي هريرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم نهٰی عن الصلاة نصف النهار حتی تزول الشمس إلا یوم الجمعة))(۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا یہاں تک کہ مکمل طریقہ سے زوال شمس ہو جائے، سوائے جمعہ کے دن کے۔(مترجم)

امام اعظم اس حدیث سے مطلقاً کراہت کا حکم فرماتے ہیں:

"ثلث ساعات، کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ینهانا أن نصلي فیهن أو نقبر فیهن موتانا: حین تطلع الشمس بازغة حتی ترتفع، وحین یقوم قائم الظهیرة حتی تمیل ، وحین تضیف الشمس للغروب حی تغرب"(۲)

تین اوقات میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے اور مردے دفن کرنے سے منع فرمایا: جب سورج طلوع ہو رہا ہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے اور جب سورج زوال ہو یعنی زول ختم ہو

---

(۱) [الجامع الصغیر، باب المناهي:۲/۴۶۸]

(۲) [سنن أبي داؤد، کتاب الجنائز، باب الدفن عند طلوع الشمس وعند

جائے اور جب سورج غروب ہونے کے قریب ہو، یہاں تک کہ غروب ہوجائے۔(مترجم)

یہ نہی مطلق ہے۔اور محرم مبیح پر مقدم، کسی وقت کی اذان کسی دن وقت سے پہلے جائز نہیں۔

غنیۃ میں ہے:

"لا يجوز الأذان لصلاة قبل دخول وقتها؛ لأنه غرور."

کسی نماز کی اذان اس کے وقت سے پہلے جائز نہیں، کیوں کہ یہ دھوکا ہے۔(مترجم)

جمعہ کا خطبہ خالص عربی ہو خطبۂ جمعہ میں اور کسی زبان کی آمیزش مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ مختصر پڑھے گا، ہمارے امام کے نزدیک جب بھی خطبہ ادا ہوجائے گا۔یعنی فرض ادا ہوجائے گا۔ بروجہ سنت نہ ہوگا۔خطبہ قدر طوال مفصل ہونا سنت ہے، اس سے زیادہ طویل مکروہ۔

مختصر کے یہ معنی کہ مثلاً اگر کسی نے فقط الحمد للہ بہ نیت خطبہ پڑھا، ہمارے امام کے نزدیک فرض خطبہ ہوگیا۔

عالمگیری میں فرمایا:

"الخطبة تشتمل علىٰ فرض و سنة:فالفرض شيئان، الوقت وهو ما بعد الزوال وقبل الصلاة ، حتى لو خطب قبل الزوال أوبعد الصلاة لا يجوز، هكذا في العيني شرح الهداية .والثاني ذكر الله تعالىٰ كذا في البحر الرائق۔ و كفت تحميدة او تهليلة أو تسبيحة كذا في المتون۔ هذا إذا كان علىٰ قصد الخطبة"(۱)

خطبہ فرض وسنت دونوں پر مشتمل ہے، فرض دو چیزیں ہیں (ا) وقت اور وہ زوال شمس سے لے کر قبل نماز تک ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر خطبہ زوال سے پہلے اور نماز کے بعد پڑھا تو جائز نہیں ہے، اسی طرح عینی شرح ہدایہ میں ہے، اور دوسری چیز ذکر اللہ، یوں ہی بحر الرائق مین ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ خطبہ کی غرض سے ہو۔(مترجم)

اسی میں ہے:

"أما سننها(إلى أن قال)الرابع عشر تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل ويكره التطويل" (۲)

---

(۱) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة الباب السادس عشر في صلاة الجمعة:۱/۱۸٤]

رہیں اس کی سنتیں تو ان میں چودھویں سنت یہ ہے کہ تخفیف کے ساتھ طوال مفصل کی مقدار میں پڑھے، اس سے زیادہ تطویل مکروہ ہے۔ (مترجم)

خود حدیث میں فرمایا:

"إن طول صلاة الرجل وقصر خطبة مَئِنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة واقصروا الخطبة"(۱)

غنیۃ میں فرمایا: "أقله قدر التشهد." یعنی طول کی اقل مقدار بقدر تشہد ہے۔

نماز کو طول دینا اور خطبہ کو کم کرنا اس کی دینی سمجھ کی علامت ہے، پس نماز کو دراز کرو اور خطبہ کو کم کرو۔ (مترجم)

سنتیں مکان میں بھی پڑھ سکتے ہیں، بلکہ مکان میں پڑھنا بہتر ہے۔ صف میں خلل اگر بے عذر ہو نہایت ناپسند و مکروہ ہے۔ احادیث میں اس کے لیے وعید ہے۔ صف کا سیدھا رکھنا، برابر ہونا، بیچ میں کہیں ذرا کشادگی نہ ہو لازم ہے۔ حدیث میں ہے: صفوں کو برابر کرو، اور مونڈھوں کو مقابل کرو، اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ، کشادگی کو بند کرو کہ شیطان بھیڑ کے بچے کی طرح تمہارے درمیان داخل ہوتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے: جو صف کو ملائے گا اللہ تعالیٰ اسے ملائے گا، اور جو قطع صف کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قطع کر دے گا۔

ایک حدیث میں ہے: کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام صف کے کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے، اور ہمارے مونڈھے یا سینہ پر ہاتھ پھیرتے، اور فرماتے: مختلف کھڑے مت ہو، کہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔

ایک حدیث میں ہے: کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام ہماری صفیں تیر کی طرح سیدھی کرتے، ایک دن تشریف لائے ایک شخص کا سینہ صف سے نکلا دیکھا فرمایا: اے اللہ کے بندے صفیں برابر کر۔ یا اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف ڈال دے گا۔

عالمگیری میں ہے:

"ينبغي للقوم إذا قاموا إلى الصلاة أن يتراصوا، ويسدوا الخلل، ويسووا بين

كبهم في الصفوف ."(١)

لوگ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو انہیں چاہیے کہ خوب مل کے کھڑے ہوں، اور خلل کو ختم
یں، اور صفوں میں شانے سے شانہ ملائیں۔ (مترجم)

بے عذر ایسی جگہ کھڑا ہونا نہ چاہیے جہاں کسی حائل سے قطع صف ہو۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

سجدہ سہو کا بیان

(۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) امام صاحب نماز عصر میں تیسری رکعت میں واسطے قعدہ بیٹھ گئے، سامعین نے لقمہ دیا کھڑے
رتب امام صاحب کھڑے ہو گئے لیکن سجدہ سہوادا نہیں کیا۔

(۲) امام صاحب نے نماز مغرب میں پہلی رکعت میں قرأت بہ آواز بلند نہیں پڑھی، نہ ہی آخری
سجدہ سہوادا کیا، لہٰذا آگاہ فرمایا جائے کہ ایسی صورت میں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟۔ سائل یعقوب
ین بریلی شریف

الجواب

(۱) اگر اتنی دیر امام بیٹھا رہ گیا کہ تین بار سبحان اللہ کہنے کے برابر یا اس سے زائد کھڑے ہونے
تاخیر ہوگئی ہو تو سجدہ سہو واجب ہے، اس نے اس صورت میں سجدہ سہوادا نہ کیا تو نماز کا اعادہ لازم ہے،
اگر تین بار سبحان اللہ کہنے سے کم کھڑے ہونے میں تاخیر ہوئی تو سجدہ سہو واجب نہیں۔

(۲) اس صورت میں بھی سجدہ سہوا کرنا واجب تھا، جب نہ کیا تو سب لوگ نماز کا اعادہ
یں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ ریاض احمد چھپروی غفرلہ، ۱۲ر شوال المکرم ۹۰ھ

الجواب صحیح

جب امام مقتدی میں اختلاف ہے تو اگر زیادہ لوگ ایک بات کو کہیں تو انہیں کی بات مانی جائے
۔ واللہ تعالیٰ اعلم فقیر مصطفی رضا قادری غفرلہ

---

(١) [illegible] ٦٤٩ / ١

چین کی گھڑی سے نماز کا حکم

(۳۹) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اسٹیل چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ علاوہ اسٹیل چین والی گھڑی ہمیشہ ہے یا ہوئی اور جو شخص ایسا کہے کہ چین پہن کر نماز پڑھنا حرام نہیں ہے، میں اس مسئلہ کا منکر ہوں، لہذا اس مسئلہ کا حرام انکار کرنے والا کون ہے، شرع کی طرف سے اس پر کیا حکم عائد ہوسکتا ہے؟۔ بہت جلد جواب عنایت فرمائیں۔ اشرفی

الجواب

اسٹیل لوہے کی ایک قسم ہے، اور مرد کے لیے صرف ایک نگ کی چاندی کی انگوٹھی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی اجازت ہے، سونے کی انگوٹھی مرد کو حرام ہے، چاندی کی مقدار مذکور سے زائد کی ہو تو مکروہ وناجائز ہے، پیتل وغیرہ کسی دھات کی انگوٹھی مرد وعورت کے لیے پہننا جائز نہیں، لہذا صورت مسئولہ میں اسٹیل کی چین خلاف شرع ہے، ناجائز ہے، نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ (الملفوظ جلد دوم)

اسٹیل کی چین نماز اور غیر نماز دونوں حالتوں میں پہننا ناجائز ہے، جو شخص اس بات کا منکر ہے باوجود علم ہونے کے گنہ گار ہے، اس کو اپنے خیال وعقیدے سے رجوع لازم ہے، اور اگر منکر شخص مفتی اور عالم ہے اور اس کے پاس جواز پر دلائل ہیں تو اس کو گنہگار نہیں کہا جائے گا تا وقتیکہ اس کے دلائل پر غور نہ کیا جائے، گنہ گار کا حکم غیر عالم کے لیے ہے، جو نہ عالم نہ کسی مجوز عالم کی طرف اس کی نسبت کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد رفیق قادری

فی الواقع یہ چیز لوہے کی ہوتی ہے، اس کا استعمال ناجائز ہے، مرد کو بھی عورت کو بھی، عورت کو بھی سونے چاندی کے زیور کی اجازت ہے، سونے چاندی کے علاوہ کسی کی اجازت نہیں، اس بلا میں مبتلا عوام ہی نہیں خواص بھی ہیں، خواص میں علما بھی، ان کے اس اختیار کرنے سے اس کی کراہت دور نہ ہو جائے گی۔ نماز میں اگر پہنیں گے تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہ

(۷) قضانماز

عصر وفجر کی نماز کے بعد بھی قضانماز درست ہے

۴) **مسئلہ:**

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بعد نماز عصر قضانماز پڑھنا درست ہے یانہیں، یابعد نماز فجر طلوع سے قبل قضانماز پڑھنا درست یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قبل تغیر آفتاب قضا پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح قبل طلوع بھی اور طلوع ہونے پر بعد تغیر بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) جمعہ

سلطان اسلام یااس کانائب نہ ہو تو جمعہ وعیدین سب سے بڑا عالم قائم کرلے

۴) **مسئلہ:**

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اکثر بلکہ تمام فقہ حنفی کی کتابوں میں نماز عید وجمعہ پڑھنے کے لیے چھ شرطیں مقرر فرمائیں ہیں کہ ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو نماز ہوگی ہی نہیں۔

شرطیں:۔

(۱) مصر یا فنائے مصر۔

(۲) سلطان اسلام یااس کانائب جسے جمعہ قائم کرنے کاحکم دیا گیا ہے۔

(۳) وقت

(۴) ...

(۵) جماعت

(۶) اذن عام

(نوٹ) شرط دوم کے متعلق فقط دریافت کرنا ہے کہ ہندوستان پر غیر مسلم حکومت کا تسلط ہے، متقدمین حنفیہ کے نزدیک شرط ہے کہ جمعہ کی نماز وہاں درست ہوگی، کہ اس جگہ مسلمان بادشاہ ہو، یا اس کا نائب، اور متاخرین حنفیہ نے سلطنت چنگیزیہ کے زمانہ میں فتویٰ دیا ہے کہ کفار کی طرف سے شہر میں جو مسلمان حاکم ہووے تو وہ بمنزلہ سلطان کے قرار دیا جاوے۔ اور اس کے لیے جائز ہے کہ جمعہ وعید قائم کرے، ان لوگوں کے بعد جو متاخرین حنفیہ ہوئے انہوں نے اس سے بھی زیادہ وسعت دی۔

چناں چہ فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے:

"بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة، ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً، كما في معراج الدراية" (۱)

یعنی وہ شہر کہ وہاں کفار کے حکام ہیں، وہاں مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ جمعہ قائم کریں، اور اہل اسلام اپنی رائے سے جس کو قاضی مقرر کردیں گے وہ قاضی ہوجائے گا۔ اور اہل اسلام پر واجب ہے کہ وہ مسلمان بادشاہ کی تلاش کریں۔ ایسا ہی معراج الدرایۃ میں لکھا ہے۔

تو ان متاخرین نے اہل شہر کا اتفاق بجائے اس کے قرار دیا ہے، کہ گویا اسلام کی طرف سے بادشاہ مقرر کیا گیا، اور ایسا منتخب شدہ قاضی کافی ہے، کہ جمعہ وعید قائم کرے۔ (فتاویٰ عزیزیہ)

صاحب بہار شریعت مولانا مولوی مفتی امجد علی صاحب بہار شریعت حصہ چہارم جمعہ کے بیان میں فرماتے ہیں: نیز ایک بات ضروری ہے جس کی طرف عوام کی بالکل توجہ نہیں ہے۔ یہ ہے کہ: جمعہ کو اور نمازوں کی طرح سمجھ رکھا ہے، جس نے چاہا نیا جمعہ وعید قائم کردیا، اور جس نے چاہا پڑھادیا، یہ ناجائز ہے، اس لیے کہ جمعہ وعید قائم کرنا بادشاہ اسلام یا اس کے نائب کا کام ہے، جہاں اسلامی سلطنت نہ ہو وہاں طریقہ مذکور کے مطابق جو شخص مقرر کردیا گیا ہو وہ قائم مقام سلطان کے سمجھا جاوے، وہی جمعہ قائم کرے، بغیر اس کی اجازت کے جمعہ ہو ہی نہیں سکتا، قاضی کے ہوتے ہوئے عوام بطور خود کسی کو امام نہیں بنا سکتے، نہ یہ ہوسکتا ہے، کہ محلہ کے دو چار شخص کسی کو امام مقرر کریں، ایسا جمعہ کہیں سے ثابت نہیں۔ شرائط مذکور

،مطابق اگر کسی شہر کے مسلمانوں نے قاضی شہر کے مرض موت کے زمانہ میں اس کی اولاد میں سے اس
،خلف اکبر کو قاضی شہر منتخب کیا ہو،اس کی تقرری کا محضر تیار ہوا ہے،اس پر شہر کے رؤسا نے دستخط کیے
ں،اسے اپنا قاضی قبول فرمایا ہو،تو ایسا شخص شرعاً قاضی ہوگیا یا نہیں؟۔

(۲) ایسے مقرر شدہ قاضی نے شاہی زمانہ سے جس جامع مسجد میں اور عیدگاہ میں نماز جمعہ
ہ رین ادا ہوتی ہے وہیں ادا ہونے کا اعلان متواتر دو سال تک شائع کیا ہو،تو اس جامع مسجد اور عیدگاہ کے
ے شہر کی دوسری مسجدوں میں نماز جمعہ وعیدین صحیح و درست ہوگی یا نہیں؟۔

(۳) فقہی احکام کے مطابق شہر کی دوسری مسجدوں میں (جامع مسجد کے سوا) بغیر اجازت قاضی
ہ کے لوگ جمعہ قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) ایسے شہر میں جہاں اصول مذکور کے بغیر جمعہ وعیدین قائم ہوئے ہوں،وہاں کے اکثر
لمان عیدین کی نماز بلا عذر عیدگاہ میں نہ پڑھتے ہوں،اگر مسجدوں میں پڑھ لیں تو ان کی نماز ہوجائے گی
ہیں؟

(۵) ایسے شہر میں بغیر اجازت قاضی جمعہ وعیدین محلّہ محلّہ قائم کرنا گناہ ہے یا نہیں؟

(۶) شہر کی کچھ آبادی شافعی المذہب ہو تو (پانچ معزز حنفیوں میں دو سو شافعی المذہب) تو انہیں
ز جمعہ وعیدین جامع مسجد وعیدگاہ میں ادا کرنا چاہیے یا نہیں؟

(۷) ایسا مقرر شدہ قاضی اولی الامر میں داخل ہے یا نہیں،اور امور مذہبی میں اس کی فرماں
اری واطاعت فرض ہے یا نہیں؟

(۸) جو مسلمان امور مذہبی میں اس کی نافرمانی کرے اس کے لیے شریعت نے کیا حد مقرر کی
ہے؟

(۹) قاضی کے فرائض منصبی واختیارات عہدہ کے لحاظ سے فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں کیا کیا مذکور
ں،مفصل بیان فرمایئے؟

(۱۰) شہر کے مسلمانوں نے قاضی کا انتخاب ومقرری کے بعد خطیب ومؤذن وفراشی وغیرہ اہل
ماتِ شرعیہ کی تقرری وتنزلی کا اختیار قاضی کو ہے یا نہیں؟

(۱۱) قاضی کی اجازت وحکم کے بغیر خطیب یا ائمہ مساجد میں جمعہ وعیدین قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۱۲) شاہی زمانہ کے سند یافتہ خطیب کی اولاد میں سے کوئی بدوں اذن قاضی خطابت کرسکتا ہے

(۱۳) مرحوم خطیب کی اولاد میں سے کوئی خطابت کے لائق نہیں تو قاضی کسی دوسرے کو جو اس کام کا اہل ہو خطابت پر مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟

(۱۴) اسے موافق خدمات قضا و احتساب موروثی ہیں یا نہیں؟

(۱۵) آراضیات و یومیہ وغیر عطیات شاہی جو مشروط بخدمت مثلاً قضا و احتساب وخطابت وموذنی وغیرہ ہوں وہ قابل ارث ہیں یا نہیں؟

(۱۶) جو شخص ان خدمات پر مقرر کیا جاے وہی تنہا ایسی مشروط بخدمت جائداد کا مستحق ہوتا ہے، یا فرائض کے مطابق تمام ورثہ بھی اس میں شریک ہو سکتے ہیں؟

(۱۷) ایسی مشروط بخدمت جائداد آراضیات وغیرہ قابل ارث نہیں ہیں۔ تو خدمت گار قاضی وخطیب وموذن فراشی وغیرہ کے بھائی بند، رشتہ دار وغیرہ حکومت کے ذریعہ ایسی مشروط جائداد کو قابل ارث ٹھہرا کر تقسیم کرا دیں، تو ایسی ہستیاں ظالم وغاصب ہیں یا نہیں؟ اور ان کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

(۱۸) قاضی، خطیب، موذن وغیرہ اہل خدمات شرعیہ کے نام ہیں، جو شخص ایسی خدمتوں پر مقرر کیا جاے وہی فقط ان ناموں سے خطاب کیا جاتا ہے، لیکن موجودہ زمانہ میں ہر شخص جسے ان خدمت گاروں سے ذرہ برابر بھی رشتہ یا تعلق ہو خود کو قاضی یا خطیب لکھتا ہے، کہلواتا ہے۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں، مقرر شدہ قاضی یا خطیب وغیرہ خدمتوں میں سے کسی خدمت کی طرف نسبت کرے، تو ایسے شخص کو ایسی نسبت سے منع کر سکتے ہیں یا نہیں؟۔

ازناسک مرسلہ قاضی چراغ الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ریٹائر۔ مورخہ ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ

الجواب

(۱) جہاں سلطنت اسلامیہ نہیں وہاں عالم وافقہ علما جو سنی صحیح العقیدہ ہو، قائم مقام سلطان ہے، اس کے قائم کیے نماز جمعہ قائم ہو سکتا ہے، یا اس کے ماذون کے لیے یہ حق ہے، مسلمانوں کو ایسے امور میں اسی کی طرف رجوع لازم ہے، اور اپنے ایسے کام اسی کی طرف سپرد کرنا چاہیے، عوام ایک زمانہ سے خود سر وخود راے ہو گئے ہیں۔ اللہ عزوجل انہیں اس سے توبہ کی توفیق دے، اور اتباع شریعت اور اطاعت اولی الامر کی ہدایت عطا فرماے۔ قاضی بنانا عوام کا کام نہیں، سلطان کا کام ہے، یا اس کے قائم مقام کا، علما قائم مقام سلطان ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، وہ جس عالم اہل قضا کو قضا پر مامور کریں، وہ قاضی ہوگا۔

حدیقہ ندیہ میں فتاویٰ عتابی سے ہے:

مة الرجوع إليهم، ويصيرون ولاة، فإذا عسر جمعهم على واحد استقل كل طر باتباع علمائه، فإن كثروا فالمتبع أعلمهم، فاذا استووا أقرع بينهم، قال سمهودي: هذا من حيث انعقاد الولاية الخاصة، فلاينافي وجوب اطاعة العلماء طلقاً."(۱)

جب زمانہ میں اہل بادشاہت نہ رہیں تو تمام امور علما کے سپرد ہوں گے، اور قوم پر ان کی طرف وع لازم ہوگا، اور یہی قوم کے والی ہو جائیں گے، پس جب سب کا ایک امر پر اتحاد دشوار ہو، تو ہر ضلع پنے علاقہ کے علما کی اتباع کرے گا، اگر علما کی کثرت ہو تو مقتدا ان میں سے زیادہ علم والا ہوگا، اور اگر علم ں سب برابر ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کی جائے گی۔ شیخ سمہودی فرماتے ہیں: یہ حکم ولایت ص کا ہے، لہٰذا مطلقاً اطاعت علما کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ (مترجم)

عالمگیریہ میں فرمایا:

"إذا اجتمع أهل بلدة علىٰ رجل وجعلوه قاضياً يقضي فيما بينهم لا يصير اضياً ولو اجتمعوا على رجل وعقدوا معه عقد السلطنة أو عقد الخلافة يصير ليفة وسلطاناً، كذا في المحيط"(۲)

جب بستی والے کسی شخص پر اتفاق کرلیں اور اسے اپنا قاضی مقرر کرلیں کہ وہ ان کے درمیان سلہ کرے تو وہ قاضی نہ ہوگا، اور اگر کسی شخص پر اتفاق کرلیں اور اس کو سلطان یا خلیفہ بنالیں تو وہ ان کا یفہ یا سلطان ہو جائے گا، یوں ہی محیط میں ہے۔ (مترجم)

قاضی بھی دوسرے کو قاضی نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کو استخلاف کا اذن نہ ہو۔

اسی میں ہے:

"السلطان إذا قال لرجل جعلتك قاضياً ليس له أن يستخلف إلا إذا أذن له ي ذلك صريحاً أو دلالة بأن يقول له جعلتك قاضي القضاة، لأن قاضي القضاة و الذي يتصرف في القضاة تقليداً وعزلاً كذا ذكر في الذخيرة"(۳)

---

۱) [الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية:۱/۲۵۱]

۱) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب أدب القاضي الباب الخامس في التقليد والعزل:۳/۳۴۸]

۲) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب أدب القاضي الباب الخامس في التقليد والعزل:۳/۳۴۸]

سلطان جب کسی سے کہے کہ میں نے تجھے قاضی مقرر کیا، تو اسے خلیفہ بنانے کا اختیار نہیں مگر اس صورت میں جب اس کو اس کا صراحتاً اذن مل چکا ہو، یا پھر دلالۃً مثلاً وہ کہے کہ میں نے تجھے قاضی القضاۃ بنایا، اس لیے کہ قاضی القضاۃ قاضیوں کو مقرر کرنے اور انہیں معزول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ یوں ہی ذخیرہ میں ہے۔ (مترجم)

(۲) جس نئی جگہ لوگ خود جمعہ قائم کریں گے جمعہ نہ ہوگا، کہ اس کی شرط سلطان ہے، یا اس کا ماذون ونائب۔ اور جہاں یہ نہیں وہاں علما قائم مقام سلطان ہیں، ان کے اذن کی حاجت ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اس کا جواب اوپر کے جواب میں واضح ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) جہاں حسب شرائط نماز عیدین وجمعہ ہوگی، ہو جائے گی، کہ عیدگاہ یا مسجد جامع ان کے لیے شرط نہیں، ہاں افضل یہی ہے کہ جمعہ جامع مسجد میں، اور عیدین کی عیدگاہ میں جمع عظیم کے ساتھ ادا کریں، اس سے شوکت اسلام کا اظہار ہوگا۔ تعدد جماعت جائز ہونا اور بات ہے، مگر اظہار شوکت اسلام اس تفریق جماعت سے قطعاً جاتا رہتا ہے۔ لہٰذا سوائے ضعیف اور مریض لوگوں کے اگر شہر کے تمام مسلمان ایک جا جمع ہو کر نماز عیدین ادا کریں تو یہ بہت بہتر اور موافق سنت ہو۔ جمعہ بھی دس بیس جگہ نہ پڑھیں۔ زیادہ سے زیادہ دو چار جگہ، اس میں علاوہ اظہار شوکت اسلام اور بھی بعض مصالح ہیں: یک جہتی، مسلمانوں کا ربط ضبط، میل ملاقات، ووادواتحاد، ایک دوسرے کے حالات سے باخبر ہونا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) اس کا جواب بھی اوپر سے ظاہر ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۶) شافعیہ کی نماز حنفیہ کے پیچھے اور حنفیہ کی نماز شافعیہ کے پیچھے ہو جاتی ہے، جب کہ امام مقتدی کے مذہب کا لحاظ رکھے، مقتدی کے خیال میں امام میں کوئی ایسی بات نہ ہو کہ اس کی نماز اس کے پیچھے اس کے خیال میں جائز نہ ہو۔ شافعیہ کو اپنا جمعہ وعید علاحدہ قائم کرنے کے بجائے ساتھ ہی پڑھنا بہتر ہے، جب کہ انکے مذہب کی رعایت امام کرے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۷) اس سوال کا جواب سوال اول میں گزر چکا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۸) اس کا جواب بھی اوپر گذر چکا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۹) اس کے لیے درمختار ہدایہ وغیرہ کے معتبر اردو ترجمے دیکھ لیے جائیں جو بات سمجھ میں نہ آئے وہ دریافت کرلی جائے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۱) اس کا جواب اوپر ضمناً گزر چکا ہے بغور دیکھا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲) امامت یا خطابت میں وراثت نہیں ہے، اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ علما کا ماذون جمعہ وعیدین
مت کرسکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۳) اس کا جواب اوپر کے جوابات سے واضح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۴) موروثی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۵) نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۶) جو خدمت پر مقرر کیا جائے، اور خدمت کرے وہی مستحق ہے، وہ ترکہ نہیں کہ تقسیم
و اللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۷) یقیناً ظالم وغاصب ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۸) جو غلط عرف رائج ہو جائے اسے چھوڑنا چاہیے، قاضی ایک نہایت معزز عہدہ شرع ہے،
کا استعمال ہر کہ ومہ کے لیے برا ہے۔ قاضی کی اولاد قاضی کہلواتی ہے، قاضی کے خاندان والے قاضی
تے ہیں، عہدۂ شرعیہ کی ایسی مٹی خراب ہے، کوئی شخص کلکٹر کی اولاد اور خاندان والوں کو کلکٹر نہیں
۔اور نہیں کہہ سکتا، مگر قاضی کے خاندان والے قاضی، اور مفتی کے خاندان والے مفتی کہلاتے
، چا۔ ہے کیسے ہی فسق وفجور میں مبتلا ہوں، اور کیسے ہی جاہل اجہل ہوں۔ وإلى اللہ المشتکی وھو
ی أعلم۔ مرسلہ خلیق احمد۔

جہاں جمعہ فرض ہے وہاں ظہر کی نماز نہیں

(۱ **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید سر منبر یہ کہتا کہ احتیاط الظہر بعد الجمعہ حدیث وقرآن کی رو سے فرض ہے، اور حدیث شریف
موجود ہے، اور قرآن کریم میں بھی موجود ہے، کہ احتیاط الظہر فرض ہے، عمرو کہتا ہے کہ یہ افترا ہے، نہ
ن میں احتیاط الظہر صراحۃً مذکور، اور نہ حدیث شریف میں مذکور ہے، بلکہ فقہائے کرام کے اقوال سے
ت ملتا ہے۔ جیسا کہ شامی، فتح القدیر، اور نہر الفائق وغیرہ میں موجود ہے، اس کا پڑھنا موجب ثواب
ص کے لیے ہے عوام کو نہ کہا جائے، تاکہ ان کو فرضیت جمعہ میں شک نہ پڑ جائے، ایسا شخص جو کہ سر منبر
[illegible]

کون شخص حق پر ہے؟ بینوا توجروا۔

از وزیر آباد پنجاب مولانا مولوی عبد الغفور صاحب ہزاروی خطیب جامع مسجد، ۱۰/ رجب المرجب ۱۳۵۸ھ

الجواب

زید بے قید نہایت جری ہے، قرآن وحدیث پر مفتری ہے، احتیاط الظہر کی فرضیت اس کی تراشیدہ ہے، اپنے دل سے گڑھی ہے۔

﴿مَا أَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾(۱)

اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری۔

نہ قرآن میں اس کی فرضیت کا بیان نہ کہیں کسی حدیث میں اس کا نشان۔ ''ما بہ أحد ولا محمد۔ جل جلاله وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔ إلىٰ أبد الأبد. ''جمع بین الفرضیتین کب جائز ہے۔

تفسیر احمدی میں سید علامہ زمن ملا احمد جیون قدس سرہ فرماتے ہیں:

"لا يجوز الجمع بين الفرضيتين عند أهل الإسلام."(۲)

دو فرضوں کو جمع کرنا مسلمانوں کے یہاں درست نہیں۔(مترجم)

جمعہ فرض ہے تو ظہر فرض نہیں، جہاں ظہر فرض ہے وہاں جمعہ فرض نہیں، بربنائے اختلاف در تعریف مصر اور سلطان یا اس کے نائب کا حضور شرط ہے۔ یا اذن ہی کافی ہے، اس اختلاف کی بنا پر ہندوستان میں بعض نے جمعہ ترک کیا، کہ یہاں اس کی فرضیت کے قائل نہ رہے، کہ سلطان اسلام یا اس کا نائب موجود نہیں، یا بعض بوجہ اختلاف در تعریف مصر، بعض مواضع میں جہاں ان کی مختار تعریف صادق نہ آئی تھی، فرضیت جمعہ سے منکر ہوئے، بعض نے جمعہ کو فرض سمجھا، اور اسی پر اکتفا کیا۔ بعض نے ظہر اپنے گھروں میں جمعہ کے دن پڑھنی شروع کی، ظہر پڑھنے کے بعد جمعہ کو جاتے اکثر جمعہ کو پڑھتے، بعد جمعہ احتیاطاً چار رکعت آخر ظہر جس کا وقت پایا، اور جواب تک ذمہ پر باقی ہے۔ پڑھتے رہے، خواص کو اس کا حکم فرماتے، عوام کو نہیں کہ بوجہ شک وتردد ان کا جمعہ اور ظہر دونوں ہی جاتیں۔ عوام کو اکثر شعار اسلام جمعہ کی

---

(۱) سورۃ النجم: ۲۳

ںیت واہمیت ہی سے منکر نہ ہوجائیں، یا ایک وقت میں جمع اور ظہر دونوں کوفرض نہ سمجھ لیں، جیسا کہ زید
ظہر رہا ہے۔ صح۔

گاؤں میں جمعہ جائز نہیں

۴۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جس گاؤں میں حاکم نہ ہواس میں جمعہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب

گاؤں میں جمعہ ناجائز ہے، جہاں ہوتا ہو، وہاں روکا نہ جائے کہ فتنہ ہے۔ نیز یہ کہ وہ اتنے سے
ں جائیں گے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ انہیں آہستہ آہستہ اس کی تلقین کی جائے کہ وہ ظہر بھی پڑھ
ں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دیہات میں جہاں پڑھتے آئے نہ روکا جائے مگر ظہر کی جماعت لازم ہے

۴۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

نمبر(۱) ایک فتویٰ بشکل اشتہار عوام کے پیش نظر ہے جس کی سرخی یہ ہے کہ: دیہات میں جمعہ کی
ز ناجائز اور گناہ ہے، نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ، اور اس میں ہر سوال کا جواب امام اہل سنت اعلیٰ حضرت
س سرہ کے فتاویٰ رضویہ سے لکھا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ جو نہ شہر ہے اور نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا
ام ہے۔ اور جواب دہندہ مفتی سید افضل حسین مونگیری ہیں۔ اور اس میں اٹھارہ (۱۸) علمائے اہل سنت
ی تصدیقات ہیں۔ خصوصاً حضرت مفتی اعظم ہند وغیرہم۔ اس اشتہار کے سبب دیہات میں بے حد
نشار برپا ہے۔ اور دوسرا فتویٰ رہپورہ میں میری نظر سے گزرا جس میں حضرت مفتی اعظم ہند کا جواب
ہے، اس میں لکھا ہے کہ جہاں ہمارے مذہب میں جمعہ نہیں اور عوام پڑھتے ہوں تو ان لوگوں کو منع نہ کیا
ے کہ آخر نام الٰہی لیتے ہیں، جو بعض ائمہ کے طور پر صحیح آتا ہے۔ تو اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں فتوؤں
ں ہم کس کو غلط سمجھیں، اور جب دیہات میں جمعہ پڑھنا گناہ ہے تو پھر یہ حکم کیوں ہوا کہ ذکر الٰہی تو
ہے۔ اور پہلے فتوے میں حضرت مفتی اعظم ہند نے تصدیق کیوں فرمائی، اور علما نے بھی یہ غلط بات تصدیق

بشکل اشتہار غلط ہے۔اور دیہات (میں) جمعہ پڑھنا گناہ نہیں ہے فقط۔بینوا تو جروا۔اور دیہات میں جمعہ کے بعد جو چار فرض ظہر احتیاطی کا حکم رہپورہ کے فتوے میں ہے(وہ) جماعت سے پڑھے جائیں، یا علاحدہ علاحدہ فقط۔بینوا تو جروا۔

نمبر(۲) زید کا کہنا ہے کہ جب دیہات میں جمعہ نہیں ہے، تو آج کل شہر میں بھی نہیں ہوسکتا، کیوں کہ ہندوستان دارالاسلام نہیں، دارالحرب ہے، کہ ہماری شریعت کی بہت سی باتیں نہیں مانی جارہی ہیں، جیسے آج کوئی عورت اپنے شوہر کو طلاق دینا چاہے، تو کلکٹر کے یہاں وہ طلاق دے سکتی ہے، اور ناانصافی بھی بہت ہورہی ہے، اور ہولی میں جبراً رنگ مسلمانوں پر ڈالا جاتا ہے، اور گاے کی قربانی بھی نہیں کرسکتے، اور مسلمانوں کو روزگار بھی نہیں مل رہے ہیں۔ جہاں شریعت کی سب باتیں نہ عمل میں آتی ہوں وہ جگہ دارالحرب ہے، وہاں جمعہ نہیں ہوسکتا، تو کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں۔اور ہندوستان دارالاسلام ہے کہ دارالحرب، اس کی پوری تفصیل حدیث شریف سے یا دیگر کتب ائمہ سے عنایت فرمائی جاے۔فقط، بینوا تو جروا۔

نمبر(۳) گاؤں میں لوگ اگر جمعہ پڑھیں تو اس میں جاننے والا شریک ہو یا نہیں؟ فقط۔

از پرتاپور۔ بریلی محمد غوث خاں حامدی۔

الجواب

(۱) کسی کو بھی نہیں۔اشتہار میں جو احکام اعلیٰ حضرت کے فتاویٰ سے چھاپے ہیں وہ بربناے مذہب حنفی ہیں۔دوسرے فتوے میں جو تحریر ہے وہ بھی اس اشتہار میں ہے، وہ بھی اعلیٰ حضرت کا ارشاد ہے۔جہاں عوام پڑھتے آے ہیں وہاں انہیں اس سے روکنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو نہ روکا جاے۔صرف ظہر کے فرض پڑھنے کی تاکید کی جاے۔اور اگر ایسے لوگ سمجھ دار ہوں کہ وہ مذہب کا حکم سمجھ کر گردن رکھ دیں اور کسی قسم کا فتنہ نہ ہو تو وہاں انہیں اقامت جمعہ سے روکا جاے، کہ جہاں فرض نہیں وہاں پڑھنا خلاف مذہب ہے۔جو فرض نہیں اسے فرض سمجھنا خلاف مذہب ہے۔جو فرض ہے ظہر اس کا ترک اور جہاں ظہر فرض ہے وہاں جمعہ سے اس کا ذمہ سے اتر جانا سمجھنا خلاف مذہب ہے، ذکر تو ہے مگر مذہب حنفی کے خلاف اس کی اقامت ہے، اس کی اقامت سے وہاں فرض ظہر کی اضاعت ہے۔تو ذکر ہونا اور بعض ائمہ کے طور پر صحیح ہونا، اور بات ہے، اور اس کا اس جگہ جہاں ظہر فرض ہے بے جا ہونا اور بات ہے۔اعلیٰ حضرت قدس کے وہ فتاوے سب بحمدہ تعالیٰ درست ہیں اس لیے تصدیق کی گئی۔دوسرا فتویٰ اعلیٰ حضرت کے ان فتاویٰ

ھتے ہوں تو ان لوگوں کو منع نہ کیا جائے الخ۔ وہ بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ارشاد ہے۔ وہ اوپر کے احکام
، معارض نہیں۔ جہاں فتنہ عوام کا اندیشہ صحیح ہو وہاں منع نہ کیا جائے۔ فرض ظہر بھی پڑھنے کی تاکید کی
ے۔ دیہات میں جمعہ پڑھنا مذہب حنفی میں ہرگز جائز نہیں۔ مگر عوام پڑھتے ہیں، اور منع کرنے سے باز
ئیں گے، فتنہ برپا کریں گے، تو ان کو اتنا ہی کہنا ہوگا کہ بھائیو ظہر کے چار رکعت بھی پڑھو کہ تم پر ظہر ہی
ں ہے۔ جمعہ پڑھنے سے تمہارے ذمہ سے وہ ظہر ساقط نہ ہوئی۔ وہ فرض ظہر بھی جماعت ہی سے پڑھنے
لہا جائے کہ بے عذر ترک جماعت گناہ ہے۔

(۲) ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اعلیٰ حضرت کا رسالہ ''إعلام الأعلام بأن ھندوستان
الإسلام'' دیکھیں۔ زید کا کہنا غلط ہے۔ تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت کا یہی رسالہ دیکھیں۔

(۳) جاننے والا شریک نہ ہو اور بخوف فتنہ شرکت کرے تو ظاہر کردے کہ جمعہ یہاں پڑھنا
ف مذہب حنفی ہے، اس سے ظہر ذمہ سے ساقط نہیں ہوتی، چار فرض ظہر پڑھو، اور خود بھی پڑھے۔ واللّٰہ
ادي وهو تعالیٰ أعلم۔

(۹) خطبہ

خطبہ میں خطیب کو کلام ناجائز مگر مسئلہ بتانا جائز

(۴۵) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جمعہ کے دن خطیب نے خطبۂ اول کے درمیان اعلان کر کے کہا کہ یہ ایک شخص سنتیں پڑھ رہا ہے، اس کو منع کر دو کہ یہ سنتیں نہ پڑھیں۔ تو خطیب کو خطبہ کے درمیان بہت اعلان کر کے بات کرنا، اور بولنا جائز ہے یا ناجائز؟

از شہر بریلی محلہ گلاب نگر، مسئولہ جناب شاکر داد خان صاحب۔ ۱۳/ شعبان المعظم ۵۶ھ

الجواب

خطبہ میں خطیب کو کلام کرنا جائز نہیں مگر جو امر بالمعروف نہی عن المنکر ہو۔ خطبہ ہوتے سنتیں شروع کرنا جائز نہیں، اس کو روکنا خطبہ کی حالت میں جائز تھا۔

غنیّہ میں ہے:

"یکره للخطیب أن یتکلم حال الخطبة بکلام الدنیا کما في الأذان والإقامة بل أولیٰ."(۱)

دوران خطبہ خطیب کو دنیاوی گفتگو کرنا مکروہ ہے، جس طرح اذان واقامت کے دوران مکروہ ہے۔(مترجم)

عالمگیریہ میں ہے:

"یکره للخطیب أن یتکلم حال الخطبة إلا أن یکون أمراً بمعروف."(۲)

خطیب کو وقت خطبہ گفتگو کرنا مکروہ ہے، البتہ امر بالمعروف کی اجازت ہے۔(مترجم)

مگر اسے خود روکنا تھا، دوسروں کو حکم کرنا کہ تم روکو نہ تھا کہ انہیں خطبہ کے وقت سے پہلے ہی سے

---

(۱) [غنیة المستملی شرح منیة المصلی: ص۵۱۶]

ب امام خطبہ کے لیے چلے پوری توجہ کے ساتھ متوجہ ہو کر بیٹھنا چاہیے، اور ہر طرح کلام ممنوع ہے۔ وہ
سی کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کریں تو زبان سے نہیں کر سکتے۔ ہاں آنکھ یا سر یا ہاتھ کے اشارہ سے
سکتے ہیں۔

عالمگیریہ میں ہے:

"إذا خرج الإمام فلا صلاة و لا كلام، سواء كان كلام الناس أو التسبيح أو
ـميت العاطس أورد السلام(إلى أن قال)وإذا لم يتكلم بلسانه، ولكنه أشار بيده
برأسه أو بعينه نحو إن راى منكراً من انسان فنهاه بيده، أو أخبر بخبر فأشار
سه، الصحيح أنه لا باس به هكذا في المحيط." والله تعالیٰ أعلم"(۱)

جب امام خطبہ کے لیے نکل جائے تو اب نماز وکلام جائز نہیں، خواہ دنیاوی گفتگو ہو یا تسبیح ہو یا
ینکنے والے کی چھینک کا جواب ہو، یا پھر سلام کا جواب ہو، (سب ممنوع ہیں) یہاں تک کہ فرمایا، جب وہ
ن سے بات نہ کرے، بلکہ ہاتھ، سر یا آنکھ سے اشارہ کرے مثلاً اگر اس نے کسی انسان کو برائی میں مبتلا
یکھا، تو اسے ہاتھ سے روکا، یا پھر اس کو کوئی خبر دی گئی تو اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا، تو صحیح قول کے مطابق
ں میں حرج نہیں ہے، اسی طرح محیط میں ہے۔ (مترجم)

خطبہ کی حالت میں حضور کا نام سن کر مقتدی دل میں درود شریف پڑھے

(۴۰ **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

امام جس وقت جمعہ یا عید الفطر و عید الاضحیٰ کا خطبہ پڑھتا ہو، اور اس میں رسول اکرم سید عالم صلی
لہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم شریف آئے تو اس وقت خطبہ سننے والوں کو پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا
م شریف سن کر باآواز بلند صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہنا یا درود شریف کا پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اکثر علمی
لبوں میں آیہ کریمہ: ﴿ان اللہ وملئکتہ الخ﴾ پڑھی جاتی ہے، اور اس کو سن کر درود شریف کا پڑھنا
روری ہے، لہٰذا خطبہ میں سن کر سامعین کو اس وقت درود شریف کا پڑھنا باآواز بلند یا آہستہ درست ہے
ہیں؟ دیگر یہ کہ اکثر اردو نظم جس میں جمعہ کے فضائل لکھے ہوتے ہیں خطبہ ثانیہ کی تین یا چار لائنیں رہ جاتی

ہیں، تو پڑھا کرتے ہیں، اس کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ مہربانی فرما کر ان مسائل کا جواب باصواب کتب احادیث وائمہ کے اقوال کا ثبوت دے کر ارقام فرمائیں۔ دیگر جو مسائل سامعین خطبہ وقارئین خطبہ کے لیے از بس ضروری ہوں مہربانی فرما کر اس کا بھی جواب مرحمت فرمائیں۔ نذیر احمد لکھنوی۔

الجواب

بحالت خطبہ جب نام پاک حضور سید لولاک علیہ الصلاۃ والسلام سے خطیب تر زبان ہو سامع دل میں درود شریف پڑھے، سنت انصات ترک نہ کرے۔ (کہ واجب ہے)

عالمگیری میں ہے:

"إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام۔"(۱)

جب امام خطبہ کے لیے نکل پڑے تو اس کے بعد نماز اور گفتگو روا نہیں۔ (مترجم)

"وإذا صلى على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يصلي الناس عليه في أنفسهم امتثالا للأمر، والسنة الانصات، كذا في التتارخانية ناقلاً عن الحجة."(۲)

اور جب وہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھے تو لوگ اپنے دلوں میں درود شریف کا ورد کریں، حکم کی بجا آوری کے پیش نظر سنت سکوت ہے، اسی طرح تاتارخانیہ میں بروایت حجہ ہے اور دل میں درود پڑھنے سے مراد یہ کہ پورے خطبہ میں خاموش رہے۔ (مترجم)

طحطاوی میں ہے: "قوله في أنفسهم............الانصات بجميعها"

لکھتے ہیں:

قوله: والسنة الإنصات. هذا أحد أقوال:...............والمشهور الوجوب۔(۳)

سکوت سنت ہے یہ ان کا ایک قول ہے جب کہ مشہور وجوب ہے۔ (مترجم)

بآواز بلند کیسا زبان نہ ہلائے کہ انصات لازم ہے۔ آیہ کریمہ سن کر بھی ایسے وقت درود شریف دل میں پڑھے اس وقت زبان نہ ہلائے، جیسے نماز میں اگر امام اس آیہ کریمہ کی تلاوت کرے، خطبہ میں

---

(۱) [الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۸۵]

(۲) [الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الصلاة الفصل الخامس والعشرون في صلاة الجمعة: ۱/۵۴۴]

سوائے عربی اور زبان کا خلط کرنا خلاف سنت متوارثہ ہے۔''کما حققه بمالامزید علیه.'' فاضل لکھنوی مولوی عبدالحی صاحب نے بھی اپنے فتاویٰ میں غالبًا متعدد جگہ یہی تحقیق کی۔ان کا فتاویٰ مطبوعہ ہے جو چاہے دیکھ لے،اس وقت نقل عبارت کی مہلت نہیں۔خطبہ جمعہ قبل صلاۃ بعد زوال ہونا فرض ہے،اور اس میں ذکر اللہ ہونا بھی،وہ بھی بقصد خطبہ خطیب تنہا پڑھے،محض عورتوں کے سامنے نہیں،دو ایک مرد کا حضور ضرور ہے،ورنہ صحیح یہی ہے کہ جائز نہ ہوگا۔اس لیے سنن سے ہے کہ باطہارت ہو،بے طہارت نہ ہو کہ مکروہ ہے۔

نیز خطیب قیام کرے،دونوں خطبوں کے درمیان تین آیت کی مقدار بیٹھے،اس جلوس کا ترک ساءت ہے،خطبہ سے قبل منبر پر بیٹھے۔منبر پر جاتے ہی کھڑا نہ ہو،خطیب اہل امامت صلاۃ جمعہ ہو۔تعوذ ل میں قبل خطبہ،حمد الٰہی سے شروع کرنا،خطبہ میں ثنائے الٰہی ہونا،دونوں شہادتوں کا ہونا،حضور پر درود کا ونا،نصیحت،وعظ وتذکیر،تین آیات قصار یا ایک آیت طویل کے قدر تلاوت قرآن،دوسرے خطبہ میں حمد ثنا الٰہی کا اعادہ،نیز درود شریف دعا تمام مسلمان مرد وزن کے لیے،دونوں خطبوں کا بقدر طوال مفصل ونا۔تطویل مکروہ ہے۔اس کے آداب سے ہے کہ آواز بلند ہو،پہلے خطبہ سے دوسرے خطبہ میں آواز ہلکی و،خطبہ میں ذکر خلفاء راشدین وعمین کریمین مستحسن ہے۔بحال خطبہ خطیب سوا امر بالمعروف بکلام دنیا تکلم کرے،جو خطیب ہووے نماز پڑھائے،سامعین پر انصات لازم اسی وقت سے جب امام خطبہ کے لیے نبر کی طرف چلے قریب وبعید انصات میں برابر ہیں۔خطبہ میں ہر بات حرام ہے جو نماز میں حرام ہے۔خطیب کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھنا مستحب ہے،جو امام سے داہنے بائیں طرف ہو وہ بھی جانب امام ڑاف کرے،استماع خطبہ کے لیے تیار ہو کر بیٹھیں۔اول سے آخر تک خطبہ کا سننا سامعین پر فرض زم،امام سے قریب ہونا افضل مگر جب امام خطبہ شروع کردے،اس وقت آنے والا جہاں مسجد میں آئے، ہیں بیٹھ جائے،کہ اس وقت چلنا بحالت خطبہ نہ چاہیے،ناجائز عمل ہے،بحال خطبہ اسی طرح بیٹھے جیسے از میں،یہ مستحب ہے۔واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

تلاوت اور خطبہ کے وقت انگوٹھے نہ چومے

۴۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

فاتحہ میں جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک آتا ہے یعنی ''...

پر لوگ انگوٹھے چومتے ہیں، اس پر بعض لوگ منع کرتے ہیں کہ نہیں چومنا چاہیے کہ جائز نہیں ہے، اس لیے عرض ہے کہ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ تحریر فرمائیں۔ فقط والسلام

رئیس احمد خاں محلہ قانون گیان بریلی ۵ر ستمبر ۱۹۶۸

الجواب

آیت کریمہ میں سرکار علیہ السلام کا اسم مبارک سن کر انگوٹھا نہیں چومنا چاہیے کہ تلاوت قرآن کے وقت سکون اور سکوت چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد اعظم

الجواب صحیح: اس وقت دل میں درود پڑھے، تلاوت قرآن عظیم کے وقت اور خطبہ میں جب جب حضور کا نام پاک سنے دل میں درود شریف پڑھے، زبان سے نہ پڑھے، نہ انگوٹھے چومے۔

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَإِذَا قُرِءَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (۱)

جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ فقیر مصطفیٰ رضا غفرلہ

(۱۰) عیدین

عیدین کی نماز عیدگاہ یا کھلے میدان میں پڑھنا مسنون ہے

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جامع علوم شریعت وطریقت سید المفسرین زبدۃ العارفین حضرت مولانا مولوی مفتی قبلہ مصطفیٰ
خاں صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ۔ السلام علیکم۔

حضور والا مؤدبانہ درخواست ہے کہ مندرجہ ذیل اقوال کو پیش نظر رکھ کر استفتا ہذا کا جواب
، کیوں کہ یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر خدمت والا میں استفتا روانہ کرنا پڑا، اوران ہی وجوہات سے
ن میں بھی نماز کا انتظام کیا گیا۔

کیا فرماتے ہیں حضور والا اس مسئلہ میں کہ شہر بمبئی کے محلہ پریل تکیہ مسجد میں نماز عیدین ہونے
ا وجود محلہ کے مسلمان قرب وجوار کے مسلمانوں کی معیت میں ایک کھلی جگہ میدان میں مالک جگہ سے
ت لے کر نماز عیدین مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ادا کرتے ہیں:

(۱) شرعاً بمقابلہ محلّہ کی مسجد کے کھلی جگہ میں نماز عیدین افضل ہے۔

(۲) مسجد متذکرہ میں جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے مصلیوں کو عام گزرگاہ پر بیٹھ کر نماز عیدین ادا
ا پڑتی ہے۔ اور نماز ختم ہونے کے بعد مصلیوں کو پولیس اور عام گزرگاہ کا خیال کر کے فوراً اٹھ جانا پڑتا
جس کی وجہ سے گزرگاہ کے مصلی خطبہ سننے سے محروم رہ جاتے ہیں۔

(۳) محلہ اور اس کے اطراف کی تمام مسجدوں میں تقریباً ایک ہی وقت میں نماز عیدین ہوجاتی
س کی وجہ سے باقی ماندہ لوگوں کو نماز نہیں ملتی۔

(۴) پریل اور اس کے اطراف میں متذکرہ میدان کے سوا کوئی ایسی مسجد یا جگہ نہیں رہتی ہے
ا باقی ماندہ لوگ نماز عیدین ادا کرسکیں، صرف میدان مذکور میں قرب وجوار کی تمام مسجدوں میں نماز
ن ختم ہوجانے کے بعد نماز ہوتی ہے۔

(۵) محلّہ کی مسجد میں جگہ کی اتنی گنجائش نہیں جس میں تمام مسلمان طمانیت قلب اور اطمینان کے

دیکھتے ہوئے جواب دیجیے کہ مثل سابق میدان مذکور میں نماز عیدین ہوتی رہے، یا بند کردی جائے۔ اور مسجد میں ہوتے ہوئے میدان کی نماز جائز ہے یا نا جائز؟

از بمبئی پوئی باوڑی پریل۔ انجمن رفیق الاسلام مرسلہ ممبران انجمن مذکورہ معرفت جناب شیخ نظام الدین صاحب سکریٹری۔ ۶/ذی قعدہ ۵۲ھ

الجواب

وجوہ مذکورۂ سوال سب درست اور قابل لحاظ ہیں، اور کوئی وجہ نہ ہوتی جب بھی محلہ ہی کی مساجد نہیں بلکہ مسجد جامع سے بھی بہتر یہی ہے کہ نماز عید کے لیے باہر میدان میں نکلیں، اور جمع عظیم کے ساتھ نماز عید ادا کریں، مگر بوڑھے اور مریض نا طاقت لوگ۔ عامۂ مشائخ کے نزدیک یہی مسنون ہے۔ یہی تمام ترکتب معتبرہ فقہیہ میں مسطور ومزبور ہے۔

غنیۃ میں فرمایا:

"الخروج إلى المصلى وهي الجبانة سنة وإن كان يسعهم الجامع، وعليه عامة المشايخ."(۱)

عیدگاہ جانا سنت ہے اگرچہ لوگ جامع مسجد میں سما سکیں اور یہی عام مشائخ کا موقف ہے۔ (مترجم)

حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے مروی:

((كان رسول الله عليه الصلاة والسلام يخرج يوم الفطر والأضحىٰ إلى المصلى))(۲)

کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ جایا کرتے تھے۔ (مترجم)

شرح منیہ میں ہے:

"فإن ضعف القوم عن الخروج أمر الإمام من يصلي بهم في المسجد"(۳)

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص۵۲۹]

(۲) [صحيح البخاري، كتاب العيدين باب الخروج الى المصلى بغير منبر]

اگر تم عیدگاہ نہ جاسکو تو امام کسی شخص کو حکم دے جو لوگوں کو مسجد میں نماز پڑھائے۔ (مترجم)

اگرچہ مسجد جامع اس قدر وسیع ہو کہ تمام لوگ اس میں سما سکیں، جب بھی حکم ہے جیسا کہ عبارت
ئنہ سے مصرح ہے۔ عیدین کی نماز بدستور وہاں جاری رکھی جائے۔ واللہ تعالیٰ أعلم۔

مسجد چھوڑ کر عید کی نماز کے لیے میدان اختیار کرنا درست ہے

(۴۰) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک محلّہ میں باہمی مخالفت وذاتی مخاصمت کی بنا پر مسلمانوں میں دو جماعتیں ہوگئی ہیں، جدید
اعت محض مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی غرض سے نماز عید مسجد کو چھوڑ کر جہاں ہمیشہ عیدین کی
زیں ہوتی ہیں، اسی محلّہ کے میدان میں دوسری جماعت عید کی کرنا چاہتی ہے۔ ایسی جماعت کا شرعاً کیا
م ہے۔ از روئے شرع یہ فعل ان کا جائز ہے یا نہیں؟ بینو توجروا۔

از بمبئی لیگ مسلم ایسوسیشن پریل ۱۲، ہری بلڈنگ ایسٹ فلور روم، ۱۵، مرسلہ سکریٹری معرفت
لوی نذیر احمد صاحب خجندی۔ ۹ رذی قعدہ ۵۲ھ۔

الجواب

اس قضیہ سے متعلق ایک سوال انجمن رفیق الاسلام پوئی باوڑی بمبئی سے بھی آیا تھا جس کا جواب اسی
نہ میں بھیجا گیا ہے، اس استفتا کے ساتھ ایک خط بھی تھا جس میں اور خود استفتا میں اس کی معقول وجوہ لکھی
ہیں، اور ظاہر کیا تھا کہ ان وجوہ سے ایسا چاہا جاتا ہے۔ ہرگز اس سے مقصود مخالفت ومخاصمت نہیں۔ مسجد کے
ظمین لوگوں سے کہتے ہیں کہ میدان کی نماز افضلیت وسہولیت کی خاطر نہیں ہوتی، بلکہ باہمی مخالفت
صمت کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس کے جواب کے لیے ایک تو منتظمین نماز میدان کا حلف کرنا لکھا کہ میدان کے
ظمین حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ ہم نے میدان میں نماز عیدین کا انتظام باہمی مخالفت یا مخاصمت کی بنا پر نہیں
یا ہے، نیز یہ کہ آپس میں نفاق پیدا ہونے کے ڈر سے میدان کی نماز عیدین کے منتظمین نے مسجد کی نماز
ین کے منتظمین سے کہا: کہ اگر آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ میدان کی نماز عیدین کا انتظام ہم نہ کریں تو اسے
منظور کرتے ہیں، آپ ہی لوگ میدان کا بھی انتظام کیجیے۔ ہم لوگ ضمانت دیتے ہیں کہ کوئی شخص مخالف نہ
گا، اور اس سلسلہ میں جو خدمت بھی ہم سے لی جائے گی ہم اسے بخوشی منظور کریں گے۔ اس کا جواب دیا گیا
ہماری مرضی ہی نہیں ہے، اس لیے میدان کی جاری شدہ نماز عیدین بند ہی کردی جائے۔

وہ معقول وجوہ بیان کرتے ہیں، انہیں سن کر ماننا تھا، اور خواہ مخواہ بدگمانی نہ چاہیے تھی۔ پھر وہ حلف کرتے ہیں، جسے سن کر اگر بدگمانی کی کوئی وجہ بھی ہوتی تاہم یقین کرنا تھا۔ مزید برآں اس سے زائد اطمینان کی صورت ان کے پاس اور کیا تھی کہ انہوں نے کہہ دیا کہ آپ انتظام کریں، اور ہم سے جو خدمت لیں ہم اسے بجالائیں گے۔ اور ضمانت دیتے ہیں کہ ہم میں کا کوئی مخالفت نہ کرے گا۔ اس آخری ذریعۂ اطمینان کو پیش کرتے ہیں، مگر مسجد کے منتظمین تسلیم نہیں کرتے، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ اس سوال کا سرے سے منشا ہی غلط ہے۔ دوسرے فریق نے ہر طرح اطمینان دلایا کہ ہرگز وہ کسی مخالفت ومخاصمت کی بنا پر ایسا نہیں کرتا ہے، بلکہ ان معقول وجوہ کی بنا پر۔ مگر یہ فریق یہی کہے جاتا ہے کہ نہیں وہ تو محض مخالفت ومخاصمت ہی کی بنا پر تفریق کرتے ہیں، ایسے ہی زبردستی۔ پھر یہ کہ فرض کیجیے کہ اس فریق نے یہ سب کچھ بناوٹ کی، محض جھوٹ کہا، واقعی وہ مخالفت ومخاصمت ہی کے لیے میدان میں نماز کا انتظام کرتا ہے، تو اس سے وہ جماعت کیوں ناجائز ہوجائے گی، بری نیت کا الزام ان پر ہوگا۔ مگر جو اچھا کام وہ کررہے ہیں، وہ اچھا ہی رہے گا۔ اس میں ان کی اس بری نیت سے کوئی خرابی نہ آئے گی۔ علما کا تو یہاں تک ارشاد ہے کہ: ''الأصل لا يبطل بالعوارض.''

حضور سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"فإذا أحسن الناس فأحسن معهم، وإذا أساؤا فاجتنب إسائتهم."(۱)

جب لوگ کوئی اچھا کام کریں تو ان کے ساتھ اچھا کام کیا جائے اور جب کوئی برا کام کریں تو اس سے بچا جائے۔

عیدین کی نماز میدان میں افضل ہے، مسجد محلّہ ہی نہیں مسجد جامع سے بھی، اگرچہ مسجد جامع تمام لوگوں کو کافی ہو۔ تو جو لوگ اس سنت پر عمل کرتے ہیں، اگرچہ ان کی نیت کچھ بھی ہو تو ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ ان کی اس بدنیت سے سنت تو معاذ اللہ بری نہ ہوجائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مخاصمت کی وجہ سے نماز عید کے لیے بجائے مسجد میدان اختیار کرنا درست نہیں

(۵۰) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

قبلہ نما مولانا المحترم زید مجدکم العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہ۔

مسلم ایسوسی ایشن پریل کے استفتا پر جناب والا کا جواب میری نظر سے گذرا، میں اس کو جانتے
ے کہ رفیق الاسلام انجمن والوں نے اپنے استفتا میں غلط بیانیوں سے کام لیا، بالخصوص ان کا
رہ (۳) (۴) صراحۃً جھوٹ پر مبنی ہے، اس قصہ میں پڑنا نہیں چاہتا، صرف حضور والا سے شرعی نقطۂ نظر
ے بصورت ذیل دریافت کرنا چاہتا ہوں، کیا فقہائے کرام نے جبانہ وصحرا کے جو الفاظ استعمال فرمائے
ں اس سے ہر محلّہ کا کوئی خالی میدان جو آبادی میں ہو مراد ہے۔

(۲) کیا کسی بڑے شہر میں ہر محلّہ کے نمازیوں کو مسجدیں چھوڑ چھوڑ کر انہیں محلّہ کے میدانوں میں
ں تعداد کی صورت میں جو مسجدوں کے اندر موجود تھا، نماز عید ادا کرنے کا حکم ہے۔

(۳) تمام شہر کے لیے آبادی سے باہر مسجد کے طور پر بشرائط مخصوصہ مصلی عیدگاہ بنانے کا حکم
، اور اس کی افضلیت کتب احادیث وفقہ میں مرقوم، اور جبانہ وصحرا سے وہی مراد۔ نہ کہ مسجد سے قریب
ہ کہ میدان، جہاں اتفاقاً عمارت نہ بن سکی ہو۔ نماز عیدین کے متعلق واقعہ یہ ہے کہ بمبئی میں دس برس
ے میدانوں میں بھی مسجدوں کے علاوہ نماز ہوتی ہے، اور وہاں آج کل بیس پچیس ہزار نمازیوں کا اجتماع
تا ہے، اس مابہ النزاع میدان میں تو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو آدمی تھے، پریل کی مسجد کے ایک جانب
ں باغ کی وہ مسجد ہے جس کا میں امام ہوں، اور یہاں پریل پاوٹی باڑی کی مسجد سے پون گھنٹہ بعد
عت کھڑی ہوتی ہے، دوسری جانب دادر کی مسجد ہے وہ ہم سے بھی پندرہ منٹ بعد پڑھتے ہیں، لہٰذا ان
، استفتا کا فقرہ (۳) و (۴) صراحۃً کذب پر مبنی ہے۔

(۳) اگر بمبئی والے اسی طرح جداگانہ میدانوں میں نکل نکل کر اپنے اپنے محلوں ہی کی حدود
بعہ میں نمازیں ادا کرنا شروع کردیں تو کیا اجتماع امت، اور غیر مسلموں پر اخوت اسلام سے رعب قائم
نے کا وہ مفہوم ادا ہو جائے گا جو جبانہ وصحرا یا عیدگاہ کے الفاظ میں مخفی ہے۔

(۴) مذکورہ تینوں مسجدیں ہنود کی آبادی سے گھری ہوئی ہیں، اور بڑی سڑک کے کنارے پر
ں۔ عید کے دن سڑکوں کا بھر جانا، گلیوں تک نمازیوں کا پہونچ جانا، گاڑیوں کا رکا رہنا، اجتماع اسلامیان
شان رکھتا ہے، یہ ضمنی گلی کے کسی میدان میں کہاں ممکن ہے۔ فافہم وتدبر۔ خوب یاد آیا، غالباً
۱۲ھ/۱۹۰۲ء میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے شہر دمن محلہ کباڑی واڑی کی عیدگاہ کے متعلق حسب
ب مرحوم مولانا ہدایت رسول ایک زبردست فتویٰ ارقام فرمایا تھا، یہ قصہ اسی سے ملتا جلتا ہے۔ ذرا اس

محبّ محترم ذوالمجد والکرم زید مجدکم جواب تحریر فرماتے وقت امور مندرجہ ذیل ملحوظ خاطر رہیں، اور حتی الواسع جلد ارسال فرمایئے۔

(۱) بمبئی میں کوئی مستقل عیدگاہ نہیں ہے، اس لیے عیدین کی نماز مسجدوں ہی میں ادا کی جاتی ہے، گیارہ سال سے میدانوں میں نماز عیدین کا انتظام ہوتا ہے، جہاں بیس پچیس ہزار آدمی جمع ہو جاتے ہیں۔

(۲) جس محلہ میں یہ نماز عید الفطر پر ادا کی گئی وہاں صرف سو یا ڈیڑھ سو آدمی تھے۔

(۳) اگر محلّہ محلّہ یوں ہی اجازت دے دی گئی تو اجتماع واتحاد مسلمین کا مقصد کیوں کر پورا ہوگا۔

(۴) افتراق وتشتت کی صورت بہر نہج ظاہر تر ہے۔ مکرر آں کہ اس استفتا کے الفاظ پر پھر نظر ثانی فرمایئے، اور حسب سوال جدید جواب سے میرے پتہ پر عزت بخشیے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک محلّہ میں باہمی مخالفت وذاتی مخاصمت کی بنا پر مسلمانوں میں دو جماعتیں ہوگئی ہیں، جدید جماعت محض مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنے کی غرض سے نماز عید مسجد کو چھوڑ کر جہاں ہمیشہ عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں، اسی محلّہ کے میدان میں دوسری جماعت عید کرنی چاہتی ہے۔ ایسی جماعت کا شرعاً کیا حکم ہے، از روئے شرع یہ فعل ان کا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا، أجرکم علی اللہ تعالیٰ۔

از بمبئی مرسلہ ممبران مسلم ایسوسیشن پریل معرفت مولوی نذیر احمد صاحب جُندی،

۸/ذی الحجہ ۵۲ھ۔

الجواب

اگر فی الواقع ذاتی مخاصمت باہمی مخالفت کی بنا پر بعض لوگ تفریق جماعت کر رہے ہیں، تو وہ اس تفریق چاہنے کی ملزم ہیں۔ اور اگر انہوں نے جھوٹ بولا ہے تو وہ جھوٹ کے مرتکب، جرم وفریب دہی کے مجرم ہیں۔ مسجد والے اگر کسی طرح میدان میں نماز عید کو تیار نہ ہوں اور لوگ بھی اپنی اپنی مساجد ہی میں پڑھتے رہیں تو یہ مٹھی بھر آدمی خواہ مخواہ اپنی علاحدہ قائم کر کے تفریق کے ملزم کیوں بنیں۔ ایک مستحب کے لیے اپنے سر تفریق کا الزام نہ لیں، اور جماعت میں منافرت نہ کریں، جبانہ وصحرا ومصلی سے کوئی خاص عمارت عیدگاہ مراد نہیں، بلکہ بیرون شہر نماز کا میدان عام ازیں کہ وہاں کوئی عمارت بنام عیدگاہ بنالی گئی ہو، یا

[illegible] حضور سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلاۃ والسلام الاتمان

ہزار قدم کے فاصلہ پر:

"كما في الفتاوىٰ الرضوية عن المواهب والزرقاني عن فتح الباري عن
ـر بن أبي شيبة في أخبار المدينة عن أبي غسان الكناني صاحب مالك -رضى
تعالىٰ عنه"(۱)

سنن ابن ماجه وصحيح ابن حزيمة ومستخرج اسماعيل ميں هے:

((عن عبد الله بن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله
لىٰ عليه وسلم كان يغدو إلى المصلى في يوم عيد والعنزة تحمل بين يديه، فإذا
غ المصلي نصبت بين يديه فيصلي إليها، وذلك إن المصلى كان فضاء ليس فيه
ء يستتربه.))(۲)

جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں مواہب وزرقانی عن فتح الباری عن عمر بن ابی شیبہ فی اخبار المدینہ عن ابی
ن کنانی صاحب مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے مذکور ہے۔

سنن ابن ماجہ صحیح ابن حزیمہ اور مستخرج اسماعیل میں ہے، کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
روی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عید الفطر کے دن صبح کے وقت عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے
پ کے دستہاے مبارکہ میں نیزہ ہوتا تھا۔ پس آپ اسی کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے تھے، اور یہ اس
رتے تھے کہ عیدگاہ کھلا میدان تھا، جس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جو سترہ بنائی جاسکتی۔ (مترجم)

میدان کی نماز میں حکمت اظہار شعار اسلام وکثرت مسلمین ہے، شوکت اسلام کا اظہار تو جمع عظیم
ہی ہوگا، مگر اظہار شعار اسلام چند ہی لوگوں کے اجتماع سے ہو جائے گا، گھرے ہوے مکان کی نماز میں
ہار شعار اسلام اس درجہ ہوسکتا ہے، نہ اظہار شوکت اسلام، یہ حکمت صحرا کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ شہر
اگر وسیع میدان ہو جہاں بکثرت مسلمان جمع ہوسکیں، وہاں بھی حاصل، تو جس طرح میدان بحیثیت
ن نماز عید کے لیے ملحوظ نہیں کہ مساجد بحیثیت مساجد اور نمازوں سے بہتر، اور میدان بحیثیت میدان
یدین کے لیے، بلکہ اسی حکمت کی بناپر میدان ملحوظ ہے۔ یوں ہی صحرا بحیثیت صحرا ملحوظ نہ ہوگا، بلکہ وہ
، جہاں اقامت صلاۃ عیدین میں وہ حکمت بن سکے، اور شک نہیں شہر سے باہر صحرا میں اظہار شعار

[فتاوی رضویه.۳/۷۹۸]

اسلام کے لیے اور شوکت اسلام کے لیے مجمع عظیم اہل اسلام کیا جائے، یہ یوں ہی ہے کہ شہروں میں اس قدر عظیم ترین میدان نہیں ہوتے، اور اگر کہیں وسط شہر میں بڑا میدان ہو تو شہر کے اندر اظہار کہیں زائد اور مقصود شرع کے بہت ہی موافق ہوگا۔ بمبئی ایک عظیم شہر ہے جس کے تین طرف سمندر ہے، ان اطراف میں تو اس مقصد کو لے کر گذر نہیں رہی، چوتھی طرف تو میلوں کوسوں فاصلہ پر شہر کے باہر اجتماع نہایت گراں ہوگا۔ لہذا بروجہ کافی اجتماع نہ ہوگا، تو اگر شہر کے اندر ہی کسی فضا میں جہاں عظیم اجتماع ہو سکے پڑھیں، تو مساجد میں پڑھنے سے یقیناً یہ بہتر ہوگا، کہ حکمت اظہار شعار اسلام وشوکت وکثرت اسلام اس میں صحرا کی طرح حاصل ہوگی۔

اور اگر فنائے بمبئی میں اسٹیشنوں، ریلوے لائنوں، انگریزی کیمپوں، فوجی بارکوں کی بنا پر میدانوں میں جمع عظیم کی گنجائش ہی نہ ہو، یا گورنمنٹ سے اجازت نہ ہو تو فنا سے دور اگر اہل اسلام جمع بھی ہوں، اور نماز عید پڑھیں تو اگر چہ اظہار شعار اسلام ہوا، اگر چہ اس جمع عظیم سے شوکت اسلام وکثرت مسلمین کا اظہار ہوا، مگر بظاہر یہ ایسا ہی ہے جیسے مساجد میں پڑھ لیتے، بلکہ اس سے بھی کم کہ شہر کی مساجد میں مسلمانوں کا اجتماع کسی نہ کسی طرح کفار کی نظر میں آتا ہی ہے، بخلاف اس کے کہ شہر سے منزلوں نہیں، تو کوسوں دور جنگل بیابان میں، اس اظہار سے وہ حکمت یقیناً حاصل نہیں ہوسکتی، اور ہوئی بھی تو فنائے شہر سے باہر جواز ہی نہ رہا، وہاں نماز عید کا کیا ذکر کہ اس کے لیے شہر یا فنا شرط ہے، خارج فنائے شہر نماز عید ناجائز۔ صحرا و جبانہ سے جنگل بیابان شہر سے جدا ہرگز مراد شرع نہیں، بلکہ یقیناً شہر ہی کے متصل جو میدان ہو مراد ہے۔ ہم بتا چکے کہ نفس صحرا بھی مراد شرع نہیں، بلکہ وہ مقام مراد ہے جہاں اقامت صلاۃ عیدین بجمع عظیم ہو، اور وہ حکمت حاصل ہو۔

لہذا خواہ وہ میدان ہو جو متصل شہر مصالح شہر کے لیے ہوتا ہے، جسے فنائے مصر کہتے ہیں۔ خواہ وہ جو شہر کے اندر اتنا وسیع ہو کہ اہل اسلام اس میں جمع ہو سکیں، دونوں میں نماز عید مساجد میں علاحدہ علاحدہ متفرق پڑھنے سے بہتر ہوگی، اور دونوں سے یکساں مقصود شرع حاصل ہوگا، تو میدان شہر میں نکل کر نماز پڑھنا ادائے سنت واظہار شعار وشوکت واراءت کثرت ہے، اگر وہاں کے مسلمان اسے نہیں سمجھتے، اور مساجد ہی میں تنہا پڑھنا چاہتے ہیں تو مٹھی بھر لوگ بھی انہیں کا ساتھ دیں کہ منافرت نہ ہو۔

"فإن درء المفاسد أهم من جلب المصالح"(۱)

اس لیے کہ مفاسد کو مٹانا، منافع حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے۔(مترجم)

بلکہ یہ لوگ جو پریل کے میدان میں علاحدہ نماز عید پڑھنا چاہتے ہیں، اس میدان کی نماز میں وں نہ شرکت کریں، جسے سوال میں لکھا ہے کہ پچیس تیس ہزار کے مجمع کے ساتھ دس گیارہ سال سے ہوتی ،۔ ہاں اگر وہاں اب اور زائد کی گنجائش نہ ہو تو مجبوری ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا وہ فتویٰ مجھے تلاش پر بھی دستیاب نہ ہوا کہ میں اسے دیکھوں، اگر حضرت فتویٰ میرے خلاف ہوگا، اور اس سے مجھے اپنا خطا پر ہونا ظاہر ہوگا، میں اپنی غلطی کا اعتراف کرلوں ۔ واللّٰہ تعالیٰ ہو الموفق لاتباع الحق والصواب وہو تعالیٰ أعلم۔

(۱۱) تراویح

تراویح میں دو رکعت پر سلام نہ پھیر کر چار پر پھیرا تو نماز ہوگئی

۵) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

امام نے تراویح کی نماز دو رکعت کی نیت کی دو رکعت پڑھنے کے بعد قعدہ بھول کر کھڑا ہوگیا، پھر ِکعت پڑھ کے سجدہ سہو کیا، اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ از مولانا نور الحق صاحب

الجواب

ہوگئی، اس میں سجدہ سہو کی کچھ ضرورت نہیں، اگر پہلی دو رکعت میں قعدہ کرلیا ہو تو چاروں دو تسمیہ ے ہوگئیں، اور اگر قعدہ نہ کیا ہو تو ایک تسمیہ سے چاروں ہوگئیں، نزد شیخین کریمین یہی مختار ہے، اس کو امام ہ ابو جعفر نے اختیار فرمایا۔ نیز امام ابوبکر محمد بن الفضل نے بھی یہی اختیار کیا۔ اسی کو امام فقیہ النفس قاضی ں نے صحیح فرمایا۔

غنیۃ میں ہے:

"إن صلى أربع ركعات بتسليمة واحدة والحال أنه لم يقعد على ركعتين منها ر التشهد تجزى الأربع عن تسليمة واحدة: أي : عن ركعتين عند أبي حنيفة وأبي سف وهو المختار اختاره الفقية أبو جعفر وأبوبكر محمد بن الفضل، قال قاضي

تعالیٰ أعلم.(۱)

اگر ایک سلام سے چار رکعت پڑھی، اس طور پر کے دو رکعت پر تشہد کی مقدار نہ بیٹھا تو چاروں رکعتیں ایک ہی سلام سے ہو جائیں گی، یعنی دو رکعتوں سے شیخین کے نزدیک یہی مختار مذہب ہے، اس کو فقیہ ابو جعفر اور ابو بکر محمد بن فضل نے اختیار کیا ہے، قاضی خاں نے فرمایا یہی صحیح ہے، نیز انہوں نے کہا کہ اگر دو رکعتوں کے شروع میں بیٹھا تو دو سلاموں سے نماز جائز ہو جائے گی۔ (مترجم)

قنوت نازلہ قبل رکوع پڑھی جائے گی

مسئلہ: (۵۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) قنوت نازلہ کو قبل رکوع پڑھنا بہار شریعت میں ظاہر قرار دیا ہے، اور اس پر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق بھی ہے۔ علامہ شامی نے بعد رکوع پڑھنا اظہر فرمایا، اور اس کی دلیل بھی پیش فرمائی۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے حاشیہ میں اس دلیل کا کیا جواب تحریر فرمایا ہے، اور اگر حاشیہ میں کوئی دلیل تحریر نہ فرمائی تو علامہ شامی کی تحقیق کیوں ترک فرمائی۔

(۲) تسبیح رکوع کے متعلق احادیث میں جب کہ امر وارد ہے جو بدوں قرینہ صارفہ کے وجوب پر دلالت کرتا ہے، حنفیہ نے تسبیح رکوع کو مسنون قرار دیا ہے۔ کیا کوئی قرینۂ صارفہ عن الوجوب موجود ہے؟۔ اگر نہیں تو واجب کیوں نہیں قرار دیتے، اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مقام پر حاشیہ شامی میں کیا تحقیق فرمائی ہے۔

از میرٹھ مرسلہ جناب مولوی غلام جیلانی صاحب مدرس مدرسہ اسلامی عربی۔ ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۵۸ھ

الجواب

(۱) اعلیٰ حضرت نے قول شامي: **والأظهر ما قلناه** پر جد الممتار میں جو فرمایا یہ ہے، اس میں دلیل بھی ہے:

"أقول: بل الأحق بالقبول ما قاله السيد الحموي لما في الفتح: ولما ترجح

ك خرج ما بعد الركوع عن كونه محلا للقنوت اه.وقال:أيضاً وهذا، يحقق
روج القومة عن المحلية بالكلية إلا إذا اقتدیٰ بمن يقنت في الوتر بعد الركوع،
ه يتابعه اتفاقاً .اه"(۱)

میں کہتا ہوں کہ سید حموی کا قول قبولیت کا زیادہ مستحق ہے جیسا کہ فتح میں ہے، جب اس کو ترجیح
مل ہوگئی تو اب مابعد رکوع محل قنوت نہ رہا، اور یہ بھی فرمایا کہ اس قومہ کا محل ہونا بالکل ختم ہوگیا، سوائے
ں صورت کے کہ جب کوئی ایسے شخص کی اقتدا کرے جو وتر میں رکوع کے بعد قنوت پڑھتا ہو، تو اس
رت میں مقتدی پر امام کی پیروی بالاتفاق لازم ہوگی۔(مترجم)

(۲) علامہ شامی نے اس کے متعلق ایک جگہ یہ لکھا:

"الحاصل أن في تثليث التسبيح في الركوع والسجود ثلاثة
وال:عندنا،أرجحها من حيث الدليل الوجوب تخريجاً على القواعد المذهبية
نبغي اعتماده كما اعتمد ابن الهمام ومن تبعه رواية وجوب القومة والجلسة
لطمائينة فيهما كمامر."(۲)

رکوع وسجود میں تین تین بار تسبیح کہنے میں ہمارے نزدیک تین قول ہیں، دلیل کے اعتبار سے راجح
وب ہے قواعد مذہب کی رعایت کرتے ہوئے۔ لہٰذا ابن ہمام اور ان کے متبعین کی طرح اسی پر اعتماد
اسب ہے جیسا کہ رکوع وسجود میں قومہ، جلسہ اور اطمینان وسکون کے واجب ہونے کی روایت موجود ہے
(مترجم)

(اس قول: كما اعتمد الخ" پر حضرت نے جدالممتار میں تحریر فرمایا:

"أقول: ابن الهمام من أصحاب الترجيح بتصريح العلماء ولا كذلك
لميذه المحقق ابن أمير الحاج، أما الحلبي صاحب الغنية فمقطوع أنه ليس
هم۔"(۳)

() [حاشية جد الممتار على رد المحتار:۱/۳۲٤]

() [ردالمحتار۔كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب في قراء ة البسملة بين
اتحة والسورة حسن:۲/۱۷٤]

() [جدالممتار۔كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة،مطلب في قراء ة البسملة بين

”وأما من حيث الرواية فالأرجح السنية؛ لأنها المصرح بها في مشاهير الكتب، وصرحوا بأنه يكره أن ينقص عن الثلاث وإن الزيادة مستحبة بعد أن يختتم علىٰ وتر خمس أو سبع أو تسع مالم يكن إماماً فلا يطول ـ وقدمنا في سنن الصلاة عن أصول أبي اليسر أن حكم السنة أن يندب إلىٰ تحصيلها ويلام على تركها مع حصول إثم يسير، وهذا يفيد أن كراهة تركها فوق التنزيه وتحت المكروه تحريماً وبهذا يضعف قول البحر إن الكراهة هنا للتنزيه؛ لأنه مستحب وإن تبعه الشارح وغيره فتدبر“(١)

میں کہتا ہوں کہ بتصریح علما ابن ہمام اصحاب ترجیح میں سے ہیں، اور ان کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج اصحاب ترجیح میں داخل نہیں، اور صاحب غنیۃ علامہ حلبی تو قطعی طور پر اصحاب ترجیح کی فہرست سے خارج ہیں، البتہ روایت کے اعتبار سے (تثلیث تسبیح) راجح ہے، اس لیے کہ مشہور کتب میں اس کی صراحت موجود ہے نیز فقہا نے صراحتاً ذکر کیا ہے کہ تین سے کم مکروہ ہے اور زیادتی مستحب ہے جب کہ وتر طاق یعنی پانچ، سات، یا نو پر ختم کرے جب کہ امام نہ ہو، لہٰذا امام ہونے کی صورت میں دراز نہ کرے، اور ابو یسر کے اصول کے حوالہ سے ہم نے سنن صلاۃ میں ذکر کر دیا کہ سنت کا حکم یہ ہے کہ اس کی تحصیل مندوب اور ترک لائق ملامت نیز ترک کی صورت میں ہلکا گناہ بھی ہے، اور یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ ترک تثلیث تنزیہ سے بڑھ کر اور کراہت تحریمی سے کم تر ہے اور اسی سے قول بحر کا ضعف ثابت ہوتا ہے کہ کراہت یہاں تنزیہی ہے، اس لیے کہ یہ مستحب ہے، اگر چہ شارح وغیرہ نے ان کی اتباع کی ہے۔ (مترجم)

حضرت قدس سرہ الشامی کے قول: ”فالأرجح السنية.“ پر تحریر فرماتے ہیں:

”سيأتي أنه المعتمد المشهور في المذهب ـ أقول: ونص في الخانية أنه لو رفع الإمام رأسه من الركوع أو السجود قبل أن يسبح المقتدي ثلاثا الصحيح أنه يتابع الإمام انتهىٰ.

(١) فهذا (عه) كماترى (٢) (عـه) تصحيح لعدم الوجوب، وقد نصوا: أن

(١) [ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، مطلب قراءة البسملة بين الفاتحة

اضی خان فقيه النفس لا يعدل عن تصحيحه مع أن القول بالوجوب لا يعلم عمن
ندم العلامة محمد الحلبي و كتب المذهب متوناً وشروحاً وفتاوىٰ طافحة
صريح السنية، وعليها تدل الفروع فعليه فليكن التعويل، وسيأتي مسئلة تؤيده
ں:۷۵۰ وسيقول المحشي في الصفحة القابلة إنه سنة على المعتمد المشهور في
مذهب لا فرض ولا واجب،فقد أفاد اعتماده مع اشتهاره خلاف ما هنا.۱۲"(۱)

عن قریب آرہا ہے کہ یہ معتمد ومشہور مذہب ہے، میں کہتا ہوں کہ خانیہ میں صراحت ہے کہ امام
نے رکوع یا سجود سے مقتدی کے تین بار تسبیح کہنے سے پہلے سر اٹھالیا تو صحیح قول یہ ہے کہ وہ امام کی اتباع
کرے،اور یہ جیسا کہ ظاہر ہے عدم وجوب کی تصحیح ہے اور علما نے وضاحت کردی ہے کہ فقیہ النفس قاضی
ان بھی اسی کو صحیح قرار دیتے ہیں، جب کہ وجوب کا قول علامہ حلبی سے پہلے کسی نے نہ کیا، مذہب کی
کتابوں کے متون وشروح اور فتاویٰ،سنیت کی تصریح سے بھرے ہوئے ہیں، اور اسی پر تفریعات دلالت
کررہی ہیں، لہٰذا یہی قول معتمد ہے۔عن قریب اس کی تائید میں ایک مسئلہ آئے گا، اور محشی آئندہ صفحہ میں
کہے گا کہ مذہب کے مشہور ومعتمد قول کے مطابق یہ سنت ہے نا کہ فرض وواجب، لہٰذا ان کا معتمد ومشہور قول
یہاں کے خلاف کا فائدہ دے رہا ہے۔(مترجم)

علامہ شامی نے دوسرے صفحہ پر یہ فرمایا: جس کا حوالہ حضرت نے بھی دیا:

"يسبح فيه ثلاثا فإنه سنة على المعتمد المشهور في المذهب لا فرض ولا
اجب كما مر فلا يترك المتابعة الواجبة لأجلها"(۲)

رکوع وسجود میں تین تسبیحیں کہے گا اس لیے کہ یہ مذہب کے معتمد ومشہور قول کے مطابق سنت ہے،
رض وواجب نہیں جیسا کہ بیان ہو چکا، لہٰذا اس متابعت واجب کو ترک نہ کیا جائے گا۔(مترجم)

---

(۱) [جد الممتار على رد المحتار، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة،مطلب قراءة
لبسملة بين الفاتحة والسورة حسن:۲/۱۳۹،۱٤۰]

(۱ عه) ومثله صح في الخلاصة والفتح وغيرهما۔۱۲منه

(۲ عه) نص في رد المحتار أن تصحيح ما يبتني علىٰ قول تصحيح لذلك القول۔۱۲منه

(۲) [رد المحتار، كتاب الصلاة باب صفة الصلاة،مطلب في اطالة الركوع

نیز شامی نے ص:۷۵۰ پر فرمایا:

"قال في القنية : لو خاف أنه لو صلى سنة الفجر بوجهها تفوته الجماعة ولو اقتصر فيها بالفاتحة وتسبيحة في الركوع والسجود يدركها فله أن يقتصر عليها ؛ لأن ترك السنة جائز لادراك الجماعة فسنة السنة أولىٰ."(۱)

قنیہ میں فرمایا کہ اگر خوف ہو کہ اگر اس نے فجر کی سنتیں کامل طریقہ سے پڑھیں تو جماعت چھوٹ جائے گی اور اگر اس نے سنتوں میں سورہ فاتحہ اور رکوع وسجود میں ایک ایک تسبیح پر اکتفا کیا تو جماعت مل جائے گی تو اسے اس کا اختیار ہے۔ اس لیے کہ سنت کا جماعت کے پانے کے لیے ترک جائز ہے تو ترک سنت کی سنت کا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ (مترجم)

رہا یہ کہ اس تسبیح کے متعلق احادیث میں صیغہ امر وارد ہے، تو قرینہ صارفہ کیا ہے، ابن امیر الحاج حلبی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے بحث میں بھی فرمایا تھا کہ: صیغہ امر اور اس پر مواظبت وجوب ہی بتاتے ہیں۔ علامہ صاحب بحر نے بحر الرائق میں اس کا یہی جواب دیا کہ حضور۔علیہ الصلاۃ والسلام۔ نے اعرابی کو جب تعلیم فرمائی تو اس میں اسے ذکر نہ فرمایا۔ یہ تعلیم نہ فرمانا وقت تعلیم اعرابی وجوب سے صارف ہے۔

علامہ ابراہیم الحلبی نے غنیۃ میں بحث علامہ ابن امیر الحاج حلبی سے موافقت فرمائی۔ (اگرچہ غنیۃ ہی میں دوسری جگہ پر سنت ہی کا قول کیا) اور صاحب بحر کے جواب پر یہ فرمایا:

"لقائل أن يقول: إنما يلزم ذلك أن لو لم يكن في الصلاة واجب خارج عما علمه الأعرابي وليس كذلك، بل تعيين الفاتحة وضم السورة وثلاث آيات ليس مما علمه الأعرابي، بل ثبت بدليل آخر، فلم لا يجوز أن يكن هذا كذلك."(۲)

بات یوں نہیں ہے بلکہ فاتحہ کی تعیین سورت اور تین آیات ملانا بھی وہ امر ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعرابی کو تعلیم نہ فرمائے بلکہ ان کا ثبوت دوسری دلیل سے ہے، تو کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہ بھی ایسا ہی ہو۔ (مترجم)

کفایہ میں فرمایا:

"قوله:ذلك أدناه هذا من تتمة الحديث ثم بين المصنف رحمه الله تعالىٰ أن

---

(۱) [رد المحتار على الدر المختار : باب ادراك الفريضة، ۲/۵۷]

(۲) [illegible]

مراد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم من قوله: أدناه أي : أدنیٰ كمال الجمع، وأدنیٰ كمال السنة، لا أن يكون المراد أدنیٰ ما يجوز به الصلاة، أو يقام به الواجب ؛ لأنه لا يمكن إثبات فرضية التسبيح بهذا الخبر؛ لأنه لا تجوز الزيادة علی الكتاب بخبر الواحد، ولا إثبات الوجوب أيضاً ؛ لأنه عليه الصلاة والسلام لم يعلم ذلك الأعرابي حين علمه الفرائض والواجبات، ولو كان القول به ثلث مرات من الواجبات لعلّمه.وفي مبسوط شيخ الإسلام رحمه اللّٰه تعالیٰ فإن سبح مرة واحدة روي عن محمد رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه قال:يكره ذلك، وقال أبو مطيع البلخي: تلميذ أبي حنيفة -رحمه اللّٰه تعالیٰ- لو نقص من ثلث في تسبيحات الركوع والسجود لم تجز صلاته، وذهب في ذلك إلیٰ أنه ركن مشروع فكان نظير القيام لوجب أن يحله ذكر مفروض قياساً علی القيام."(١)

اورسرکارکافرمان''أدناہ'' حدیث کا تکملہ وتتمہ ہے پھر مصنفوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول''أدناہ'' کی مراد واضح فرمائی،یعنی یہ کمال جمع کا ادنی درجہ ہے، یا کمال سنت کا ادنیٰ درجہ ہے، یہ مطلب نہیں کہ جواز نماز کا ادنیٰ درجہ ہے یا واجب کی ادائیگی کا، اس لیے کہ تسبیح کی فرضیت اس خبر سے ثابت نہیں ہوسکتی، کیوں کہ خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں ہے، اور نا ہی اس سے وجوب ثابت ہوگا، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ چیز اعرابی کو نہ سکھائی جب آپ نے اسے فرائض و واجبات کی تعلیم فرمائی، اگر اس کا تین بار کہنا واجب ہوتا تو آپ اسے یہ ضرور سکھاتے۔ اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے: اگر نمازی نے ایک دفعہ تسبیح کہی تو امام محمد سے مروی ہے کہ یہ مکروہ ہے، اور ابو مطیع بلخی امام اعظم کے شاگرد فرماتے ہیں: اگر اس نے رکوع وسجود کی تسبیحیں تین سے کم دفعہ کہیں تو نماز جائز نہ ہوگی، اور ان کا اس سلسلے میں موقف یہ ہے کہ یہ رکن مشروع ہے تو قیام کی طرح ہوگا، لہذا یہ قیام پر قیاس کرتے ہوئے فرض ہوگا۔(مترجم)

غنیۃ میں ہے:

"ذكر في الشرح - أي : شرح الاسبيجابي أنه (إن لم يقل ثلث تسبيحات أولم يمكث مقدار ذلك لا يجوز ركوعه)وهذا قول شاذ كقول أبي مطيع البلخي: تلميذ

---

(١) الكفاية شرح الهداية:١/٢٦٠

أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ۔ بفرضية التسبيحات الثلث في الركوع والسجود حتى لو نقص واحدة لا يجوز ركوعه ولا سجوده؛ لأن كلا منهما ركن مشروع، فوجب أن يجعله ذكر مفروض كالقيام ـــ قلنا: يلزم الزيادة علىٰ قوله تعالىٰ:﴿اركعوا واسجدوا﴾بالقياس وهو لا يجوز۔" وكذا ما رواه أبوداؤد والترمذي عن عقبة بن عامر قال: لما نزلت: ﴿فسبح باسم ربك العظيم﴾

تو اے محبوب تم اپنے عظمت والے رب کی پاکی بولو۔

قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: اجعلوها في ركوعكم، ولما نزلت: ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأعلىٰ﴾(۱)

اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔

قال:اجعلوها في سجودكم، لا يجوز الزيادة به على الكتاب وإن كان أمراً؛ لكونه خبراً واحداً، لكن بقي أن يقال: ينبغي أن يفيد الوجوب كما في نظائره ولم تقولوا به بل بالسنية، فأجاب عنه في المستصفى بأنه دل الدليل على عدم الوجوب أيضاً ؛لأنه عليه الصلاة والسلام لما علم الأعرابي الصلاة لم يذكر له في الركوع والسجود شيئاً، ولقائل،(إلى قوله) كذلك(وكذلك)(ركنية السجود)متعلقة بأدنىٰ مايطلق عليه اسم السجود وهو وضع الجبهة على الأرض، والكلام فيه كالكلام في الركوع (وذكر في زاد الفقهاء)وغيره أيضاً(إن أدنىٰ تسبيحات الركوع والسجود الثلث)إن الأوسط خمس مرات، والأكمل سبع مرات لما خرج ابو داؤد والترمذي وابن ماجة من حديث ابن مسعود عنه ـ عليه الصلاة والسلام ـإنه قال:إذا ركع أحدكم فليقل ثلث مرات: سبحان ربي العظيم،وذلك أدناه، وإذا سجد فليقل سبحان ربي الأعلىٰ ثلث مرات .وذلك أدناه، والمراد أدنىٰ ما يتم به تحقق السنة، فلذا روي عن محمد كراهة النقص عن الثلث، ثم إذا كان الثلث أدنىٰ وقد استحبوا الإيتار."(۲)

شرح اسبیجابی میں مذکور ہے کہ اگر تین بار تسبیح نہ پڑھے یا پھر اس کی مقدار نہ ٹھہرے تو رکوع نہ

(۱) [سورۂ اعلیٰ:۱]

، یہ قول بھی ابو مطیع بلخی، تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی طرح شاذ ہے، جو کہ رکوع میں تین تسبیحوں کی فرضیت کے قائل ہیں، یہاں تک کہ ایک بار بھی کم کردی تو رکوع وسجود نہ ہوں گے، لیے کہ ان میں سے ہر ایک رکن مشروع ہے۔ لہٰذا قیام کی طرح ان کا ذکر بھی فرض ہے، ہم کہتے ہیں نیاس کی رو سے یہ کلام اللہ "وارکعوا وسجدوا" پر زیادتی ہے، اور کلام الٰہی پر زیادتی ناجائز ہے، طرح ابو داؤد وترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جو روایت عقبہ بن عامر کے حوالہ سے پیش کی ہے کہ وہ تے ہیں: کہ جب "فسبح باسم ربک العظیم" آیت نازل ہوئی تو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے فرمایا کہ اسے رکوع میں پڑھا کرو، اور جب آیت "سبح إسم رب الأعلی" کا نزول ہوا تو صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو سجدہ میں پڑھا کرو، اس سے بھی کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں یہ امر ہے، اس لیے کہ خبر واحد ہے، لیکن اب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس سے افادہ وجوب مناسب ہے ا کہ اس کے نظائر میں ہوتا ہے، حالاں کہ تم لوگ وجوب کے قائل نہیں ہو بلکہ سنیت کا قول کرتے ہو، تو کا جواب یہ ہے کہ عدم وجوب کی دلیل موجود ہے، اس لیے کہ جب سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ نے اعرابی کو نماز کی تعلیم فرمائی تو رکوع اور سجود کسی شی کا تذکرہ نہ فرمایا، اور قائل کو یہ کہنے کا حق حاصل لہ رکنیت سجود اسم سجود کے ادنیٰ درجہ سے متعلق ہے اور سجدہ نام ہے پیشانی زمین پر رکھ دینے کا، اور سجدہ بھی وہ کلام ہے جو رکوع میں ہوا، زاد الفقہا وغیرہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ رکوع وسجود کی اقل تسبیح تین بار جب کہ متوسط درجہ پانچ بار پڑھنا ہے اور کامل درجہ سات بار ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ اللہ تعالیٰ عنہم کی ابن مسعود کے حوالہ سے تخریج کردہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمایا: جب تم میں سے کوئی رکوع میں جائے تو تین بار سبحان ربی العظیم کہے، اور یہ ادنیٰ درجہ ہے، اسی ح جب سجدے میں جائے تو تین بار سبحان ربی الاعلیٰ کہے، یہ بھی اقل درجہ ہے اور ادنیٰ سے مراد یہ ہے نت کا تحقق ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین سے کم کو مکروہ کہتے ہیں، پھر جب بار کہنا اقل درجہ ہے اور فقہا نے طاق کو مستحب قرار دیا ہے۔ (مترجم)

دوسری جگہ فرمایا:

"(ویقول في رکوعه سبحان ربي العظیم ثلثا وذلك أدناه)(إن زاد)علی ـث(فهو)أي: الفعل الذي هو الزيادة(أفضل)من ترکه لقوله: علیه الصلاة ـلام ـ وذلك أدناه: أي: أدنیٰ کمال سنة التسبیح، ولا شك أن الزيادة علی ـیٰ أفضل ولکن إذا زاد فالسنة(إنه یختم علی وتر)؛لأن اللّٰه وتر یحب الوتر(و ان

اقتصر)في التسبيح(على مرة)واحدة(أو ترك)التسبيح(بالكلية جازت صلاته)لعدم ركنية (ولكن يكره)ذلك وهو الترك والاقتصار على مرة وكذا الاقتصار على مرتين للاخلال بالسنة(وروي عن أبي مطيع البلخي أن تسبيح الركوع والسجود ركن لو تركه لا تجوز صلاته)وقد تقدم الكلام عليه في الفريضة الرابعة."(۱)

اور رکوع میں تین بار تسبیح کہے یہ ادنیٰ درجہ ہے اور اگر تین پر زیادتی کرے تو بہتر ہے، اس لیے کہ سرکار فرماتے ہیں: کہ یہ کمال سنت تسبیح کا کم تر درجہ ہے اور بلاشبہ ادنیٰ پر زیادتی افضل ہے، لیکن زیادتی کی صورت میں سنت ہے کہ تسبیح کا اختتام (طاق) وتر پر ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہے لہذا وہ طاق کو پسند فرماتا ہے، اور اگر تسبیح صرف ایک بار کہی یا پھر کلیۃً ترک کردی تو بھی نماز ہو جائے گی کیوں کہ تسبیح رکن صلاۃ نہیں، البتہ ترک تسبیح یا پھر ایک یا دو بار پر اکتفا کرنا مکروہ ہے سنت میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے، ابو مطیع بلخی سے مروی ہے کہ رکوع وسجود کی تسبیح رکن نماز ہیں، لہذا اگر ان کو ترک کردیا تو نماز نہ ہوگی، اس پر فریضہ رابعہ میں گفتگو ہو چکی۔ (مترجم)

(۱۲) نوافل

سورج گہن کی نماز سنت ہے

(۵۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

سورج یا چاند میں گرہن جب لگتے ہیں، تو نماز پڑھنے کے لیے کیا حکم ہے، یعنی سورج یا چاند گرہن کی نماز کی نیت اور گرہن کے شروع ہونے پر پڑھے یا ختم گرہن پر، اور جماعت سے پڑھے، یا اکیلے، قرأت کے ساتھ بلند آواز سے یا آہستہ پڑھے، اور اگر گرہن کے وقت فرض نماز کا وقت آجائے تو اس کو ادا کرنا چاہیے، یا نہ ادا کرنا چاہیے۔ جیسا حکم شرع شریف ہو۔

از شیجورہ ڈاخ خانہ گرنجش ضلع رائے بریلی، سائل شیخ چھدا تمباکو فروش۔

الجواب

کسوف شمس سورج گرہن کی نماز سنت ہے، سنت کی نیت کریں گرہن کے وقت پر پڑھی

ے، گرہن سے چھٹنے پر نہ پڑھی جائے گی۔ اگر چاہیں شروع گرہن پر پڑھیں یا دیر میں، اگر گرہن سے پر کہ کچھ چھٹا کچھ باقی ہے پڑھ لیں تو یہ بھی جائز ہے، ایسے اوقات میں جن میں نماز پڑھنا ممنوع ں۔ اگر ایسے وقت کسوف ہو جس میں نماز پڑھنی نہ چاہیے ایسے وقت میں نہ پڑھیں۔ دو رکعتیں عت پڑھی جائیں، ہر رکعت ایک رکوع دو سجدہ سے، جیسے اور نماز میں، ہر دو رکعت میں بعد الحمد جو ت چاہیں پڑھیں، بہتر ہے کہ قرأت ہر دو رکعت میں طویل کریں، بقدر سورۂ بقر بعد نماز دعا میں ل رہیں یہاں تک کہ پورا گہن سے چھٹ جائے، قرأت طویل کریں دعا میں تخفیف کریں۔ یا قرأت نفیف کریں، دعا میں طویل کریں یہ بھی جائز ہے، ایک میں اگر تخفیف ہو تو دوسری طویل ہو۔ ہر کوئی ماز کی امامت نہیں کر سکتا، امام جمعہ وعیدین سلطان اسلام یا اس کا ماذون، یعنی جیسا امام جمعہ وعیدین لیے درکار ہے وہی اس میں امامت کرے، اگر امام اعظم موجود نہ ہو تو اپنی مساجد میں تنہا تنہا ں۔ ہاں اگر امام اعظم نے لوگوں کو حکم دے دیا ہو، امر فرما دیا ہو تو اس صورت میں جو امام محلہ ہے اس ساتھ بجماعت نماز ادا کریں۔

اس نماز میں قرأت میں جہر نہ کریں اس کے بعد یا پہلے خطبہ نہیں۔ یہ نماز مسجد جامع میں یا شہر سے یدان عیدگاہ میں پڑھیں تو بہتر۔ اگر اکیلے اکیلے اپنے گھروں میں پڑھیں یہ بھی جائز ہے، گرہن کے وقتیہ نماز کی ممانعت نہیں، اگر وقت طویل ہے تو چاہے پہلے گرہن کی نماز سے فارغ ہولیں، پھر وقتیہ ں، چاہے وقتیہ پڑھ کر گرہن کی پڑھیں، اگر کسوف کی نماز پڑھیں اور وقت اتنا تنگ ہے کہ وقتیہ نماز میں نہ ہوگی تو وقتیہ پڑھیں، کہ سنت کے لیے فرض فوت کرنا ناجائز ہے۔ نیز یہ کہ اس کا وقت ہے نماز ے کا کوئی وقت خاص نہیں، تو جس کا وقت ہے اسے فوت کر دینا اور اس میں مشغول ہونا جس کو بعد میں سکتے ہیں، خلاف شرع ہی نہیں خلاف عقل بھی ہے۔

اگر یہ صورت بھی ہو کہ وقتیہ نماز پڑھتے پڑھتے گرہن سے پورا چھٹ جائے گا کہ اب وقت صلاۃ ے کا نہ رہے گا، اور وقتیہ کا وقت اتنا تنگ ہے کہ کسوف کی پڑھیں تو اس کا وقت جاتا رہے گا جب بھی و عقل کے یہ خلاف ہے کہ فرض فوت کریں اور کسوف کی نماز میں مشغول ہوں۔ وقت طویل بھی ہو مگر از کا وقت مقرر ہو جیسا کہ بعض مساجد میں ہوتا ہے، تو اس صورت میں وقتی نماز اپنے وقت مقررہ پر جائے، پھر کسوف کی پڑھیں، کہ جیسے بعد نماز وقتی کسوف کی نماز میں شرکت کسی عذر سے نہ کرنی ں جانا یا کوئی اور کام ہو وہ جائے، وقتی نماز سے وقت پر فارغ ہو کر اپنے کام میں لگے۔ نماز جنازہ نماز ے پر مقدم کی جائے۔

ذخیرہ میں ہے: "هي سنة ، محيط"

یہ سنت محیط ہے۔ (مترجم)

پھر عالمگیریہ میں ہے:

"أجمعوا أنها تؤدّى بجماعة واختلفوا في صفة أدائها، قال علماؤنا: يصلي ركعتين كل ركعة بركوع وسجدتين كسائر الصلوات يقرأ فيهما ما أحب"(١)

علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جماعت سے پڑھی جائے مگر صفت ادائیگی میں ان کا اختلاف ہے، ہمارے علما فرماتے ہیں: دو رکعت پڑھ جائے، ہر ایک رکعت ایک رکوع دو سجدوں کے ساتھ، دیگر تمام نمازوں کی طرح اور بعد الحمد جو سورت چاہیں پڑھیں۔ (مترجم)

ہندیہ میں کافی سے ہے:

"الأفضل أن يطول القرأة فيهما"(٢)

دونوں رکعتوں میں قرأت طویل کرنا افضل ہے۔ (مترجم)

سراج وہاج پھر عالمگیری میں ہے:

"يدعو بعد الصلاة حتى تنجلى الشمس كمال الانجلاء"(٣)

نماز کے بعد اتنی دعا مانگیں کہ سورج گہنی پوری طرح سے چھٹ جائے۔ (مترجم)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

"يجوز تطويل القراءة وتخفيف الدعاء، وتطويل الدعاء وتخفيف القراءة، فإذا خفف أحدهما طول الآخر."(٤)

قرأت طویل کرنا اور دعا میں تخفیف کرنا جائز ہے، اسی طرح دعا میں تخفیف اور دعا میں طول یہ بھی جائز ہے، لیکن جب ایک میں تخفیف کرے تو دوسرے کو طویل کرے۔ (مترجم)

محیط پھر فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

---

(١) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الخسوف: ١/١٩٣]

(٢) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الخسوف: ١/١٩٣]

(٣) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الخسوف: ١/١٩٣]

"لا يصلي هذه الصلاة بجماعة إلا الإمام الذي يصلي الجمعة .قال شمس
مة الحلواني: فإن عدم الإمام الذي يصلي الجمعة و العيدين فإنهم يصلون
حدانا في مساجد هم إلا إذا كان الإمام الأعظم الذي يصلي الجمعة و العيدين
هم بذلك فحينئذٍ يجوز أن يصلوا بجماعة يؤمهم فيها إمام حيّهم في مسجد
، ولا يجهر بالقراءة في صلاة الجماعة في كسوف الشمس في قول أبي
ة رحمه الله تعالىٰ"(١)

یہ نماز وہی امام پڑھائے جو جمعہ پڑھاتا ہے، شمس الأئمہ حلوانی فرماتے ہیں: کہ اگر جمعہ اور عیدین
م موجود نہ ہو تو لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں تنہا تنہا ادا کریں، لیکن جب امام اعظم یعنی جمعہ وعیدین کا امام
اس کا حکم دے تو وہ اس نماز کو اپنی مسجد والے امام کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں، اور امام اعظم ابوحنیفہ کے
کے مطابق سورج گہنی نماز باجماعت میں قرأت بالجہر نہ کرے۔(مترجم)

اسی میں مضمرات سے ہے:

والصحيح قوله۔(٢)

ان کا قول صحیح ہے۔(مترجم)

اسی میں محیط سے ہے:

"ليس في هذه الصلاة خطبة وهذا مذهبنا"(٣)

اس نماز میں خطبہ نہیں ہے۔یہی ہمارا مذہب ہے۔(مترجم)

خزانۃ المفتین سے فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"الموضع الذي يصلي فيه الجبانة أو المسجد الجامع ولو صلوا في منزل
جاز .والأول أفضل.ولو صلوا وحدانا في منازلهم جاز ولو اجتمعوا ودعوا من
أن يصلوا أجزأهم"(٤)

[الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الكسوف: ١/ ١٩٣]
[الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الكسوف: ١/ ١٩٣]
[الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الكسوف: ١/ ١٩٣]

اوراس نماز کو ہراس جگہ پڑھ سکتے ہیں جہاں ہردن کی باجماعت نماز پڑھی جاتی ہے،اسی طرح جامع مسجد میں بھی اوراگر کسی دوسری جگہ ادا کی تو بھی جائز ہے،البتہ پہلی صورت افضل ہے،اوراگر لوگوں نے علاحدہ علاحدہ اپنے گھروں میں پڑھ لی تو بھی درست ہے اوراسی طرح لوگوں نے جمع ہوکر پڑھے بغیر دعا مانگ لی تو یہ صورت بھی جائز ہے۔(مترجم)

جوہرہ نیرہ پھر ہندیہ میں فرمایا:

"إن لم يصل حتى انجلت لم يصل بعد ذلك، وإن انجلى بعضها جاز أن يبتدئ الصلاة ــ وإن اجتمع الكسوف والجنازة بدأ بالجنازة۔ وإن كسفت في الأوقات المنهي عن الصلاة فيها لم يصل"(۱)

اگرنماز نہ پڑھی یہاں تک کہ گہن ختم ہوگیا،تواس کے بعد نہ پڑھی جائے،اور کچھ گہن چھٹ گیا تو اس وقت بھی نماز شروع کرنا جائز ہے،اور جب گہن اور جنازہ کی نماز جمع ہوجائیں تو پہلے جنازہ پڑھے، اوراگر ممنوعہ میں سورج گہن ہوتو نماز نہ پڑھی جائے۔(مترجم)

خسوف قمر چاند گرہن میں اکیلے اکیلے دو رکعتیں پڑھی جائیں،

محیط سرخسی پھر عالمگیریہ میں فرمایا:

"يصلون ركعتين في خسوف القمر وحدانا۔"والله تعالیٰ أعلم"(۲)

خسوف قمر(چاند گہن)میں علاحدہ علاحدہ دو رکعتیں پڑھی جائیں۔(مترجم)

بعد نماز فجر سنتیں مکروہ ہیں

مسئلہ: (۵۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱)بعد فرض فجر قبل طلوع آفتاب سنت پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

(۲)بعد نماز وتر کے نفل بیٹھ کر پڑھنا چاہیے،یا کھڑے ہوکر۔بینوا توجروا۔

---

(۱) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب الثامن عشر في صلاة الكسوف:۱/۱۹۳]

(۲) [illegible]

از قصبہ مگہر محلّہ شیر پور ضلع بستی، عبدالحامد قادری اشرفی، ۱۶؍ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ

الجواب

مکروہ ہے نہ چاہیے۔ جب آفتاب بلند ہو جائے، اس وقت سنتیں ادا کرے،

عالمگیری میں ہے:

”تسعة أوقات يكره فيها النوافل وما فيه معناها لا الفرائض(إلى قوله)ومنها بعد صلاة الفجر قبل طلوع الشمس هكذا في النهاية والكفاية، ولو أفسد سنة جر ثم قضاها بعد صلاة الفجر لم يجزه كذا في محيط السرخسي.“ والله ى أعلم(١)

نو اوقات میں نفل اور جو ان کے حکم میں ہے ان کا پڑھنا مکروہ ہے نا کہ فرض کا، انہی اوقات یک وقت بعد صلاۃ فجر قبل طلوع آفتاب کا ہے، اسی طرح نہایہ اور کفایہ میں ہے، اور اگر فجر کی سنتیں کردیں اور نماز فجر کے بعد ان کی قضا کی تو کافی نہ ہوگا، یوں ہی محیط سرخسی میں ہے۔ (مترجم)

(۲) وتر کے بعد دو رکعت نفل بھی کھڑے ہو کر پڑھیں، اسی میں زیادہ ثواب ہے۔ واللہ تعالیٰ

ا

(۱۳) مساجد

وہابی کے پیچھے نماز باطل اور اس کو مسجد آنے کی ہرگز اجازت نہیں

) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(ا) مسجد اہل سنت و جماعت میں حنفی امام کے پیچھے وہابی نماز پڑھتے ہیں، اور آمین بالجہر کہتے اس پر اکثر اوقات حنفیوں اور وہابیوں میں فساد ہوتے ہیں، کیا اس حالت میں وہابیوں کو آمین بالجہر سے روکا جائے، تو خلاف مسئلہ ہوگا، حالاں کہ وہابی بضد ہیں کہ اگر ہم یہاں حنفی امام کے پیچھے نماز

[الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الباب الأول في المواقيت وما يتصل بها۔

پڑھیں گے، تو آمین بالجہر ضرور کہیں گے۔ ایسی خطرناک حالت میں اگر وہابیوں کو مسجد مذکور میں آنے سے بھی روکا جائے تو کیا مسئلہ کے خلاف ہوگا؟

(۲) سوا آمین بالجہر کے جو وہ رفع یدین وغیرہ کرتے ہیں، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے، کیوں کہ رفع یدین پر ہر شخص کی نظریں نہیں پڑتی ہیں، اور آمین بالجہر کا آواز کس وناکس کے کانوں تک پہونچتا ہے؟

(۳) اکثر مساجد وہابی لوگ اپنا قبضہ مالکانہ اسی طرح جمانا چاہتے ہیں، اور حنفیوں کی مسجد میں ممبر بھی بنتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کو ممبر بھی رکھا جائے یا نہیں؟

(۴) وہابی، شافعی، غیر مقلدین میں کیا فرق ہے؟ یا ان کا اصول وفروع ایک ہیں یا مختلف؟

مرسلہ بابو شیخ غلام رسول صاحب سیونی نیا پورہ ضلع ہوشنگ آباد مالودہ۔

الجواب

وہابی اپنے عقائد خبیثہ کے سبب اسلام سے خارج ہیں۔ ''أحکامھم أحکام المرتدین.'' انہیں مسلمانوں کی مسجد میں آنے کا کوئی حق نہیں، انہیں روکا جائے، اگر وہ نہ رکیں یا ممانعت پر فتنہ فساد کرنے پر اتر آئیں تو حکومت سے انہیں رکوایا جائے، مسجد سے ہر موذی کو روکنے کا حکم ہے، خصوصاً ایسا موذی۔

درمختار میں ہے:

"یمنع منه کل موذ ولو بلسانه."(۱) واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

ہر موذی کو (مسجد) سے روکا جائے گا اگرچہ زبان ہی سے ہو۔ (مترجم)

(۲) آمین اور رفع یدین خود تو ایذا کی چیز نہیں، شوافع کریں تو ان کو ممانعت نہ کی جائے، وہابی خود بھی ایذا کی چیز ہے بوجہ اپنی بددینی کے، اگرچہ آمین بالجہر اور رفع یدین حنفی مذہب کی ضد پر نہ بھی کرے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) کفار مرتدین کو مسجد سے روکنے کے بابت جب معلوم ہوگیا تو اس سوال کا جواب بھی اس سے واضح ہوگیا، جب مسجد میں آویں گھسنے بھی نہ دینا چاہیے، تو انہیں مسجد کی کمیٹی کا رکن بنانا کیسے روا ہوسکتا ہے۔ ہرگز وہ ممبری کے اہل نہیں، اگر نادانستہ اسے ممبر کیا گیا ہو تو اب اسے ممبری سے نکال باہر

ریں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴)شافعی ہمارے بھائی سنی مسلمان ہیں،ہم میں ان میں کچھ فرعی اختلافات ہیں۔ہم امام م کے مقلد ہیں،وہ امام اعظم کے شاگرد کے شاگرد امام شافعی کے مقلد ہیں،وہ دونوں اہل حق وہدایت ،دونوں باہم اصولاً متحد ہیں،اور ہم اہل سنت سے وہابیوں کا اختلاف محض فرعی نہیں اصولی بھی ہے،اور بھی ویسا نہیں جیسا کہ حنفی شافعی کا،مالکی حنبلی کا،بلکہ ان کا اختلاف اصولی اور عناداً ہے۔دوسرے وہ بد ہی کو شرک جانتے ہیں،وہابی دونوں طرح کا ہوتا ہے،مقلد بھی جو دعویٰ تقلید کرتا ہے،اور تقلید کو ری بتاتا ہے۔جیسے دیوبندی۔اور غیر مقلد بھی جو تقلید کو حرام وشرک بتاتا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہابی کا مسجد میں داخلہ ممنوع قرار دیا جائے

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر وہابی لوگ مسجد اہل سنت وجماعت میں حنفی امام کے پیچھے نماز نہ پڑھیں،اور اپنی جماعت ہ قائم کر کے آمین بالجہر کہیں،تو کیا ان کو جماعت قائم کرنے دی جائے،یا وہ اگر جماعت قائم کر کے باندھ چکے ہوں،اور آمین بالجہر کہہ رہے ہوں تو ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیے۔کیوں کہ ہر وقت اقعات سے بلوہ ہونے کا اندیشہ ہے،اور وہابی لوگ آمادۂ فساد ہیں،از روئے شرع شریف جواب فرمائیں۔

الجواب

اس کا جواب اوپر کے جوابوں سے واضح ہے،انہیں مسجد ہی میں آنے کی ممانعت حکومت سے جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مغرب کے تین فرض امام کے ساتھ ادا کیے،لیکن جس وقت امام نے سلام پھیرا،اور دعا سے دگیا،تو اگلی صف کا ایک مقتدی تین آدمیوں کے آگے سے سیدھے ہاتھ کی طرف نکل گیا،وہ تین اپنی نماز ادا کر چکے تھے،اور انہیں تینوں آدمیوں کے پیچھے جن کی نماز باقی تھی وہ تین آدمی دوسری ادا کر رہے تھے،اس میں کیا حکم ہے؟فقط

از عبد الغنی صاحب محلہ ذخیرہ بریلی

الجواب

اس صورت میں کہ مصلی اور گزرنے والے کے درمیان کوئی حائل ہو، شجر یا آدمی وغیرہ، تو گزرنے میں کوئی حرج نہیں۔

قال في الغنيه: "لايكره المرور بين يدى المصلي إذاكان من وراء الحائل." (۱)
نمازی کے سامنے سے گزرنے میں کوئی کراہت نہیں جب کہ درمیان میں کوئی حائل ہو۔ (مترجم)

اسی میں اس عبارت سے اوپر ہے:

"حائل يحول بينه وبين المار: أي: العصا المذكورة أمامه أو الأسطوانة أو نحوهما من شجرة أو آدمي أو دابة أو غير ذلك." والله تعالىٰ أعلم." (۱)
نمازی اور گزرنے والے کے درمیان کوئی حائل ہو، یعنی عصا جس کا ذکر ہو چکا، یا پھر ستون، درخت، آدمی یا چوپایا وغیرہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

مسجد کی دیوار اپنے استعمال میں لانا حرام ہے

(۵۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جو زمانہ عرس میں مسجد کی چار دیواری سے ایک دیوار پر دونوں جانب دونوبتیں مع نفیری بجوائے کیا یہ گناہ نہیں، اگر ہے تو ایسے شخص کی بابت کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مسجد کی دیوار کو اپنے استعمال میں لانا حرام ہے نہ کہ اس پر یہ کچھ نجاست۔ ولا حول ولاقوة الابالله العلي العظيم۔

مسجد میں دنیا کی مباح باتیں ناجائز تو فحش باتیں اشد حرام ہیں

(۵۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص ۳۵۳]

یہاں لوگوں نے یہ دستور کرلیا ہے کہ قبل ہر نماز اور بعد نماز صحن مسجد میں بیٹھ کر یا ٹہل کر باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کچھ لوگ فحش وغیبت اور کچھ لوگ اپنے کارنامے فحش ولغویات اور خلاف شرع حرکات سے بھرے ہوئے فخریہ بیان کرتے ہیں، اکثر کو اس سے روکا گیا، لوگوں نے عمل بھی کیا اور صحن مسجد کو چھوڑ کر درج مسجد میں بیٹھنا شروع کیا، مگر اکثر لوگ اب تک بدستور سابق عمل پیرا ہیں۔ یہاں اکثر مسجد میں انہیں ہی باتوں میں لڑائی پر نوبت آجاتی ہے، یہ قصے قضیے بند نہیں کیے جاتے۔

الجواب

مسجد میں دنیا کی مباح باتیں کرنا تو نا جائز ہے، فحش وغیبت کا کیا پوچھنا، جو خود حرام ہیں اور مسجد میں سخت تر حرام، دنیوی مباح باتیں مسجد میں کرنا حسنات کو ایسا کھاتا ہے جیسے چوپایہ گھاس۔ پھر لغو کہانی قصے اور فحش وغیبت کا کیا کہنا۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلي العظیم۔

غنیۃ میں علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"یجب أن تصان عن حدیث الدنیا" اھ. مختصراً(۱)

واجب ہے کہ مساجد کو دنیوی باتوں سے محفوظ رکھا جائے۔

اسی میں ہے:

"والکلام المباح فیه مکروه ویأکل الحسنات کما تأکل البهیمة الحشیش"(۲)

یعنی کلام مباح مسجد میں مکروہ ہے اور وہ حسنات کو اس طرح کھالیتا ہے جیسے چوپایہ گھاس کو، یہ مضمون خود حدیث شریف میں موجود ہے۔

یہی علامہ اسی غنیۃ میں فرماتے ہیں:

"کذا ذکره حدیثاً صاحب الکشاف."(۳)

یہاں تک کہ مسجد میں اپنی گمی چیز کا دریافت کرنا نا جائز ہے۔

حدیث میں فرمایا:

((من سمع رجلاً ینشد في المسجد ضالة فلیقل لا ردها اللّٰه إلیك، فإن

---

۱) [غنیة المستملي شرح منیه المصلي:ص۵۶۷]

۲) [غنیة المستملي شرح منیه المصلي:ص۵۶۸]

المساجد لم تبن لهذا))(۱)

جو شخص کسی کو مسجد میں گمی ہوئی چیز تلاش کرتے ہوئے سنے تو وہ یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ تیری چیز واپس نہ لوٹائے، کیوں کہ مسجدیں اس کے لیے نہیں بنی ہیں۔ (مترجم)

ان لوگوں پر توبہ لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں چھوٹے بچوں کولانے والے گنہ گار ہیں

(۵۹) مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

یہاں مسجد میں چھوٹے چھوٹے بچے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں، کبھی صحن مسجد میں کبھی حوض میں کنکر پتھر ڈالتے ہیں، اور کبھی مسجد کے نل لو.......................... مسجد میں جمع رہتی ہیں۔ اکثر لوگ اپنے اپنے بچوں کو خود ہمراہ لاتے ہیں اکثر نماز ہوتی ہے، اور یہ لوگ شور مچاتے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کے والدین سے کہتا یا بچوں کو ڈانٹتا ہے تو وہ لوگ لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان احکام کو ذرا تفصیل سے بحوالہ کتب بیان فرمایئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جو لوگ مساجد میں اپنے بچوں کو لاتے ہیں یا ان کے بچے جاتے ہیں، اور وہ انہیں نہیں روکتے، روکنے والوں سے لڑتے ہیں گنہگار ہیں، اس ارشاد حدیث سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نافرمانی ومخالفت کرتے ہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا:

((جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم وشرائكم وبيعكم وخصوماتكم ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم وسل سيوفكم۔ ((الحديث))(۲)

اپنی مساجد کو بچوں، مجنون، خرید وفروخت اور جھگڑوں سے نیز تیز آواز سے بولنے، حدود قائم کرنے اور تلوار بے نیام کرنے سے بچاؤ۔ (مترجم)

---

(۱) [مسند الإمام احمد بن حنبل: ۹۴۳۸۔ ۳/۵۰۵]

(۲) [كنز العمال، كتاب الصلاة الفصل الثالث في فضائل المسجد، ۲۰۸۳۰۔۔۔۲۰۸۳۱: ۷/۲۷۳]

غنیۃ میں فرمایا:

"یجب أن تصان عن إدخال المجانین والصبیان لغیر الصلاۃ."(۱)

واجب ہے کہ مساجد مجنون اور بچوں کو علاوہ نماز کے داخل کرنے سے بچائی جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے اوقات کے لیے بھی دیوار مسجد سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں

(۶۰) **مسئلہ:**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید بہ نیت حسنات دیوار "الف" میں سوراخیں کرکے کڑیاں ڈال کر "ب" میں ایک حجرہ بنانا چاہتا ہے، جس وجہ سے ت کا کچھ حصہ توڑنا پڑے گا۔ آیا یہ اس کا جائز ہوگا یا نہیں۔ "ج" زینہ نما پست احاطہ ہے ور مصرف نماز سے خارج، زید اس کو مسدود کرکے اور "ذ" میں سوراخیں بنا کر اور کڑیاں ڈال کر "ذ" کا پورا حصہ دوکانی صورت میں تبدیل کرکے کرایہ پر جاری کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے کرایہ سے مسجد کے اخراجات میں سہولت حاصل ہوں گی۔ واقف بقید حیات نہیں ہے۔ ملازمان محکمہ آبکاری سے چندہ لے کر مسافر خانہ اندر احاطہ مسجد۔ حجرہ مسجد خواہ مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں۔ نقشہ مسجد برائے معائنہ منسلک ہے۔

المستفتی: شاہ محمد یٰسین کاپسٹ کلکٹر

الجواب

بعد تمام مسجدیت دیوار مسجد کو کسی کام میں نہیں لاسکتے اگرچہ مسجد کے مصالح کے لیے جو اوقاف ہوں ان میں، نہ اس کے آثار پر کوئی دیوار اٹھا سکیں، نہ اس پر کڑیاں رکھ سکیں۔

تاتارخانیہ درمختار میں ہے:

"لو بنی فوقه بیتاً للإمام لا یضر؛ لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال: عنیت ذلك لم یصدق"(۲)

---

(۱) [غنیة المستملي شرح منیه المصلي: ص٥٦٦]

(۲) [الدر المختار، کتاب الوقف: ٦/٤٢٨]

مسجد کے اوپر امام کے لیے گھر بنانے میں کوئی ضرر نہیں، کیوں کہ یہ مسجد کے مصالح میں سے ہے، اگر تعمیر مکمل ہوگئی پھر اس کی تعمیر کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، اگر چہ وہ کہے میں نے اس کو بڑھا دیا مگر اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔(مترجم)

اس میں اس کے بعد بزازیہ سے ہے:

”فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئاً منه مستعملاً ولا سكنىٰ“(۱)

تو جب یہ حال واقف کے بارے میں ہے تو غیر کا حال کیا ہوگا، لہٰذا اس کا ڈھانا ضروری ہے اگر چہ مسجد کی دیوار پر ہو اور نا ہی اس سے اجرت لینا جائز ہے، نیز اس کی کوئی چیز استعمال بھی نہیں کر سکتے، اور نہ اس میں رہائش اختیار کر سکتے ہیں۔(مترجم)

بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے:

”لا يوضع الجذع على جدار المسجد وإن كان من أوقافه“(۲)

مسجد کی دیوار پر کڑی نہیں رکھ سکتے اگر چہ وہ مسجد کے اوقاف سے ہو۔(مترجم)

”الف“ کہ دیوار مسجد ہے، اس میں سوراخ کر کے حجرہ کی کڑیاں رکھنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ صورت بھی نا جائز ہے کہ ”ذ“ بھی دیوار مسجد ہے اور اس میں کڑیاں رکھنا نا جائز، پھر فنائے مسجد کا حکم وہی ہے جو مسجد کا حکم ہے۔ فنائے مسجد میں بھی بعد تمام مسجدیت دوکانیں نہیں بنائی جا سکتیں۔

مبسوط امام سرخسی پھر عالمگیری میں ہے:

”قيم يريد أن يبني حوانيت في فناء المسجد لا يجوز له ذلك؛ لأنه يقسط حرمة المسجد؛ لأن فناء المسجد له حكم المسجد.“ والله تعالىٰ أعلم(۳)

اگر متولی فنائے مسجد میں دوکانیں بنانا چاہے تو یہ کام نا جائز ہے، کیوں کہ اس سے حرمت مسجد

---

(۱) [الدر المختار : فرع بناء بيتا للامام ، ۳۵۸/٤]

(۲) [ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في أحكام المسجد:٦/٤٢٨]

(۳) [الفتاوىٰ الهندية ، كتاب الوقف، الباب الحادي عشر في المسجد وما يتعلق به

مال ہوتی ہے، اس لیے کہ فنائے مسجد بھی مسجد کے حکم میں ہے۔ (مترجم)

(۳) ملازمانِ آبکاری کو تنخواہ اگر خاص اس زرِ حرام سے ملتی ہے اور ان کے پاس اس کے سوا، اور کوئی ذریعہ آمدنی نہیں تو وہ زرِ حرام نہ ان سے لینا جائز نہ انہیں دینا، نہ اس کا ثواب۔ "فإن الله طيب لا يقبل إلا الطيب"(۱)

ہاں اگر وہ قرض لے کر دیں تو اس کا اخذ جائز ہوگا۔ اور وہ اس پر ثواب کے بھی مستحق ہوں گے۔ مسافر خانہ اگر خلاف شرط واقف بنایا جائے گا، تو یہ حرام ہوگا، احاطہ مسجد کے خارج مصالح کے لیے جو عمارت جائز ہے وہ ثواب کا کام ہوگا۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

بغیر معاوضہ کسی کی زمین مسجد میں داخل نہیں کی جاسکتی

مسئلہ: (۶۱)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

کسی شخص کی آراضی کو کوئی دوسرا شخص بغیر مالک کی اجازت سے آراضی کو مسجد کے تصرف میں کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر اس کی بغیر اجازت کے کچھ حصہ جبراً مسجد کے تصرف میں لایا گیا تو آیا یہ حصہ مسجد کا ہوگیا یا نہیں؟ اور ان کا یہ فعل کیسا ہے۔ جو حکم ہو مطابق شریعت صادر فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

غیر کی مملوک زمین بے اس کی اجازت کے زبردستی بغیر معاوضہ دیئے مسجد میں داخل کرلینے کا کسی کو حق نہیں، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ مسجد کو اس کی حاجت نہ ہو۔ مسجد کی وسعت کی ضرورت نہ ہو۔ وہ مسجد وہاں کے لوگوں کو کافی ہو۔ ہاں جب مسجد وسیع کرنے کی ضرورت ہو کہ ناکافی ہو تو معاوضہ دے کر زمین داخل کی جاسکتی ہے۔ یوں اگر وہ شخص راضی نہ ہو، اسے جائز طور پر معاوضہ لینے زمین دینے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔

اسعاف وغیرہ میں ہے:

"لو ضاق المسجد على الناس وبجنبه أرض ملك الرجل لو أخذ منه بالقيمة

---

(۱) [مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال: ۲۷۶۰ــ۱/۵۰۱]

کرھاً دفعاً لضرر العام ویجبر الخاص بأخذ القیمة."(۱)

اگر مسجد تنگ پڑ جائے اور اس کے پاس کسی شخص کی مملوک زمین ہو، تو اگر وہ زمین قیمت دے کر اس کی مرضی کے بغیر لی گئی تو درست ہے عوام کے ضرر کو ختم کرنے کی غرض سے اور اس کو قیمت لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (مترجم)

جو زمین غصب کر کے مسجد میں داخل کی گئی اتنا حصہ ہرگز مسجد نہیں۔ جن لوگوں نے ایسا کیا وہ ظالم غاصب مستحق نار حق اللہ اور حق العبد دونوں میں گرفتار ہیں۔ ان پر توبہ لازم ہے، مسجد کو اگر حاجت نہ ہو تو فوراً اتنی زمین اس سے خارج کر دی جائے، اگر مالک راضی نہ ہو۔ اور اگر حاجت ہو تو مالک کو اس کا معاوضہ دیا جائے۔ اگر صورت وہ ہو کہ مسجد کو حاجت نہ ہو اور مالک اپنی زمین ہی لینا چاہتا ہو، معاوضہ لے کر زمین چھوڑ دینے پر راضی نہ ہو تو زمین واپس کی جائے گی۔ اور اس کے داخل اور خارج کرنے میں اور مسجد کی پھر درستی میں جو کچھ صرف ہوگا، اس کا ذمہ دار وہی ہوگا جس نے پرائی زمین داخل مسجد میں ڈال لی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کسی وقف کو بدلنے کا شرعاً اختیار نہیں

مسئلہ: (۶۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک مسجد اس طرح واقع ہے کہ اس کا دروازہ مسجد سے جدا، اور سطح مسجد سے بالا حصہ میں ہے، دروازہ سے متصل ایک مندر ہے، بلدیہ کا محکمہ تعمیرات اس طرف ایک سڑک بنا رہا ہے، وہ چاہتا ہے مسجد کی اس خارج از مسجد زمین میں سے جہاں صرف دروازہ واقع ہے ایک حصہ سڑک کے لیے دے دیا جائے، اور اس کے بدلے کی زمین اسی کے متصل ایسی لے لی جائے جس میں صدر دروازہ شان دار تعمیر ہونے کے علاوہ اس کے ہر دو جانب کچھ دوکانیں بھی تعمیر ہو سکیں گی۔ اس جدید دروازہ اور دوکانوں کی تعمیر محکمۂ مذکور کے ذمہ ہوگی۔ جب کہ مسجد کی ملحقہ وہ زمین جو صحن مسجد سے جداگانہ صرف دروازہ کی صورت میں ہے۔ محکمہ مذکور کو دینے سے دو فوائد مرتب ہوں گے۔

(۱) اہم ترین فائدہ یہ ہے کہ مندر بالکلیہ سڑک میں آجائے گا۔ اور ہمیشہ کے لیے بت پرستی کی جڑ

یا در قرب مسجد سے نیست نابود ہو جائے گی، جس کی موجودگی سے اس نازک زمانہ میں ہر وقت فساد و فتنہ برپا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

(۲) دو کانوں کے بن جانے سے مسجد کی آمدنی کا ایک سامان ہو جائے گا، تو سوال یہ ہے کہ ان اہم فوائد کو مدنظر رکھ کر بالخصوص بنیاد شرک مٹ جانے کی نیت سے اس حصہ زمین کا محکمہ تعمیرات بلدیہ کو معاوضہ دے دینا جائز ہے یا نہیں۔ تدبر سے جواب دیجیے اور اجر حاصل کیجیے۔

از بمبئی لال باغ ۱۱ مسئولہ سیٹھ محمد ابراہیم صاحب مرسلہ مولوی نذیر احمد صاحب۔ ۱۸ رشوال مکرم ۱۳۹۵ھ۔

الجواب

ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ کسی وقف کی ہیئت کا بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ "لا یجوز تغییر الوقف عن هیئته." عامہ کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ بعض متون کی اس عبارت سے کوئی دھوکا نہ کھائے مثلاً تنویر الابصار میں فرمایا:

"جعل شيء من الطريق مسجداً جاز كعكسه"(۱)

راستہ کے کسی بھی حصہ کو مسجد بنانا درست ہے، جیسا کہ اس کا عکس روا ہے۔ (مترجم)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسجدیت باطل کر کے گذرگاہ بنادی جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ مسجد کے کسی جز کو بحالہ رکھ کر وقت حاجت فقط ممر (گزرگاہ) انسان غیر محدث بحدث اکبر ٹھہرالیا جائے۔

درمختار میں فرمایا:

"(كعكسه) أي: كجواز عكسه وهو ما إذا جعل في المسجد ممر لتعارف أهل الأمصار في الجوامع، وجاز لكل أحد أن يمر فيه حتى الكافر إلا الجنب والحائض والدواب"(۲)

کعکسہ سے مراد یہ ہے کہ جس طرح اس کا عکس جائز ہے اور وہ یہ ہے کہ جامع مسجدوں میں اہل مصر کے تعارف کی خاطر گزرگاہ بنانا درست ہے اور ہر شخص اس میں سے گزر سکتا ہے، یہاں تک کہ کافر بھی، سوائے جنبی حائض اور چوپایوں کے۔ (مترجم)

---

(۱) [الدر المختار، كتاب الوقف: ٦/٤٤٩]

(۲) [الدر المختار، كتاب الوقف: ٦/٤٤٩]

پھر یہ جواز بھی مختلف فیہ ہے،اور وہ بھی بہر حال نہیں بلکہ وقت ضرورت وعند الحاجت۔

ردالمحتار میں فرمایا:

"قوله كعكسه فيه خلاف كما يأتي تحريره وهذا عند الاحتياج كما قيده في الفتح"(۱)

پھر جواز عکس بھی مختلف فیہ ہے جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے اور وہ جواز بھی وقت ضرورت ہے جیسا کہ اس کو فتح میں مقید کردیا ہے۔(مترجم)

ردالمحتار میں تتارخانیہ سے،اس میں فتاویٰ ابواللیث سے تو اس کا عدم جواز نقل کیا اور اسی کو تتارخانیہ میں صحیح فرمایا۔

اور فتاویٰ عتابیہ اس میں خواہرزادہ سے یہ نقل فرمایا: کہ اگر راستہ تنگ ہو اور مسجد وسیع زائد از حاجت تو راستہ میں مسجد سے زیادت جائز ہے،اور چونکہ اسی پر متون کا اطباق تھا،تو اسی کو معتمد بتایا۔

عبارت یہ ہے:

"في التتارخانية عن فتاوىٰ أبي الليث: وإن أراد أهل المحلة أن يجعلوا شيئاً من المسجد طريقاً للمسلمين فقد قيل ليس لهم ذلك وإنه صحيح۔ ثم نقل عن العتابية عن خواهر زاده: إذا كان الطريق ضيقاً والمسجد واسعاً لا يحتاجون إلىٰ بعضه تجوز الزيادة في الطريق من المسجد ؛ لأن كلها للعامة اه.والمتون على الثاني فكان هو المعتمد"(۲)

تتارخانیہ میں فتاویٰ ابواللیث سے ہے کہ اگر محلّہ والے مسجد کے کسی حصہ کو مسلمانوں کے لیے راستہ بنانا چاہیں تو ایک قول کے مطابق ایسا کرنا جائز نہیں ہے،اور یہی صحیح ہے۔فتاوی عتابیہ میں خواہرزادہ سے منقول ہے کہ اگر راستہ تنگ اور مسجد وسیع زائد از حاجت ہو تو راستہ میں مسجد سے زیادت جائز ہے،اس لیے کہ یہ سب عوام کے لیے ہے،اور متون دوسرے کی تائید میں ہیں لہذا یہی معتمد ہے۔(مترجم)

اس میں غیر جنب وحائض ونفسا مسلمان اور کافر ذمی کے مرور کی حرمت بوجہ ضرورت ساقط ہوگی۔جمیع احکام مسجد اس سے ساقط نہ ہوں گے۔

---

(۱) [رد المحتار، كتاب الوقف مطلب،في جعل شيء من المسجد طريقاً:٦/ ٤٥٠]

اسی میں ہے:

"تسقط حرمة المرور فيه للضرورة لكن لا تسقط عنه جميع أحكام
سجد، فلذا لم يجز المرور فيه لجنب ونحوه كما مر"(۱)

اس میں بوجہ ضرورت مرور کی حرمت ساقط ہو جائے گی، لیکن اس سے تمام احکام مسجد ساقط نہ
ں گے، اسی وجہ سے اس میں جنبی وغیرہ کو گذرنا جائز نہ ہوگا۔ (مترجم)

جدالممتار میں فرمایا:

"يتخذ في المسجد ممر أي: تمر فيه المارة مع بقاء المسجدية وحفظ
:اب فلا يحل دخول جنب ولا حائض ولا نفساء، وإدخال دابة كما مر شرحاً
ِ عليه في التبيين والبحر وغيرهما."(۱)

مسجد میں مسجد کی مسجدیت باقی رکھتے ہوئے نیز آداب ملحوظ رکھتے ہوئے گزرگاہ بنانا جائز
، لہٰذا اس میں جنبی حائض یا نفاس والی عورت داخل نہیں ہوسکتی، اسی طرح چوپائے کو بھی اس میں داخل
ں کرسکتے، جیسا کہ گزر چکا شروع میں، تبیین اور بحر وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔ (مترجم)

مسجد کی مسجدیت کسی مصلحت کے لیے باطل نہیں ہوسکتی، جو زمین مسجد ہو چکی، بجميع أجزائه
اُ مسجد رہے گی۔

ردالمختار میں فرمایا:

"المسجد لا يخرج عن المسجدية أبداً."(۱) والله تعالىٰ أعلم

مسجد کی مسجدیت کبھی بھی ختم نہیں ہوتی۔ (مترجم)

بلاضرورت مسجد میں تصرف وتغیر جائز نہیں

مسئلہ: ۶۲)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

)[ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شيء من المسجد طريقاً: ۶/۴۵۱]

)[جد الممتار على رد المحتار: كتاب الوقف مطلب في جعل شيء من المسجد
يقاً، ۶/۷۲ دار الفقيه للنشر والتوزيع]

(۱) دروازہ احاطۂ مسجد کی بام نما توسیع بلاضرورت سخت مع انہدام کوٹھری کرایہ مسجد بزریہ کثیر موقوفہ مسجد جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دروازہ احاطۂ مسجد کی تحویل وتوسیع میں سے جب کہ تحویل میں مسجد کی آمدنی کا اضافہ ہو اس طرح پر کہ اس کی جگہ پر ایک اور کوٹھری بنادی جاے، اور توسیع میں جب کہ نقصان ہو اس طرح پر کہ بجاے تعمیر انہدام کوٹھری لازم آتا ہے، مگر اس کی مکافات دروازہ کوٹھری بنا کر کی جاوے، بظاہر مع عدم مکافات کرایہ تو کس پر عمل کیا جاوے؟ از گورکھ پور، مرسلہ مولوی الفت علی صاحب

الجواب

بے ضرورت وحاجت ومصلحت اپنے روپیے صرف کرنا بھی نہ چاہیے، نہ کہ وقف کا مال۔ اگر تحویل باب میں نفع ہو یا مصلحت وضرورت ہو تو کر سکتے ہیں۔ یوں ہی اگر توسیع کی حاجت ہو تو توسیع بھی کی جا سکتی ہے۔ جب کہ کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ وقف کے روپیہ سے بھی کر سکتے ہیں، جب کہ وہ روپیہ تعمیر کے لیے ہو، اور اگر تعمیر کے لیے نہ ہو تو شرط واقف کے خلاف صرف نہیں کر سکتے، کہ شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہے۔ مسجد کا اگر کوئی متولی ہے تو وہ کرے گا، ورنہ اہل محلّہ۔

اسعاف فی حکم الاوقاف میں ہے:

"لو حول أهل المحلة باب المسجد من موضع إلىٰ موضع أخر جاز."(۱)

اگر اہل محلّہ نے مسجد کا دروازہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تحویل کر دیا تو جائز ہے۔ (مترجم)

عامہ کتب فقہ میں ہے:

"شرط الواقف كنص الشارع." مگر سوال (۱) میں جب کہ بلاضرورت کا لفظ ہے نیز یہ کہ بجاے نفع کے مسجد کا نقصان ہے پھر یہ کہ شرط واقف کا خلاف بھی ہے وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا بھی ہے، تو کسی طرح یہ توسیع ہرگز جائز نہیں۔

کتب معتبرہ میں ہے:

"لايجوز تغيير الوقف من هيأته فلا يجعل الدكان خاناً"اھ.(۲)

---

(۱) [البحر الرائق شرح كنز الدقائق: كتاب البيع، ٥/٢٧٦]

[اصلاح المساجد من البدع: الخاتمة، ١/٢٧١]

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں، لہذا دوکان کو سرائے بنانا جائز نہیں۔ (مترجم)
جو ایسا کریں گے وہ زر مسجد کے بھی ذمہ دار ہوں گے، اور ان کے ذمہ لازم ہوگا کہ جیسی دوکان
ی ویسی ہی کر دیں۔
یہاں تو دوکان سرے سے اڑا ہی دی وقف کی تغییر ہیئت تو جائز ہے ہی نہیں، جیسا کہ مذکور ہوا، اگر
و دونوں کا ایک ہی ہو، جیسے دوکان سے بھی مقصود کرایہ ہے تو یہ جائز نہیں کہ دوکان کو حمام کر دیا جائے۔

"لأن شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به"(۱)

شرط واقف نص شارع کی طرح ہے واجب العمل ہونے میں۔ (مترجم)
نہ کہ خلاف مقصود اور وہ بھی بالکل بے سود، نہ صرف بے سود بلکہ بجائے نفع نقصان موجود۔ یہ اس
ت میں ہے جب کہ وہ دوکان مسجد پر وقف ہو، مسجد کی دوکان ہونا اور بات ہے اور مسجد پر اس کا وقف
ر بات ہے۔ اور اگر وہ مسجد پر وقف نہیں تو توسیع کر سکتے ہیں، جب کہ اس کی حاجت ہو اور جب کہ
کا روپیہ تعمیر کے لیے ہو۔ اور اگر وہ تعمیر کے لیے نہ تھا، اور مصرف کا تھا جب تو بہر حال اس روپے کی
ری صرف کرنے والوں پر ہے، یعنی اگر چہ جس صورت سے توسیع جائز ہو اسی صورت میں اس روپیہ
یع میں صرف کیا ہو۔

(۲) جائز ہے جب کہ نفع ہو اور دروازہ جس کے بجائے دوکان ہوئی فنائے مسجد سے خارج
ائے مسجد کا حکم وہی ہے جو مسجد کا۔ جیسے مسجد کا حصہ دوکان وغیرہ نہیں کیا جا سکتا، یوں ہی فنائے مسجد کا
اور اس توسیع کا حکم اوپر معلوم ہو گیا۔ جس صورت میں جائز نہیں۔ اگر چہ اس کے بجائے دس
یاں بنا کر مکافات کی جائے۔ اگر چہ وہ دسوں کرایہ کی ہوں۔ ہرگز جائز نہیں۔

اسعاف میں فرمایا:

"لو أراد قيم المسجد أن يبنيٰ حوانيت في حدود المسجد وفنائه. قال
يه ابو الليث: لا يجوز له أن يجعل شيئاً من المسجد مسكناً ومستغلاً." والله
أعلم۔(۲)

[المجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف فصل في إذا بنى مسجداً:۲/۳۸۶]
[فتح القدير لابن لاهمام: فصل اذا بني مسجد لم يزل ملكه، ۶/۲۳۶]
[اصلاح المساجد من البدع: الخاتمة، ۱/۲۷۱]

اگر متولی فنائے مسجد اور اس کے حدود میں دوکانیں بنانا چاہے تو فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں: کہ مسجد کے کسی حصہ کو رہائش کے طور پر استعمال کرنا، یا اس سے غلہ حاصل کرنا اس کے لیے جائز نہیں۔ (مترجم)

مسجد کے درخت یا ان کی قیمت مسجد ہی میں صرف ہوگی

مسئلہ: (۶۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

عمرو نے دو درخت مسجد کے آرام کے واسطے لگائے، اگر اس میں کچھ لکڑی کسی وجہ سے کٹوائی گئی تو مسجد کے اندر صرف ہونا چاہیے یا بجائے عمرو کے زید اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ اپنی ملکیت بنا کر؟

از بریلی شہر کہنہ　　　　۲۶ر جمادی الآخر ۵۲ھ

الجواب

جو درخت مسجد میں لگاتے ہیں، وہ مسجد کے ہیں مسجد کے درخت کی لکڑی اپنے کام میں نہ عمرو لاسکتا ہے، نہ زید نہ کوئی اور، مسجد ہی میں صرف کی جائے گی۔ خود فروخت کر کے اس کی قیمت۔

اسعاف فی احکام الاوقاف میں ہے:

"لو غرس في المسجد تكون المسجد؛ لأنه لا يغرس فيه ليكون ملكاً."(۱) والله تعالىٰ أعلم.

اگر مسجد میں درخت لگائے تو وہ مسجد کے ہوں گے، اس لیے کہ مسجد میں اپنی ملکیت کے لیے درخت لگانا جائز نہیں۔ (مترجم)

مسجد کے اندر اذان دینا مکروہ تحریمی ہے

مسئلہ: (۶۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اذان کی جگہ چھوڑ کر مسجد کے اندر اذان دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہو تو فقہا کے اقوال مسطورات الذیل کے مطلوب کیا۔

چنانچہ فتاویٰ قاضی خاں، فتاویٰ خلاصہ، خزانۃ المفتین، فتاویٰ عالمگیریہ، بحر الرائق، شرح نقایہ

رجندی، فتح القدیر، ان تمام کتابوں میں مندرج ہے کہ:

"لایؤذن في المسجد"(۱)

مسجد میں اذان دینا جائز نہیں ہے۔(مترجم)

اور غنیۃ في شرح المنیۃ میں ہے:

"الأذان إنما یکون في المئذنة أو خارج المسجد والإقامة في داخله."(۲)

اذان منارہ میں (اذان کی جگہ میں) دی جائے یا خارج مسجد میں اور اقامت داخل مسجد میں دی جائے۔(مترجم)

فتح القدیر کے باب الجمعہ میں ہے:

"هو (أی: الأذان) ذکر اللّٰه في المسجد: أي: في حدوده لکراهة الأذان في داخله."(۳)

اذان ذکر اللہ ہے لہذا یہ حدود مسجد میں ہونا چاہیے، کیوں کہ اذان داخل مسجد میں مکروہ ہے۔ (مترجم)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مرقوم ہے:

"یکره أن یؤذن في المسجد کما في القهستاني عن النظم"(٤)

مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں نظم سے ہے۔(مترجم)

عمدۃ الرعایہ فی شرح الوقایہ میں ہے:

"قول بین یدیه: أي: مستقبل الإمام في المسجد کان أو خارجه والمسنون هو الثاني."(٥)

ایک قول یہ ہے کہ امام کی طرف استقبال کرے (رخ کرے) خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر لیکن

---

(۱) [الفتاوی الهندیة، کتاب الصلاة، الباب الثاني في الأذان، فصل ثاني: ۱/۷۲]

(۲) [غنیة المستملي شرح منیه المصلي: ص۱۰۷]

(۳) [فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۵٦]

(٤) [حاشیة الطحطاوی علی مراقي الفلاح، کتاب الصلاة باب الأذان: ۱۹۷]

(٥) []

مسنون باہر ہے۔(مترجم)

اور اگر جائز نہ ہو تو مقرری مؤذن ہوتے ہوئے اس کے بغیر اذن وحکم وسعت وقت کے اندر اگر کوئی دوسرا شخص استہزائۂ سوء ادبی اذان کرتے ہوئے قہقہہ مار کے ہنستے ہوئے مسجد کے اندر کھڑے ہو کر اذان دے دیوے، اور مؤذن مقرر اعادہ کر لیوے تو کیا ہے؟ مدلل ومفصل مع حوالہ کتب معتبرہ تنقیح وتوضیح فرما کر ممنون فرمائیں۔

از ڈلہ زنگون مرسلہ مولوی علی احمد صاحب امام مسجد۔ ۸/ذی القعدہ ۵۲ھ

الجواب

مسجد بمعنی موضع صلاۃ میں اذان خلاف سنت ومکروہ تحریمی ہے۔ قاطبۂ ائمہ کرام علمائے اسلام ،فقہائے عظام، جہابذۂ فخام اس کی ممانعت فرماتے آئے، کتب فقہ اس سے مالا مال ہیں، سائل نے جو چند کتب معتمدہ کی عبارات سوال میں لکھیں ان کا صریح مطلب یہی ہے کہ مسجد میں اذان نہ کہی جائے، اذان مئذنہ میں ہو، یا خارج مسجد، اور اقامت داخل مسجد ہو، اذان حدود مسجد میں ہو کہ داخل مسجد اذان مکروہ ہے۔ مکروہ ہے کہ اذان مسجد میں دی جائے، خارج مسجد ہی اذان ہونا مسنون ہے۔

نیز امام فخر الملۃ والدین زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں فرمایا:

"السنة أن يكون الأذان في المنارة ، والإقامة في المسجد."(۱)

سنت ہے یہ کہ اذان منارہ پر ہو، اور اقامت مسجد میں، جو مؤذن مقرر ہے اس کے ہوتے ہوئے بے اس کی اجازت دوسرے کو اذان کہنا گویا اس کی حق تلفی کرنا ہے۔ ایسا نہ چاہیے خصوصاً اس طرح کہ اس کے ساتھ اس سے استہزا مقصود ہو، اس کی ایذا منظور ہو ایسا شخص یقیناً گناہ گار، اور مؤذن کے حق میں گرفتار ہے، اس مسخرہ پر اس تمسخر کا بار ہے، اس کے سر ناحق ایذائے مسلم اور مسجد میں قہقہہ زنی کا الزام سوار ہے۔

حدیث میں ناحق ایذائے مسلم کو ایذائے اللہ ورسول۔ جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فرمایا ہے:

"والعياذ بالله تعالىٰ۔قال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:((من آذىٰ مسلماً فقد آذاني ومن آذاني فقد آذىٰ الله.))(۲)

---

(۱) [تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق:۱/۹۲]

(۲) [المعجم الصغير للطبراني : من اسمه سعيد، ۱/۲۸٤]

سرکار فرماتے ہیں: جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (مترجم)

اذان کے ساتھ استہزا تو کفر ہے، اس نے یہ استہزا مؤذن کے ساتھ کیا، یہاں اذان کے ساتھ استہزا کا تو کوئی محل سمجھ میں نہیں آتا، مؤذن کو ایسی اذان کا اعادہ ہی چاہیے تھا، جو خلاف سنت مسجد کے اندر کہی گئی، کہ مسجد کے اندر کی اذان سے غالبًا یا تو بالکل ہی اعلام حاصل نہ ہوگا، یا بروجہ کافی، اور اذان نہیں مگر برائے اعلام، اسی لیے اگر کوئی آہستہ آہستہ اذان کہے، جس سے اعلام حاصل نہ ہو، اس اذان کا اعادہ کرنا ہے، تو جیسے اس اذان کا اعادہ چاہیے، یوں ہی اس کا بھی۔ اذان کے سنن سے ہی یہ ہے کہ ایسی جگہ کہی جائے، جو اسمع للجیران ہو۔

مبسوط امام سرخسی میں فرمایا:

"یؤذن المؤذن حیث یکون اسمع للجیران؛ لأن المقصود إعلامهم ویرفع صوته؛ لأن الإعلام لا یحصل إلا به."(۱)

مؤذن ایسی جگہ اذان دے جو اسمع للجیران ہو (پڑوسی جسے زیادہ بہتر سن سکیں) کیوں کہ اذان کا مقصود اعلام ہے، اور آواز بلند رکھے، اس لیے کہ مقصد اعلام اس کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ (مترجم)

اور اگر اذان مسجد کے باہر صحن میں کہی تو اگر چہ اس صورت میں اعلام میں کوئی نمایاں کمی نہ ہو، مگر خلاف سنت ومکروہ ہے، لہذا اعادہ چاہیے۔ اس شخص پر لازم ہے کہ مؤذن سے جس کے ساتھ تمسخر ناحق ایذا پہنچائی، معافی مانگے۔ اور مولیٰ عزوجل کی جناب میں توبہ کرے، کہ تمسخر حرام ہے، اس میں حق اللہ وحق العبد دونوں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں جو جگہ نماز کے لیے معین ہو چکی وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک مسجد بہت پرانی ہے، نئے سرے سے بنوانے کی تجویز پر شہید کی گئی، اب چند لوگوں کی رائے ہے کہ ایک درجہ مسجد کا پیچھے یعنی پچھم کی طرف چھوڑ دیا جائے، حجرہ یا حوض یا غسل خانہ وغیرہ بنانے کے

[المبسوط للسرخسي: ۱/ ۱۳۸]

خیال سے، اور پورب کی طرف ہٹ کر مسجد بنائی جائے، آیا اصل مسجد کی جگہ جماعت خانہ کی چھوڑ کر مسجد بنا سکتے ہیں؟ اور اس جگہ کو کسی اور کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر مسجد مسجد ہی رہے گی، دوسرے مصرف میں اس کی جگہ نہیں لا سکتے، تو جو لوگ کسی اور کام میں مسجد کی جگہ لانے پر اڑے ہوئے ہیں، اور پورب میں ہٹ کر نئی مسجد بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ تو اس صورت میں عامہ مسلمین کو حق بامن وامان روکنے کا شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟ نیز اس پر اصرار کہ مسجد اپنی اصل ہی جگہ پر بنے، اس کا حق بھی حاصل ہے یا نہیں؟

مرسلہ نذیر احمد مظفر پوری، ڈاک خانہ بیدیہ بائی ضلع ہگلی بشرف ملاحظہ حضرت قبلہ مفتی اعظم جناب مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب دامت برکاتہم۔

الجواب

جو جگہ مسجد بمعنی موضع صلاۃ وقف ہو چکی، اسے کسی دوسرے کام میں لانا حرام اشد حرام ہے، وہ ابداً نماز و ذکر خدا ہی کے لیے ہے، وہاں حجرہ یا حوض و غسل خانہ بنانا، خانۂ خدا کی توہین، اور اس کی ویرانی ہے، جو لوگ اس پر اڑے ہیں، وہ بیت اللہ کی توہین کرنے کرانے پر اڑے ہیں۔ انہیں ہر ممکن مگر جائز طور پر اس شنیع کام سے روکا جائے، ہر مسلمان پر انہیں اس خبیث حرکت سے باز رکھنے کی سعی فرض ہے، دالان وہیں بنے، یا پورب کی طرف ہٹ کر بنے، مگر یہ جگہ ہرگز کسی دوسرے کام کے لیے نہیں ہو سکتی، اگرچہ وہ کام ایسا ہی ہو جس میں توہم توہین وتلویث بھی نہ ہو، غسل خانہ تو غسل خانہ ہے یوں ہی حوض و حجرہ مسجد تو مسجد کسی وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں، شرط واقف کا اتباع مثل اتباع نص شارع واجب ہے۔

کتب معتمدہ میں تصریح ہے:

"شرط الواقف كنص الشارع في وجوب الاتباع والعمل"(۱)

شرط واقف نص شارع کی طرح ہے واجب العمل اور قابل اتباع ہونے میں۔ (مترجم)

و نیز تصریح ہے:

"لا يجوز تغيير الوقف عن هيئته فلا يجعل الدكان خاناً. اه."(۲)

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں، لہذا دوکان کو سرائے نہیں بنا سکتے۔ (مترجم)

مسجد کا تو ہر ایسی چیز سے بچانا لازم ہے جس میں توہم اہانت وتلویث، ہو نہ کہ اسے حوض و غسل خانہ

---

(۱) [مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف فصل إذا بنى مسجداً: ۲/۳۸۶]

کردینا۔ولاحول ولا قوة إلا باللّٰه العلی العظیم۔

مسجد میں دنیا کی باتیں کرنا جائز نہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی اپنی گمی چیز وہاں دریافت کرے تو ان سے بجائے بتانے کے یہ کہا جائے: ''لاردها اللّٰه علیک'' خدا تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے۔ مسجدیں اس لیے نہیں بنیں۔ یہ حدیث کا ارشاد ہے نہ کہ اسے موضع صلاۃ وذکر جس کے لیے وہ بنی تھی اس سے نکال کر اس کی یہ حرمت باطل کر کے جو بات حرام تھی اس کے لیے کردینا، وہ لوگ جو اس شنیع ارادہ ونیت پر جمے ہوئے ہیں وہ کیا ہیں، اگر خود واقف بعد تمام مسجدیت ایسا کرنا چاہتا ہرگز نہ کرسکتا، متولی ہوتا تو اس کی تولیت توڑ دی جاتی۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

خارج مسجد کسی کی ملکیت میں ہے تو اس میں حوض وغیرہ کوئی چیز بنانا جائز نہیں

۶۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مکرمی قبلہ از خادم عبد الجبار دست بستہ آداب خادمانہ قبول ہو، اس استفتا کے جواب کی اشد ضرورت ہے، جہاں تک ممکن ہو جلد سے جلد تحریر کریں۔ کہ مسجد سے ملحق ایک چبوترہ افتادہ ہے جسے اکثر حضرات زید کا جانتے ہیں، مگر متولی مسجد نے چبوترہ پر وضو کے لیے ایک حوض بنوادیا، اور پانی کا ٹانکا بھی رکھ دیا، اب نمازی لوگ اسی چبوترہ کو فرش مسجد میں شامل کرلینا چاہتے ہیں۔ تو زید راضی نہیں ہے، اور کہتا ہے کہ زمین ہماری ہے لیکن لوگ دلیل میں رشید احمد گنگوہی کے فتاویٰ ج ۳ ص: ۹۶ کی یہ عبارت کہ بحالت تنگی وضرورت جبراً جگہ لے کر مسجد میں بڑھانا درست ہے۔ پیش کرتے ہوئے جبریہ، کہ اس چبوترہ کو مسجد میں شامل کرلینا چاہتے ہیں۔ اس لیے ضروری سوالات دریافت طلب مندرجہ ذیل ہیں:

اول:۔ یہ کہ چبوترہ مذکورہ جبریہ مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اگر مسجد سے ملی ہوئی زمین جو کہ دوکان کے لیے موجود ہے اسے نہ شامل کیا جائے، اور جبریہ زید کا چبوترہ لے لیا جائے، تو اس مسجد میں کسی کی نماز ہوگی۔ اور یہ کہ چبوترہ مذکورۂ بالا بغیر رضا مندی زید وضو کرنا درست ہے یا نہیں، اگر نادرست ہے تو ایسے وضو سے نماز درست ہوتی ہے۔ فقط۔ بینوا توجروا۔

موقع کی حالت سمجھنے کے لیے یہ نقشہ ہے:
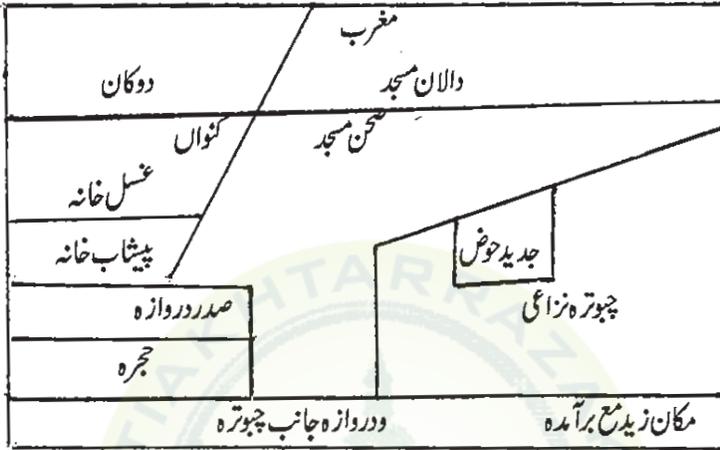
از مدنپورہ بنارس، مرسلہ عبد الرحمن صاحب معرفت عبد الجبار، عبد الغنی، صاحبان ۲۳ محرم الحرام ۵۳ھ

الجواب

جب کہ چبوترہ مسجد کا نہیں، زید کا مملوک ہے تو اس میں بلا اجازت زید حوض بنانا متولی پر حرام تھا، اس نے ظلم کیا۔ جن لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ زمین مسجد کی نہیں، ملک غیر ہے، اور وہ اس سے راضی نہیں کہ وہاں وضو کیا جائے، انہیں وہاں وضو کرنا حلال نہیں۔ اگر چہ یہ وضو ہو جائے گا، مگر بے اجازت مالک اس کی زمین میں وضو کرنے کا الزام ان کے سر ضرور ہوگا۔ متولی پر لازم ہے کہ حوض وہاں سے ہٹائے، پانی کی ٹنکی وہاں سے اٹھائے، جو لوگ چبوترہ کو زبردستی مسجد میں جبریہ شامل کرنا چاہتے ہیں، بحالے کہ مسجد کو ضرورت نہیں۔ یا اس کی ضرورت اس کی اپنی زمین پوری کر سکتی ہے، جسے ان لوگوں نے دوکان بنانے کے لیے رکھ چھوڑا ہے تو وہ لوگ ظالم، جفا کار ستم گر زیاں کار ہیں۔ حق اللہ و حق العبد میں گرفتاری کو طیار ہیں۔ یہ حکم کہ دوسرے کی زمین کر ہا لی جاسکتی ہے اسی وقت ہے جب اس کی حاجت ہو، بے حاجت وضرورت ہرگز یہ حکم نہیں۔ گنگوہی نے بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ ضرورت ہو یا نہ ہو بہر حال پرائی زمین دبا کر مسجد میں شامل کر دو۔ اس کے لفظ بھی یہ ہیں۔ درحالت تنگی وضرورت۔

ہاں اگر واقعی مسجد کی وسعت کی ضرورت ہے اور جتنی وسعت کی حاجت ہے وہ اس کو شامل کرنے پر بھی حاصل نہیں ہو سکتی، جس میں دوکان چاہی جاتی ہے۔ یا وہ زمین برائے دوکان ہی واقف نے رکھی ہے۔ دوکان، کی شرط کر لی ہے۔ تو اس صورت میں قدر ضرورت وحاجت بازار بھاؤ سے اس زمین کی

معنی نہ سمجھ لیے جائیں کہ وہ دے یا نہ دے زبردستی اس کی زمین جبراً اس سے چھین کر مسجد میں شامل کردو۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کی قیمت اسے دی جاے اور وہ زمین مسجد میں داخل کرلی جاے۔ بیچے وہ خوشی یا باکراہ۔ناگواری کے ساتھ اکثر کتب معتبرہ معتمدہ فقہیہ میں یہ مسئلہ مصرحہ ہے۔

مثلاً مجمع الانہر میں ہے: "لو ضاق المسجد على المصلين وبجنبه أرض لرجل تؤخذ أرضه بالقيمة ولو كرهاً"(۱) اگر مسجد نمازیوں پر تنگ ہوجائے اور اس کے پاس کسی شخص کی زمین ہو تو اس کی زمین قیمت دے کرلی جائے، اگر چہ وہ مجبوراً دے۔ (مترجم)

جس صورت میں اس چبوترہ کا مسجد میں بے اجازت زید داخل کرنا ناجائز ہے، اس صورت میں جتنے حصہ میں نماز مکروہ ہوگی، کہ وہ زمین مغصوب ہوگی، باقی مسجد تو مسجد ہے، اس میں اس سبب سے کہ ایک حصہ غصباً داخل کیا گیا ہے۔ کیوں کر مکروہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں قبر بنانا حرام اور پہلے سے موجود قبر کے گرد دیوار بنا کر اس پر سلپ جائز

مسئلہ: (۶۸)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک مسجد کے صحن میں مسجد کی زمین میں ایک قبر تھی، اس صحن کو مسجد اونچی کرنے کے لیے اونچا کیا گیا، اس کے ساتھ قبر بھی اونچی کی گئی، پھر مسجد کو اونچی کرنے کی ضرورت پڑی، اس مرتبہ اس قبر کے چاروں طرف اینٹ کی دیوار قبر سے کچھ اونچی چن لی گئی، اور اوپر سے بند کردی گئی۔ اور قبر اندر سے محفوظ ہوگئی، اور اوپر سے تمام صحن برابر کردیا گیا، اب عرض یہ ہے کہ:

(۱) اس جگہ پر جس کے نیچے قبر ہے پتھر کا تعویذ رکھنا اور اس کے آس پاس کٹہرا بنانا جائز ہے یا نہیں؟۔

(۲) صحن کی اس جگہ میں جس کے نیچے قبر ہے چلنا پھرنا، اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

از احمد آباد کالوپور پانچ پٹی باڑ مسجد گجرات، مرسلہ مولوی ابراہیم صاحب۔ ۲۲ ربیع الاول ۵۳ھ

الجواب

مسجد کی زمین میں قبر کا اگر یہ مطلب ہے کہ نفس مسجد میں وہ قبر بنائی گئی تو یہ حرام کام ہوا۔ جن لوگوں نے ایسا کیا وہ سخت گناہ گار ہوے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ قبل مسجدیت اس زمین میں کوئی قبر تھی اس

---

(۱) [مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الوقف، فصل في إذا بنى مسجداً: ۲/۳۸۳]

قطعہ کو مسجد بنایا گیا تو جتنی زمین میں قبر ہے وہ مسجد سے مستثنیٰ وہ مسجد نہیں، صحن بلند کیا گیا اور سطح برابر کرنے کے لیے قبر کے اردگرد سے کچھ اونچی دیوار چن کر اوپر سے پاٹ کر قبر اندر کر دی اس میں حرج نہیں، اچھا کیا۔ اس جگہ جس کے نیچے قبر چھپ گئی ہے نماز میں کچھ حرج نہیں، جب کہ پٹاؤ قبر سے ملاصق نہ ہو قبر سے جدا ہو، وہاں آنا جانا کھڑا ہونا، نماز پڑھنا سب جائز ہے کہ وہ قبر نہیں، قبر اس کے نیچے ہے۔ وہاں کٹہرا نہ لگایا جائے، کہ اس سے مقصد فوت ہوگا۔ یہ عمل تو اسی لیے کیا گیا، کہ صحن مسجد کی سطح مستوی ہو، اور صفوف متصل ہوں، بیچ بوجہ قبر قطع صف نہ ہو، کٹہرا لگایا جائے گا تو یہ سارا کیا دھرا ملیا میٹ ہو جائے گا۔ یوں ہی نشان ہرگز نہ بنایا جائے، اس جگہ نشان قبر اگر رکھنا ہو کہ لوگ جان سکیں، کہ یہاں قبر ہے، فاتحہ ایصال ثواب کر سکیں، تو کوئی ایسا نشان بنائیں جو سطح سے بلند نہ ہو، کہ قطع صف کرے، یا ٹھوکر ہو سکے۔ نہ ایسا ہو کہ لوگ اس چھت ہی کو قبر سمجھ لیں، اور وہاں نماز پڑھنے، آنے جانے، کھڑے ہونے سے رکیں، اتنی جگہ کو رنگ سے ممتاز کر دیں۔ سارے صحن کا ایک رنگ ہو اتنی جگہ کا دوسرا رنگ، اور ایک تختی لٹکا دی جائے کہ یہاں ایک قبر ہے، جو پٹاؤ کے نیچے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کوئی بھنگی مسلمان پاک وصاف مسجد میں آئے تو اسے ہرگز نہ روکا جائے

مسئلہ: (۶۹)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

یہاں چند گھر مسلمان حلال خور (بھنگی) ہیں، بعض کی صرف عورتیں پاخانہ کماتی ہیں، اور بعض مرد وعورت دونوں یہ پیشہ کرتے ہیں، لیکن یہ لوگ پابند صوم وصلاۃ بھی ہیں، اور پاک وصاف ہو کر مسجدوں میں فریضہ نماز باجماعت ادا کرنے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ مذہب کا خون کرنے پر تل گئے ہیں، یعنی یہ کہ مسلم حلال خوروں کو جمعہ وجماعت عیدین کے لیے مسجدوں میں نہیں جانے دیتے، لہٰذا از روئے شریعت مطہرہ بیان فرمائیے کہ کیا واقعی شریعت کا یہ حکم ہے، کہ مسلم حلال خوروں کو داخلۂ مسجد سے روکا جائے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو روکنے والوں کا کیا حکم ہے؟

از شاہ پور مسئولہ عبد الحسین خاں صاحب معرفت حاجی غلام حسین صاحب ساکن ملوک پور بریلی۔ ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

الجواب

مذہب اسلام چھوت نہیں رکھتا۔ یہ ہندوؤں کا مذہب ہے، جب وہ بھنگی پاک کپڑوں، پاک جسم، سے مسجد
آتے ہیں تو جولوگ انہیں روکتے ہیں، محض اس لیے کہ وہ پیشہ خبیث کرتے ہیں، خود مجرم اور ظالم ہیں۔

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي
ابِهَا﴾(۱)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکیں ان میں نام خدا لیا جانے سے اور ان کی
نی میں کوشش کرے۔

اس سے ڈریں توبہ کریں، ان بھنگیوں کو حلال خور سوال میں لکھا، حالانکہ وہ حلال خور نہیں، انہیں
م خور کہیں تو بجا ہے۔ وہ کسب خبیث حرام ہے، اور اس کی اجرت غیر طیب، ان پر فرض ہے کہ وہ اس
بث پیشہ کو ترک کریں، جب تک وہ اس کو ترک نہ کریں مسلمان ان سے میل جول نہ رکھیں، ملیں جلیں
ں۔ یہ چھوت کے لیے نہیں، بلکہ سزا کے طور پر، مگر مسجد سے روکنے کا انہیں کوئی استحقاق نہیں، جب کہ وہ
ے کپڑوں پاک جسم سے آتے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ہمیشہ مسجد رہے گی (لاہور کی مسجد شہید گنج کا واقعہ)

۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

علمائے اسلام اور دیانت وتقویٰ شعار اہل علم کی توجہ ذیل کے معاملہ کی طرف مبذول کرائی جاتی
،، امید ہے کہ احکام شرعی صادر فرمائے جاویں گے۔

لاہور میں مسجد شہید گنج کی تحریک نے اب ایک پیچیدہ صورت اختیار کی ہے، کیوں کہ بعض
لمانوں نے اس سے اختلاف کرنا شروع کیا ہے، جن کو عام مسلمان لاہور غدار وغیرہ کے القاب سے یاد
تے ہیں، وہ اس تحریک کو بے کار قرار دیتے ہیں، جس کی بنا پر عام مسلمانوں میں یہ شبہات پیدا ہو رہے
ں۔

(۱) آیا مسجد شہید گنج کو شرعاً مسجد قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور جب اس کو سکھوں نے گورنمنٹ
اعانت وحفاظت میں گرایا ہے، تو کیا اس زمین کو اب مسجد کا حکم حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) اس کی حفاظت کے جذبہ میں سرشار ہو کر جن مسلمانوں نے اس کے گرانے کو اپنے مذہب پر اور اس کے ضمن میں اپنی مذہبی عزت پر ایک شدید حملہ سمجھا، اور بہ حیثیت مسلمان اپنی عزت کو بچانے کی غرض سے مسجد شہید گنج میں جانا چاہا، اور بصورت ممانعت بطور احتجاج راستہ پر بیٹھ گئے، اور محض اس جرم کی پاداش میں کہ مسجد اور اپنی عزت کی حفاظت کی غرض سے وہ راستہ پر سے نہ ہٹتے تھے، ان پر آتش بازی کی گئی، جس سے ان پرامن نہتوں کی جانیں تلف ہوگئیں، آیا وہ شرعاً شہید ہیں یا نہیں؟

(۳) مسجد مذکور کو موجودہ قانون مسلمانوں کے حوالہ کرانے میں اپنے آپ کو عاجز بتاتا ہے، اس لیے عدالت اس امر میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرتی، لیکن مسلمانوں میں یہ بقدرت ضرور ہے کہ وہ اس کاروائی کے خلاف زبانی احتجاج کریں، پرامن مظاہرے کر کے مخالفین کو مجبور کریں کہ وہ توہین مسجد سے باز آجائیں، ان کی یہ کاروائی ان کے لیے باعث ہلاکت نہیں ہوسکتی، بلکہ اگر کوئی تکلیف جرمانہ یا قید کی اس کے مقابلہ میں ان کو پہنچے گی بھی تو وہ قابل برداشت ہوگی، اس لیے اس بارے میں پرامن احتجاج اور مظاہرے کرنا مسلمانوں کے لیے من حیث المذہب ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از سرائے خام مدرسہ اشاعت العلوم مرسلہ علی حسین بریلی۔ مورخہ ۲۷ ربیع الثانی ۵۴ھ

الجواب

لاہور کی مسجد شہید گنج ہو یا کہیں کی کوئی مسجد، جو مسجد ہے وہ ہمیشہ کے لیے مسجد ہے، اس کی مسجدیت کبھی کسی وقت نہیں جاسکتی، مسجد کے شہید کر دینے سے اس کی مسجدیت باطل نہیں ہوسکتی، سکھوں نے شہید کی ہو یا کسی نے، وہ مسجد جیسے شہید ہونے سے پہلے مسجد تھی، یوں ہی اب بھی مسجد ہے، اور قیامت تک مسجد رہے گی، عیاذاً باللہ کافروں کے قبضہ میں مسجد آجانے سے کسی کے نزدیک اس کی مسجدیت نہیں جاتی، کعبہ برسہا برس قبضہ کفار میں رہا، جس کے گرداگرد مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت رکھے، ہر دن ایک نئے بت کی پوجا کرتے، اس قبضہ سے کعبہ غیر کعبہ نہیں ہوگیا، وہاں بتوں کے نصب کرنے اور پوجا ہونے سے قبلہ بت خانہ نہیں بن گیا، وہ جیسا خالصاً للہ تعالیٰ برائے قربت وطاعت الٰہی پہلے تھا، یوں ہی جب رہا، یوں ہی اب ہے، یوں ہی ابدالآباد تک رہے گا۔ اسی طرح مسجد کا وہ بقعہ طاہرہ جو خالصاً للہ تعالیٰ برائے طاعت وقربت وقف کیا گیا وہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں تھا جیسا جب تھا، ویسا ہی سکھوں کے قبضہ میں چلے جانے کے بعد رہا۔ ویسا ہی مسجد کی عمارت شہید ہو جانے کے بعد اب ہے۔ اصل مسجد تو وہ موضع صلاۃ ہے، عمارت ہو یا نہ ہو، جو جگہ مسجد ہوگئی مسجد ہی رہے گی۔ إلا عند محمد في بعض الصور وهذه

سوائے امام محمد کے بعض صورتوں میں جب کہ یہ صورت ان سے خارج ہے۔(مترجم)

عنایہ میں فرمایا:

"في زمان الفترة قد كان حول الكعبة عبدة الأصنام ،ثم لم يخرج موضع كعبة به ،أن يكون موضعاً للطاعة و القربة،خالصاً لله تعالىٰ.فكذلك في سائر مساجد."(۱)

زمانۂ فترت میں کعبہ کے اردگرد بت تھے اس کے باوجود بھی موضع کعبہ، خالصاً للہ برائے طاعت بت رہا،لہٰذا تمام مساجد کا بھی یہی حکم رہے گا۔(مترجم)

مسجد کی ابدیت ان بعض کتب معتمدہ کی ان عبارات سے روشن۔

حاوی قدسی وتنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

"ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام .والثاني أبداً ٰ قيام الساعة وبه يفتي"(۲)

اگر مسجد کے اردگرد کا حصہ ویران ہو جائے اور اس کی حاجت نہ رہے تو بھی امام صاحب کے ٰیک وہ مسجد ہی رہے گی،اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ تا قیامت مسجد کہلائے گی،اسی پر فتویٰ ہے (مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

"قوله:ولو خرب ماحوله الخ.أي : ولو مع بقائه عامر أو كذا لو خرب يس له ما يعمر به وقد استغنى الناس عنه لبناء مسجد أخر"(۳)

اردگرد کے ویران ہونے سے مراد یہ ہے کہ مسجد آباد ہو یا پھر ویران ہوگئی ہو اور اس کو آباد کرنے ے لیے کچھ نہیں،جب کہ لوگوں کو نئی مسجد تعمیر کرنے کی وجہ سے اس کی حاجت نہ ہو۔(مترجم)

اسی میں بحر وفتح ومجتبیٰ وحاوی سے تائیدیں لیتے ہوئے فرمایا:

"قوله عند الإمام .والثاني فلا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله ونقل ماله إلىٰ مسجد

---

(۱) [العناية شرح الهداية: فصل اذا بنى مسجد الم يزل ملكه، ۲۳۶/۶]

(۲) [تنوير الأبصار ودر المختار، كتاب الوقف:۴۲۹/۶]

(۳) [ردالمحتار، كتاب الوقف ... ۴۲۹/۶]

آخر سواء كانوا يصلون فيه أولا،هو الفتوىٰ حاوي القدسي ،وأكثر المشايخ عليه مجتبى، وهو الأوجه فتح اه.بحر إذا خرب المسجد، وفي الفتاوىٰ إذاخربت القرية التي فيها المسجد وجعلت مزارع وخرب المسجد ولا يصلي فيه أحد فلا بأس بأن يأخذه صاحبه ويبيعه وهو قول محمد، وعن أبي يوسف لا يعود إلى ملك الباني ولا إلىٰ ملك ورثته وهو مسجد أبداً"(۱)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو میراث نہیں بنا سکتے،اسی طرح اس کو یا اس کے مال کو دوسری مسجد میں بھی نہیں لگا سکتے خواہ لوگ اس میں نماز پڑھتے ہوں یا نہ پڑھتے ہوں، حاوی میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اور مجتبیٰ میں ہے اکثر مشائخ کا یہی موقف ہے، فتح کا بیان ہے کہ یہی وجہ ہے،.بحر میں آیا جب مسجد ویران ہوجائے جب کہ فتاوی میں مذکور ہوا کہ وہ بستی تباہ ہوجائے جس میں مسجد ہو اور اس کو کھیتوں میں تبدیل کردیا گیا اور کوئی اس میں نماز نہ پڑھتا ہو، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: کہ مسجد کا اس کو لے سکتا ہے اور بیع بھی جائز ہے، جب کہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے کہ وہ مسجد بانی یا اس کے ورثہ کی ملک نہیں ہوسکتی بلکہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔(مترجم)

بحر الرائق پھر شامی میں ہے:

"علم أن الفتوىٰ علىٰ قول محمد في آلات المسجد وعلىٰ قول أبي يوسف في تابيد المسجد"(۲)

معلوم ہوگیا کہ مسجد کا سامان وآلات کے بارے میں امام محمد کے قول پر فتویٰ ہے اور دوام مسجد کے سلسلہ میں امام ابو یوسف کے قول پر۔(مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

"إن الفتوىٰ علىٰ أن المسجد لا يعود ميراثاً ولا يجوز نقله، ونقل ماله إلى مسجد آخر."(۳)

بے شک فتویٰ اس پر ہے کہ مسجد کو میراث نہیں بنا سکتے اور اسی طرح اس کو اور اس کے مال کو

---

(۱) [ردالمحتار، كتاب الوقف،مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره: ٦ / ٤٢٩]

(۲) [ردالمحتار كتاب الوقف،مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره:٦/٤٢٩]

سری مسجد میں منتقل بھی نہیں کر سکتے۔(مترجم)

حاشیہ علامہ سیدی ابن عابدین علی الدرر میں ہے:

"أي : قوله ينصرف مفرع على قول الإمام أبي يوسف أن المسجد إذا
رب يبقى مسجداً أبداً."(١)

ماتن کا قول"ينصرف" یہ امام ابو یوسف کے قول پر تفریع ہے کہ مسجد ویران ہونے کے بعد بھی
بد ہی رہتی ہے۔(مترجم)

اسی میں ہے:

"علمت أن المفتى به قول أبي يوسف أنه لا يجوز نقله ونقل ماله إلىٰ
سجد آخر كما مر عن الحاوي."(٢)

معلوم ہو کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے یعنی اس کو یا اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل
رنا جائز نہیں۔(مترجم)

فتاویٰ حجہ پھر مضمرات پھر ہندیہ میں فرمایا:

"لو صار أحد المسجد ين قدعاً وتداعىٰ إلى الخراب فأراد أهل السكة بيع
قديم وصرفه في المسجد الجديد فإنه لا يجوز، أما على قول أبي يوسف فلأن
مسجد وإن خرب واستغنى عنه أهله لا يعود إلى ملك الباني، وأما علىٰ قول
حمد وإن عاد بعد الاستغناء ،ولكن إلى ملك الباني وورثته فلا يكون لأهل
مسجد على كلا القولين ولاية البيع، والفتوىٰ على قول أبي يوسف أنه لا يعود
ملك مالك أبداً."(٣)

اگر دو مسجدوں میں سے ایک مسجد بوسیدہ ہو جائے اور ویرانی کے دہانے پر ہو، اب محلہ والے
نی مسجد فروخت کر کے نئی مسجد میں اس کا روپیہ صرف کرنا چاہیں تو ان کا یہ عمل جائز نہ ہوگا، امام ابو یوسف
قول پر تو اس لیے کہ ان کا موقف ہے کہ اگر مسجد ویران ہو جائے اور اہل مسجد کو اس کی حاجت نہ ہو تو بھی

---

(١) [ردالمحتار كتاب الوقف،مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره:٦/٤٢٩]

(٢) [ردالمحتار كتاب الوقف،مطلب فيما لو خرب المسجد أو غيره:٦/٤٢٩]

(٣) [الفتاوى الهندية مع الخانية:٢/٤٥٨]

وہ بانی کی ملکیت میں نہیں آسکتی، اور امام محمد کے قول پر اگرچہ عدم حاجت کے وقت وہ ملکیت میں جا سکتی ہے مگر صرف بانی اور اس کے ورثہ کی ملکیت میں۔ لہذا دونوں قولوں پر اہل مسجد کو مسجد فروخت کرنے کا اختیار نہ ہوگا، جب کہ فتویٰ امام ابو یوسف کے قول پر ہے کہ وہ کبھی بھی مالک کی ملکیت میں نہیں جا سکتی۔ (مترجم)

ان عبارات سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن و آشکار ہوا، کہ مسجد شہید گنج مسجد ہی ہے، بستی کے مسلمان اسے وہ تو وہ ہے، کسی ایسی مسجد کو جو بوجہ قدامت بوسیدہ وخراب ہو چکی ہوتی، جس سے استغنا ہو گیا ہوتا، غیر آباد ہو گئی ہوتی، ویرانہ میں پڑ گئی ہوتی، ایسی مسجد کو بھی فروخت نہیں کر سکتے، مسجد شہید گنج کو مسلمان سکھوں یا کسی کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے تو بھی وہ بیع نہ ہو سکتی۔ وہ ہزار بار اگر فروخت کی جائے تو بھی وقف ہی ہے۔ ع: ہزار بار جو یوسف بکے غلام نہیں۔

مسلمانوں کی شامت اعمال کہ ہر معاملہ میں کچھ نہ کچھ لوگ کسی نہ کسی وجہ اپنی ذاتی غرض ومنفعت یا محض خوشامد میں اختلاف کا علم اٹھا لیتے ہیں، یہ بات بھی کوئی اختلاف کی تھی۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العلي العظيم۔ اپنی جہالت سے اسلام ومسلمین کو نقصان پہنچاتے، غلبۂ کفر وکافرین کا موجب ہوتے ہیں، کفار کی امداد واعانت کرتے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

گورنمنٹ کا قانون کہ وہ کسی کے مذہب میں مداخلت نہ کرے گی کبھی دست انداز نہ ہوگی۔ مگر ایسے ہی لوگ ہیں جو حکومت کو اپنے بدعمل سے فریب دیتے ہیں، اور اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے گورنمنٹ کو بدنام کراتے ہیں۔ رعایا میں بداعتمادی پھیلاتے ہیں۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ گورنمنٹ اس قانون ومعاہدہ کے ہوتے ہوئے، مسجد کو مسجد جانتے ہوئے، کیوں کر مسلمانوں کو اس سے روکتی، اور مسلمانوں کی عبادت گاہ سکھوں کو شہید کرنے دیتی، اور سکھوں کی حفاظت کر کے جو مسجد کو شہید کرتے ہیں، ان کی امداد واعانت کرتی۔ جب تک اسے ایسے ہی لوگوں نے کوئی سخت خطرناک فریب نہیں دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اسے گورنمنٹ نے یہی باور کرایا ہو کہ اب وہ مسجد نہ رہی، ایک فریب اور بھی مسموع ہوا ہے کہ جسے مسجد شہید گنج کہا جاتا ہے، یہ در حقیقت مسجد نہیں۔ مسجد نما ایک عمارت ہے جو کسی قاضی کی کچہری تھی۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ان دشمنان عقل وخرد کو یہ معلوم نہیں کہ مسلمان کوئی عمارت مسجد نما نہیں بناتے، کیا کوئی اور عمارت ایسی دکھائی جا سکتی ہے جو مسجد نما ہو، مسجد نہ ہو۔ قاضی کچہری کی بھی ایک ہی ہوئی۔ ان جہلا کو کیا معلوم کہ

ن میں یہی تھا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تو کیا اس سے وہ مسجدیں نہ رہیں۔ قاضیوں کی کچہریاں
ں۔ والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ، وھو تعالیٰ أعلم۔

(۲) مساجد بیوت اللہ ہیں، اللہ کے دین کا شعار عظیم ہیں۔ اور کسی شعار دین کی ادنیٰ سے ادنیٰ
، ہرگز مسلمان برداشت نہیں کرسکتے، بے شک بے شک شعار دین پر حملہ دین پر حملہ ہے، مسلمانوں کی
ہی عزت پر حملہ نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کی دینی عزت پر بھی، جس پر مسلمان اپنی عزت وآبرو، اپنی جان
، تن من دھن سب کچھ قربان کردینے کا سچا جذبہ رکھتے ہیں، اور جو بن پڑے اور جس کی ان کا دین
ب اجازت دے وہ سب کچھ کرگزرنے کو تیار رہتے ہیں۔ مسجد شہید گنج یقیناً شعار دین ہے، مسجد کی
ظت وصیانت فرض مبین ہے، جہاں تک جس جائز طریقہ سے ہوکرنا ناگزیر ہے، کلیجہ اس مسلمان
انے والے کا دیکھو جو ان مسلمانوں کو جنہوں نے مسجد کی حفاظت وصیانت چاہی، اور مسجد کی حفاظت
انت چاہتے ہوئے اپنی جانیں جان آفریں کے سپرد کردیں۔ شعار دین پر اپنی قربانیاں
ادیں۔ اللہ کے راستہ میں اپنی جانیں نثار کیں، انہیں حرام موت مرنے والا کہے۔

حدیث تو ارشاد فرمائے:

((من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد، ومن قتل
ن دينه فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد))(۱)

جو اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے، اپنی جان، اور اپنے دین کی حفاظت میں، اور اپنے گھر
لے کی حفاظت میں قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ (مترجم)

اور یہ برخلاف حکم حدیث کہے: نہیں نہیں جو مسجد کی حفاظت وصیانت میں مارے گئے وہ شہید نہ
ئے۔

حدیث فرماتی ہے: اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوے، اپنے گھر والے، یا کسی قرابت والے کی
ام سے حفاظت میں بلکہ اپنے مال کی حفاظت میں جو مارا جاے، وہ شہید ہے، دین کی حفاظت تو دین کی
اظت ہے۔

تیسیر شرح جامع صغیر میں حدیث مذکور کی شرح میں علامہ مناوی قدس سرہ یوں فرماتے ہیں:

"من قتل دون ماله أي: عند دفعه من يريد أخذه ظلماً فهو شهيد: أي: في

حكم الآخرة لاالدنيا،ومن قتل دون دمه: أي : في الدفع عن نفسه فهو شهيد،ومن قتل دون دينه: أي : في نصرة دين الله والذب عنه فهو شهيد،ومن قتل دون أهله: أي : في الدفع عن بضع حليلته أو قريبته فهو شهيد،في حكم الآخرة لا الدنيا؛ لأن المؤمن محترم ذاتاً ودماً وأهلاً ومالاً، فإذا أريد منه شيء من ذلك جاز له الدفع عنه، فإذا قتل بسببه فهو شهيد"(۱)

جوحفاظت مال میں یعنی اس شخص سے مال کو بچانے میں جو کہ اس کو ظلماً ہڑپ کرنا چاہتا ہو مارا جائے وہ شہید ہے،یعنی حکم اخروی کے اعتبار سے نا کہ دنیا میں،اسی طرح جوحفاظت جان میں مارا جائے وہ بھی شہید ہے،نیز جو دین کی مدد اور اس کے دفاع میں مارا جائے،اسی طرح جو اپنی زوجہ کی یا کسی قریبی کی عزت کے دفاع میں قتل کر دیا جائے وہ بھی حکم اخروی کے اعتبار سے شہید ہے نا کہ دنیوی اعتبار سے،اس لیے کہ مومن کی ذات،خون،اہل اور مال محترم ہیں،لہٰذا ان میں سے کسی چیز کو چھیننے کا ارادہ کیا جائے تو اس کو حق دفاع حاصل،اب اگر وہ اس کی وجہ سے مارا جائے وہ شہادت کا درجہ پائے گا۔(مترجم)

جو ان لوگوں کو حرام موت مرنے والا بتاتا ہے،اس کے طور پر یہی نہیں بلکہ جو مسلمان اذان پر یا قربانی گاؤ پر شہید ہوتے رہے،وہ سب بھی حرام موت مرے،اور یہی نہیں بلکہ تیرہ سو برس کے اندر جتنے لوگ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے مارے گئے وہ سب معاذ اللہ ایسی ہی حرام موت مرے۔**ولا حول ولا قوة إلا بالله.**

قرامطہ ملعون نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا،ہزار حجاج کو قتل کیا،جن میں بڑے بڑے حضرات علما بھی تھے،اولیا تھے،وہ قتل ہوتے رہے،اور گاجر مولی کی طرح کٹتے رہے،مثلاً حضرت شیخ علی بابویہ صوفی۔

اعلام الاعلام میں ہے:

"لم يقطع طوافه علي بأبويه وجعل يقول:

ترى المحبين صرعىٰ في ديارهم.

كفتية الكهف لايدورن كم لبثو.

والصيوف تقفوه إلى أن سقط ميتاً رحمه الله تعالىٰ."

آں جناب نے طواف جاری رکھا،تلواریں پڑ رہی ہیں،اور وہ طواف قطع نہیں فرماتے، وہاں

بھاگنا کیسا طواف جاری رکھتے ہوئے یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا۔

ترع المحبین الخ تو محبوں کو ان دیار میں مدہوش پائے گا جیسے اصحاب کہف کہ انہیں خبر نہیں وہ کہف میں کتنا رہے۔

یہاں تک کہ شہید ہوگیے۔ وہ صحابۂ کرام جو انواع انواع آلام دیئے گئے، اور سخت ایذاؤں کے قتل کیے گئے کہ اپنا فرض چھوڑ دیں، انہوں نے ساری ایذائیں تکلیفیں اور آلام خوشی سے برداشت قتل ہونا منظور کیا مگر جسے فرض جانتے تھے نہ چھوڑا۔ یہ معاذ اللہ شہید نہ ہوئے بلکہ ازالۂ منکر فرض ہے، کے تین مرتبے حدیث میں ارشاد ہوئے کہ فرمایا:

((من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبقلبه، وإن لم يستطع سانه وذلك أضعف الإيمان))(۱)

جو تم میں کوئی منکر دیکھے تو اس پر لازم ہے، کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹادے اگر اس کی استطاعت کھتا ہو تو زبان سے اور اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو دل سے اسے برا جانے اور یہ اضعف ایمان ہے۔

مسجد جو شعار دین ہے، اس کا گرانا یا کسی طرح اہانت کرنا بھی ضرور منکر اعظم ہے، اور ضرور اس کا لہ جس طرح ہو سکے مگر جائز طور پر وہ لازم ہے، مسلمانوں میں یہاں اس کی استطاعت نہ تھی، کہ وہ مسجد مانے والوں کو بقوت روکتے، ان پر جہاد کرتے، حملہ آور ہوتے، تو انہوں نے ایسا نہ کیا کہ یہ اس حالت اس کی انہیں اجازت نہ تھی، اب دوسری صورت یہ تھی کہ زبان سے احتجاج کریں، اپنی حق بات کا ب روشن طریقہ پر اثبات کریں، غیروں کے باطل دعویٰ کا واضح طور پر ابطال کریں، مسجد میں اور مسجد راستوں میں بیٹھ جائیں کہ پہلے مسجد والوں کو ختم کردو، پھر مسجد کو ہاتھ لگاؤ۔ اتنا ہجوم ایک ساتھ ایک ت بالحاح کہے، شاید ان پر اثر انداز ہو۔ انہوں نے اپنا فرض ادا کرنا چاہا مضطر ہو کر شہید گنج کی طرف لے، بدنام کنندگاں حکومت نے انہیں روکا وہ رک گئے، پھر جذبہ حفاظت وصیانت سے متاثر ہو کر ھے، پھر روکے گئے، بار بار یہی ہوا، آخر کار ان نہتوں پر جن سے کسی طرح کسی خطرناک کاروائی کا ریشہ صحیح نہیں تھا، حکومت نے آتش بازی کی، اور جانے کتنے مجروح ہوئے، کتنے شہید، کتنی بیویاں بیوہ ئیں، اور کتنے بچے یتیم، کتنے گھر بے چراغ ہوئے، اور کتنے مکانات ماتم کدہ بن گئے۔

امر بالمعروف اور ازالہ منکر میں اگر کوئی ضرر لاحق ہو تو ترک حلال ہے، لازم نہیں، بلکہ کرنا افضل

ہے۔ جو مسلمان اسے سن کر کے ازالہ میں مارے گئے، وہ خدا کی راہ میں شہید ہوے۔

تیسیر شرح جامع صغیر میں حدیث مذکور کی شرح یوں ہے:

"من رأى أي : علم منكم يامعشر المسلمين المكلفين القادرين ! منكراً أي : شيئاً قبحه الشرع فعلاً أو قولاً فليغيره بيده وجوباً شرعاً أو عقلاً، فإن لم يستطع الإنكار بيده بأن ظن لحوق ضرر به فبلسانه أي : بالقول كاستغاثة أو توبيخ أو أغلاظ بشرطه، فإن لم يستطع ذلك بلسانه لوجود مانع كخوف فتنة ، أو خوف علىٰ نفس ، أو عضو، أو مال، فبقلبه ينكره وجوباً بأن يكرهه ويعزم أنه لو قدر فعل وذلك أي : الإنكار بالقلب أضعف الإيمان"(۱)

اے مکلف برائی سے روکنے پر قادر گروہ مسلم جب تم سے کوئی برائی دیکھے جس کے کرنے یا کہنے کو شریعت قبیح قرار دیتی ہو، تو اس پر اس برائی کو روکنا شرعا یا عقلا واجب ہے۔ اور وہ ہاتھ سے روکنے پر قادر نہ ہو، مثلاً اسے نقصان پہنچنے کا گمان ہو تو زبان یعنی بات، کلام سے روکے، مثلاً استغاثہ کرے، زجرو توبیخ کرے۔

اور اگر وہ کسی مانع کے سبب زبان سے روکنے پر قادر نہ ہو مثلاً فتنہ، جان، مال یا کسی عضو کی ہلاکت کا خوف ہو تو دل سے اس کو برا جاننا واجب ہے، نیز یہ عزم رکھے کہ اگر وہ اس پر قادر ہوتا تو ضرور روکتا، اور دل سے برا جاننا کمزور ترین ایمان ہے۔ (مترجم)

فتاویٰ خلاصہ میں فتاویٰ صغریٰ سے ہے:

"الأمر بالمعروف يحل وإن كان يلحقه الضرر غالباً، أو يعلم يقيناً، وفي فتاوىٰ القاضي الإمام: إذا رأى الرجل منكراً من قوم وهو يعلم أنه لو نهاهم عنه قبلوا منه فإنه لا يسعه أن يسكت ويترك ، وإن كان يعلم لو نهاهم لا يستمعون وسعه أن يترك والنهي أفضل ،وإن علم أنهم يضربونه أو يستمونه لو نهاهم وسعه أن يتركه."

امر بالمعروف جائز ہے اگر چہ ایسا کرنے سے مصلح کو عام طور پر ضرر پہنچتا ہو، یا اسے ضرر کا یقین کامل ہو۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی قوم کی جانب سے برائی دیکھے اور وہ یہ جانتا ہے کہ اگر اس نے ان لوگوں کو اس برائی سے روکا تو وہ اس کی بات مان لیں گے، تو اسے امر بالمعروف ترک

نا اور خاموش رہنا جائز نہیں، اور اگر یہ یقین ہو کہ اگر وہ منع کرے گا تو وہ لوگ نہ مانیں گے، اس صورت
اسے ترک کی گنجائش ہے البتہ منع کرنا افضل ہے، اور اگر اس کو یہ علم ہو کہ اگر اس نے ان لوگوں کو منع کیا
ہ اسے ماریں گے یا برا بھلا کہیں گے تو اس وقت اسے ترک امر بالمعروف کی اجازت ہے۔ (مترجم)

مسلمان اگر مجبور تھے تو اس سے کہ شہید کرنے والوں کو اپنے زور بازو سے روکیں۔ ان پر حملہ آور
، جہاد کریں، زبانی منع کرنے، اس پر فرداً فرداً احتجاج کرنے، تھک کر الحاح کرنے اور دوسرے جائز
یقوں سے روکنے سے تو مجبور نہ تھے، جو کر سکتے تھے اس کا کرنا تو ان کے ذمہ لازم و فرض تھا۔ یا قانوناً یہ
منع تھا، پھر جب مسلمانوں نے اپنا فرض ادا کیا اور وہ فرض ادا کرتے ہوئے حکومت کو بدنام کرنے
ں کے گڑھے ہوئے اندیشہ کی بنا پر گولیوں سے ظلماً شہید ہوئے، تو وہ کیوں شہید نہ ہوئے، اور کیوں
م موت مرے۔ کسی کے گھر پر کوئی ظالم قوم چڑھ آئے، اور وہ اپنی چلتی جائز طریقوں سے اپنے گھر کی
ظت چاہے، اور گھر کو ڈھانے سے باز رکھنے کی کوشش کرے، اس پر انہیں ظالمین میں کی کوئی ٹولی وہ
کا تعلق حکومت سے ہو، زبردستی اس مظلوم کو حکومت کا مجرم، فسادی، امن عامہ کو برباد کرنے والا ٹھہرا کر
ت کو اس سے اندیشہ اور خطرہ بتا کر قتل کر دیں، وہ مظلوم مرے تو حرام موت مرے گا؟ کیا انصاف
۔ جب اپنے گھر کی اور اپنے مال کی حفاظت میں جو قتل کیا جائے بحکم حدیث وہ شہید ہے۔ تو یہ تو خدا
ھر کی حفاظت وصیانت چاہتے ہوئے شہید ہوئے ہیں، ہم حکومت کو ملزم نہیں کہہ سکتے، اس نے جو کچھ
غلط یا صحیح اندیشہ فساد کی بنا پر کیا، اگر حکومت پر اس الزام کا جواب ہمارے خیال میں نہیں تو اس نے جیسے
یشہ فساد کی بنا پر مسلمانوں کو روکا تھا یوں ہی سکھوں کو مسجد کے شہید کرنے سے کم از کم اس وقت ہی روک
تے، اور نہ اس الزام کا ہماری سمجھ میں کوئی معقول جواب ہے، کہ حکومت کے ایسے لوگ جو خطرناک
وائیاں کر گزرتے ہیں۔ حکومت ان کی تحقیقات کر کے انہیں سزا کیوں نہیں دیتی۔ اس کا ایسا اعتبار
ں کرتی ہے، کہ انہیں آئے دن ایسی غلط اور پر خطر کاروائیاں کرنے کی جرأت ہوتی ہے۔

ہاں ایک ہی صورت ہے جس سے گورنمنٹ مسلمانوں کی اشک سوئی کر سکتی ہے، وہ یہ کہ جو کچھ
حکومت نے دانستہ یا نادانستہ غلطی کی اور نا قابل تلافی نقصان پہنچایا، کافی تحقیقات کے بعد اس کا ان
انتقام مسلمانوں کی جانب سے لے۔ اور مسجد شہید گنج مسلمانوں کے حوالہ کرے۔ سید حبیب اور جن
دہ خطا لوگوں کو عمال حکومت نے بے وجہ گرفتار کیا ہے انہیں آزاد کرے۔ دو آنکھیں خدا نے اسی
ت سے دی ہیں، کہ دونوں جانب نظر کی جائے۔ حکام کی حمایت ضرور حکومت پر لازم ہے، کہ اگر
کی حمایت نہ کی جائے تو حکام کام نہ کر سکیں، رعایا سے ان پر اندیشہ زیادتی ہو مگر رعایا کی رعایت بھی

حکومت کا فرض ہے، اگر وہ ادھر نظر التفات نہ کرے گی، تو وہی نتیجہ ادھر ہوگا، کہ حکام رعایا پر ظلم توڑیں گے، اور اس پر زیادتی کریں گے، جو حاکم غلطی کا ارتکاب کرے اسے سرزنش کرنا لازم، اور جیسی غلطی ہو ویسی سزا ضرور۔ گورنمنٹ جیسے اپنے معاملات میں خطا پر فوری سزا دیتی ہے اور جیسے تحقیقات کرتی ہے، ویسی ہی تحقیقات ویسی ہی سزا اس خطا پر کی جائے۔ ماننا نہ ماننا اس کے اختیار ہے۔

ہم نیک وبد سے آپ کو آگاہ کر چکے　　　　مانو نہ مانو اس کا تمہیں اختیار ہے

تقریر بالا سے روشن ہوگیا کہ مسلمانوں پر مسجد کی حفاظت وصیانت لازم ہے، وہ ان کا فرض ہے۔ جائز طریقوں سے تا حد امکان اس میں سعی کریں، جو امر جائز اور مفید ہو اسے کریں، اور ناجائز ونامفید سے بچیں۔ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہو، پرامن احتجاج اور مظاہرے اگر مفید ہوں، اور کر سکتے ہوں تو بے شک کریں، اپنا فرض کسی کی کراہت کی وجہ سے اور کسی کی خوش نودی سے ہرگز ترک نہیں کیا جاسکتا۔ مگر جب کہ اس سے ضرر رسانی کا اندیشہ ہو۔ جب قانون اس سے مانع نہیں تو کوئی اندیشہ نہیں، ایسا قانون ہو بھی نہیں سکتا۔ آخر عام اضطراب اور بے چینی کا اظہار اور کس طرح ہوسکتا ہے۔ اور حکومت کو اس کا علم اور کیسے کرایا جاسکتا ہے، اگر ایسا قانون ہو تو کیا اس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ نہ تڑپنے کی اجازت ہے، نہ فریاد کی ہے۔ ہرگز کوئی قانون ایسا نہ ہوگا، اور اگر ہو جائے، تو جب بھی اتنا ہی ہوگا کہ لزوم نہ ہوگا وبس۔

قیود دین ومذہب سے آزادوں نے احرار اسلام اپنا نام رکھا ہے: ”ما علی مثلہ یعد الخطاء“ ان کی دینی آزادی جس موقع پر انہیں جیسا چلاتی ہے، ویسا چلتے ہیں۔ کشمیر جتھے بھیجنا لازم تھا۔ وہاں مسلمانوں کو قید وبند کی مصیبتوں میں ڈالنا، ان کا فرض تھا۔ دشمنان دین کے ہاتھوں مسلمانوں کے اپنے گلے کٹوانے کے لیے تیار کرنا ضرور تھا۔ اپنا یہ فرض ادا کر رہے تھے، اس لیے یہ غدار نہ تھے۔ دین کے دوست دار تھے، دشمن نہ تھے۔ غدار اور دشمن دین وہ تھا جو انہیں ایسا کرانے کو منع کرتا۔ اب شہید گنج کے معاملہ میں جو مسلمان شہید ہوئے، وہ حرام موت مرے کہ یہ کام انہوں نے ان کی سرپرستی میں رہ کر انجام نہ دیا۔ فرض تو جب ادا ہوتا جب ان سے پوچھ کر کرتے۔ ان کی مجلس سے باضابطہ اجازت لیتے۔ جب انہوں نے ان سے نہ پوچھا تو حرام کیا، اور حرام موت مرے۔ سید حبیب وغیرہ نے انہیں نہ پوچھا اور ان کے حرام کاروں کی حمایت نہ کی، ان کی مجلس سے اجازت نہ لی، اس سے بڑھ کر غداری اور دین سے عداوت ان کے نزدیک اور کیا ہوسکتی۔ ولاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم۔

مسجد میں اذان مکروہ ہے

۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مسجد کے اندر اذان ثانی دینا جائز ہے یا نہیں؟ مع الدلائل حوالہ کتب۔ بینوا توجروا۔

از بنگال فرید پور مسئولہ مولوی عبدالمجید صاحب قادری رضوی۔ جمادی الاولیٰ ۵۴ھ

الجواب

مسجد کے اندر جمعہ کی اذان ثانی ہو یا کوئی اذان دینا مکروہ ہے۔ یہ امر روز روشن سے زائد روشن کے دکھا دیا گیا۔ ہٹ دھرمی کا کسی کے پاس علاج نہیں، رسائل اہل حق ملاحظہ کیجیے۔ اس میں حدیث واقوال ائمہ وحدیث سے ہے۔ اس کی کراہت اور اذان کے باہر ہونے کی سنیت کے بے شمار ثبوت ں گے، دو چار عبارتیں اس وقت پیش کی جاتی ہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"ينبغي أن يؤذن على المئذنة أو خارج المسجد ولا يؤذن في المسجد"(۱)

مناسب یہ ہے کہ اذان مینار پر دی جائے یا مسجد کے باہر، لیکن مسجد میں نہ دی جائے۔ (مترجم)

فتاویٰ امام فقیہ النفس قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں بھی یہی ہے۔

عالمگیری میں اسی سے لیا ہے، بعینہ یوں ہی خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"إنما يكون في المئذنة أو خارج المسجد والإقامة في داخله."(۲)

بے شک اذان منارہ پر یا خارج مسجد میں دی جائے اور اقامت داخل میں۔ (مترجم)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں امام فخر زیلعی فرماتے ہیں:

"النسة أن يكون الأذان في المنارة والإقامة في المسجد."(۳)

---

(۱) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، باب الثاني في الأذان، فصل ثاني: ۱/۷۲]

(۲) [غنيه المستملى شرح منية المصلى:]

(۳) [تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق: ۱/۹۲]

سنت یہ ہے کہ اذان گاہ منارہ میں ہو اور اقامت مسجد کے اندر۔ (مترجم)

فقہا ارشاد فرمائیں مسجد میں اذان نہ دی جائے، مسجد میں اذان مکروہ ہے۔ مگر ہٹ دھرم ایک نہیں سنتے، اپنے ائمہ کی نہیں سنتے تو حال کے مولوی عبدالحی صاحب کی کون سنے گا، جنہوں نے حاشیہ شرح وقایہ میں تشریح کی کہ خارج مسجد اذان ہونا مسنون والمسنون هو الثاني. شاید مولوی صاحب کے تلامذہ یا ان کے تلامذان کا یہ قول دیکھ کر اپنی ہٹ سے باز آئیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اذان خطبہ بھی مسجد سے خارج کہی جائے گی

(۷۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

(۱) شہر گلشن آباد عرف ناسک کی تمام مسجدوں میں اذان ثانی جمعہ (جو دراصل پہلی اور ایک ہی اذان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفا راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ مبارک میں تھی) بالکل منبر کے متصل آہستہ دی جانے کا خلاف سنت رواج پڑ گیا تھا، اسی موافق خطبہ مخلوط بزبان اردو وخلاف سنت متوارثہ پڑھا جاتا تھا۔ اس فقیر نے تحقیق وتدقیق کے بعد شہر کی جامع مسجد مین اذان خطبہ خارج از محل صلاۃ مسجد کے دروازہ پر خطیب کے سامنے دی جانے کا اور خطبہ خالص عربی زبان میں پڑھے جانے کا رواج بہ نیت احیا سنت متروکہ جاری کیا۔ دو سال تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا، آخر ماہ صفر ۵۴ھ عبد اللہ نامی مولوی سورتی گجراتی ناسک تشریف لائے، ان میں شہر خطیب کے رشتہ داروں میں سے شیخین صاحب بڑے صاحب خطیب اور مصلیوں میں سے مسمیٰ چاند خاں ابن حاجی ولی خاں، مراد خاں وشیخ حنیف الدین وغیرہ کے شامل ہو کر مولوی صاحب موصوف کو بہ بہانہ وعظ تاریخ ۲۹ رصفر ۱۳۵۳ھ بروز جمعہ مسجد جامع میں لائے، اور اذان خطبہ جو بالکل مطابق سنت نبوی۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔ خارج از محل صلاۃ دی جاتی تھی موقوف کرا کے منبر کے قریب خطیب کے روبرو بالکل آہستہ سے دلوائی، اور شیخین صاحب خطیب نے خلاف سنت متوارثہ خطبہ مخلوط بزبان اردو پڑھا۔

بعد از نماز مولوی صاحب نے وعظ فرمایا، لیکن اذان وخطبہ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔ وعظ کے بعد مسجد سے باہر تشریف لے گئے، اس وقت مولوی صاحب فرمانے لگے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ پر خطیب کے روبرو دیا جانا سنت ہے۔ اور زمانہ حال میں چونکہ مصلی عربی نہیں جانتے ان کے وعظ ونصیحت کے لیے خطبہ بزبان اردو پڑھنا بہتر ہے۔ افضل [illegible]

ں مولوی حافظ محمد اسماعیل صاحب برکاتی نقشبندی رئیس ستانہ ضلع ناسک نے فرمایا: کہ اعلیٰ حضرت شاہ
د رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجدد مأۃ حاضرہ نے کئی رسالہ وفتویٰ اذان وخطبہ کے متعلق شائع
مائے، اور بدلائل ثابت کیا، کہ اذان خطبہ جمعہ خارج از محل صلاۃ دینا ہی سنت ہے۔ مسجد کے اندر منبر کے
ریب اذان دینے سے یہ اذان جو کہ اصل اذان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، اذان ہی
یں رہتی۔ مولوی صاحب کچھ جواب ہی دینے کو تھے کہ سلسلہ بحث شیخ حنیف الدین نے اس طرح منقطع
یا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے کئی ہزار مسلمانوں کو کافر بنا دیا، ان کے صاحبزادے نے ایک کافر کو
سلمان کیا تو کیا ہوا۔ (یہ اشارہ طعنہ تھا اعلیٰ حضرت کے وہابیوں کے خلاف فتویٰ شائع کرنے کی
رف) سلسلۂ بحث ٹوٹ گیا۔ اذان خطبہ خارج از محل صلاۃ خطیب کے روبرو بین یدیہ وعلی باب المسجد
ینا ہی سنت ہے۔ لیکن یہ سنت مردہ ہوگئی تھی۔ اس فقیر نے محض احیا سنت کی وہ اس پر ثواب حاصل کرنے
ی نیت سے حضور اقدس ﷺ وخلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مبارک زمانہ میں جیسی
لہ دروازہ پر دی جاتی تھی، ، وانی شروع کی، دو سال تک کسی نے کسی طرح کی مزاحمت نہ کی، دو سال تک
اری ہوئی۔ سنت کو جبراً موقوف کرا دینے والے اور اس فعل کو خلاف سنت سمجھنے والوں کے حق میں کیا وعید
ئی، اور کس گناہ کے مرتکب ہوے۔

(۲) اذان خطبہ خارج از محل صلاۃ دینا احناف کے نزدیک سنت ہے، ترک سنت سے اذان مکروہ
ریمی ہوجاتی ہے۔ ترک سنت پر اصرار اور خلاف سنت فعل کو عین سنت سمجھنے والوں کے حق میں کیا وعید آئی
ہے؟۔

(۳) ترک سنت کی عادت واصرار پر جو اذان دی جاے، اسی اذان سے خطبہ ونماز صحیح ہوگی
ہیں؟

(۴) اور جو مسلمان ترک سنت پر ہٹ دھرمی کرے، ان کے حق میں کیا وعید آئی ہے؟

(۵) اسی موافق خطبہ مخلوط بزبان اردو یا اور کوئی زبان میں پڑھے اور مخلوط زبان میں خطبہ پڑھنے
اصرار کرے، اور عادت ڈال لیوے، اور مصلی بھی مخلوط خطبہ پڑھے جانے پر اصرار کرے تو ان کا خطبہ
ماز ہوجاے گی یا نہیں؟

(۶) جو امام یا خطیب اذان خطبہ محل صلاۃ میں خطیب یا امام کے روبرو دیئے جانے پر اصرار
رے اور اسے عین سنت سمجھے، اور مصلیوں کی خاطر مخلوط زبان میں خطبہ خلاف سنت متوارثہ پڑھا
رے، اور ایسے فعل کو افضل جانے کہ مضمون خطبہ مصلیوں کی سمجھ میں آتا ہے، اور انہیں وعظ ونصیحت کا کام

دیتا ہے، جو خطبہ کی غرض ہے ایسے خطیب یا امام کی امامت درست ہے یا نہیں، اور ایسے امام کی اقتدا کی جائے یا نہیں؟

(۷) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مکتوبات شریف جلد اول مکتوب (۱۹۷) میں فرماتے ہیں: بدعت بر دو نوع ست: حسنہ وسئیہ، حسنہ آں عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آں سرور وخلفائے راشدین۔ علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام أتمها ومن التحیات أکملها۔ پیدا شدہ ورفع سنت نہ نماید وسیئہ آں کہ رافع سنت باشد۔

اذان خطبہ جمعہ جو حضور اقدس وخلفائے راشدین۔ علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام۔ کے زمانۂ مبارک میں مسجد کے دروازہ پر خارج از محل صلاۃ دی جاتی تھی، اسے منبر کے قریب محل صلاۃ میں دلانا اور اسی موافق حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضون اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مبارک زمانہ میں خطبہ خالص عربی زبان میں پڑھا جاتا تھا، اسے مخلوط زبان میں پڑھنا بدعت سیئہ ہے یا نہیں۔ یہ دونوں فعل رافع سنت اصلی ہیں یا نہیں؟۔

(۸) ان دونوں فعلوں کو جائز وافضل سمجھ کر کرنے والوں کا بدعتیوں میں شمار لگایا جائے یا نہیں؟ اور جو امام یا خطیب یہ دونوں فعل خود کرے اور روا رکھے، اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے امام یا خطیب کی اقتدا میں نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

(۹) اذان خطبۂ جمعہ کے وقت قاضی شرع جو مسجد میں نماز کے لیے حاضر تھا، اس نے اذان جمعہ کے متعلق مسئلہ بیان کیا، فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں مثلاً غنیۃ۔ شرح وقایہ۔ بہار شریعت۔ فتاویٰ رضویہ۔ وفتاویٰ مبارکہ بریلی وغیرہ میں اذان ثانی جمعہ خارج از محل صلاۃ مسجد کے دروازہ پر خطیب کے روبرو دی جانی سنت ہے۔ اور اس نے (قاضی نے) جو جگہ اس اذان کے لیے مقرر کی ہے وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے زمانہ مبارک کی سنت کے مطابق ہے، مسجد کے اندر منبر کے متصل آہستہ اذان دینا خلاف سنت ومکروہ تحریمی ہے، اس پر مصلیوں میں سے ایک شخص قاضی کو ڈانٹ کر کہتا ہے ہم تمہارے دل میں سے نکالا ہوا حکم نہیں مانتے۔ کسی شہر میں بھی یہ رواج نہیں، ہونے دیں گے۔ خطیب صاحب منبر پر بیٹھے ہوئے سن رہے ہیں۔ انہوں نے زبان تک نہیں ہلائی، بلکہ خاموشی علامت رضاست کے مطابق مؤذن کو مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل خود کے روبرو آہستہ سے اذان دلوائی اور خطبہ بھی مخلوط بزبان اردو پڑھ دیا۔ مصلیوں میں سے ایک شخص مسمیٰ کھڑے

اہیے، اور جواب دینا چاہیے، حدیث کی اصل عبارت اس شخص نے تلاوت نہیں کی، خطیب صاحب
ماحبان موصوف اور جو مصلی ان کے اس فعل میں شریک ہوں گے وہ آیت شریفہ:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾(۱)

اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

کے تحت قاضی شرع کی جو کہ اولی الامر میں شمار ہوتا ہے، نافرمانی وہتک کے علاوہ اور کن کن گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

پہلا شخص جو قاضی شرع کے مستند فقہ کی کتابوں میں سے بیان کئے ہوئے شرعی مسائل کو ایسی بے دری وحقارت سے تعبیر کرے، اور ان کے نہیں جاننے پر اصرار کرے وہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے نہیں۔ دوسرا شخص پہلے کی تائید میں احکام فقہی کے خلاف جو حدیث کا مکمل ترجمہ سنائے اور خطیب ماحب جو دل سے قاضی شرع کے بتائے فقہی مسائل کو جھوٹ جانے اور ان مسائل کے خلاف عمل کرے ہ کن کن گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں، گو اسلامی حکومت نہ ہو تاہم مذہبی امورات میں قاضی شرع اولی لامر کی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں۔ اگر رکھتا ہے تو ایسی ہستیوں پر شرعاً کیا حد مقرر ہے، اسلامی حکومت نہ ہونے سے قاضی شرع گو شرعی حد جاری کرنے سے مجبور ہے، تاہم عام مسلمانوں کو یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ ایسی ہستیاں شرعاً سزا کی مستحق ہیں۔

آیت شریفہ:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (۲)

پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے اسے اللہ ورسول کی حضور رجوع کرو۔

کے متعلق اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ اذان خطبہ جمعہ مسجد کی سیڑھیوں پر دلوانے کا اور خطبہ جمعہ خالص زبان عربی میں پڑھا جانے کا دو سال کا طویل زمانہ گزر گیا، خطیب صاحب جب کبھی نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد میں شریک رہے، اذان ثانی مسجد کی سیڑھیوں پر جہاں قاضی نے اذان دلوانا ٹھہرایا تھا دیئے جانے پر مزاحمت نہیں فرمائی، گو خطبہ مخلوط بزبان اردو خطیب صاحب پڑھ دیا کرتے، خطیب صاحب نماز جمعہ کے لیے جامع مسجد میں مہینوں شریک نہیں رہتے، اور ان کی عدم حاضری میں قاضی شرع خطبہ ونماز

---

(۱) [سورۃ النساء: ۵۹]

(۲) [سورۃ النساء: ۵۹]

پڑھادیا کرتا۔صاحبان موصوف کو یا خطیب صاحب کو اذان یا خطبہ کے متعلق کسی قسم کا شک نہیں گذرا، دونوں صاحبان موصوف اور ان کے ساتھی کا کوئی جمعہ قضا نہیں ہوا، دوسال کے عرصہ میں قریب ۱۰۲ جمعہ کی نمازیں اس طرح ادا کیں، اور ہمیشہ قاضی شرع کی تعریف کرتے رہے، کہ قاضی صاحب جب سے وطن کو پنشن لے کر آئے جامع مسجد میں نماز جمعہ مطابق شرع شریف سنت نبوی۔علیہ الصلاۃ والسلام۔وفقہ حنفی کے مطابق ادا ہوتی ہے، مولوی عبد اللہ کے آجانے سے دفعۃً انہیں احساس ہوا کہ اذان ثانی مسجد کے دروازہ پر خارج از محل صلاۃ دی جانا خلاف سنت ہے۔

بالفرض اگر یہ بھی مانا جائے کہ مولوی عبد اللہ نے یہ مسئلہ انہیں بتلایا، تو اس کا فرض تھا کہ قاضی شرع سے دریافت کرتے، کہ مولوی عبد اللہ اذان وخطبہ کے متعلق ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں، اس کے نزدیک کیا دلائل ہیں، کوئی تین ہفتہ مولوی عبد اللہ کا قیام ناسک رہا، بلکہ مولوی صاحب موصوف کو قاضی شرع نے بلا کر ان مسئلوں میں دریافت کیا تو ہنسنے لگے، کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب مرحوم ایک ضعیف حدیث پر عمل کرانا چاہتے تھے۔اب وہ فوت ہوگئے، حال کے مفتی کفایت اللہ صاحب جید عالم مفتی ہیں، ان سے اس بارے میں مسئلہ دریافت کیا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے، میں بیمار ہوں بیماری کی وجہ سے کل جمعہ کے دن وعظ کو بھی نہیں جاسکوں گا، میں ان مخمصوں میں پڑنا نہیں چاہتا، لیکن جب کہ اگر مصلیوں کی خواہش ہے کہ اذان منبر کے قریب مسجد (محل صلاۃ) میں دیجائے، اور خطبہ مخلوط بزبان اردو پڑھا جائے، تو آپ خواہ مخواہ کیوں منع کرتے ہو، احمد رضا خاں صاحب نے ہر جگہ ایسے فساد برپا کر دیئے ہیں، دفع شر کے لیے بہتر ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل نہ کیا جائے، مولوی عبد اللہ دیوبندی عالم ہیں، دیوبندی عالموں کے معتقد نظر آتے ہیں، دیوبندی علما مثلاً رشید احمد، اشرف علی، عبد الشکور وغیرہ کی فقہ کی کتابوں پر مولوی عبد اللہ کا دارومدار تھا، سنن ابو داؤد شریف کی حدیث کو بے ساختہ ضعیف فرمادیئے، اور آخر میں صاف کہہ دیا کہ مفتی کفایت اللہ کے فتویٰ منگوا کر ان پر عمل کیا جائے۔دیوبندی عقائد کے مولوی صاحب ہونے کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ مولوی عبد اللہ مکہ مکرمہ شریف میں حکومت کی طرف سے عرب کے بچوں کو اردو سکھانے پر مقرر ہیں۔اور ان کا ایک لڑکا امینیہ مدرسہ میں پڑھتا ہے، اسے مکہ شریف لے جانے ہندوستان آئے تھے، اور دہلی جاتے جاتے ماڑواڑ گئے، خود کے قول وقرار پاسداری کا لحاظ اتنا نہ تھا کہ بیماری کی وجہ سے وعظ کے جانا نہیں ہوگا، نہ میں وعظ کہوں گا، نہ آپ کے کاموں میں دخل دوں گا۔ایسا وعدہ کر کے بھی آپ نے وعدہ خلافی کی، مسجد جامع میں تشریف لے

گئے ... [illegible]

تحقیق مسئلہ کی ضرورت ہوتی تو قاضی شرع کی جس جمعہ کے دن مخالفت کی اور اس کے بتاے ہوے
ل کو ٹھکرا دیا (غالباً یہ واقعہ تاریخ ۱۰ ربیع الثانی کا ہے) اس کے بعد آج تک مصلیوں میں سے کسی نے
یب نے جھوٹ بھی ان مسائل کی تحقیق کے لیے قاضی کے گھر جانے کی تکلیف گوارہ نہ کی۔ حالانکہ
ی نے انہیں ۱۲ ربیع الثانی بروز اتوار تحقیق مسائل کے لیے گھر پر آنے اور کتابیں دیکھنے کے لیے بلایا
تھا۔

قاضی شہر تو حسب فرمان آقائے نامدار سرکار دوعالم علیہ الصلاۃ والسلام:

((من أحيٰ سنتي فقد أحبني ومن أحبني كان معي في الجنة))(۱)
جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت
میرے ساتھ ہوگا۔ (مترجم)

((من أحيٰ سنة من سنتي قد اميتت فإن له من الأجر مثل أجرمن عملها
الناس لا ينقص من أجورالناس شيئاً))(۲)
جس نے میری متروک سنت کو جاری کیا، تو اسے اس سنت پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب
گا جب کہ ان کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ (مترجم)

(۳)((من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد))(۳)
جس نے وامت کے وقت میری سنت کی حمایت کی/اس پر عمل کیا، تو اسے سو شہیدوں کا ثواب
گا۔ (مترجم)

اجر وثواب کا مستحق ہو گیا لیکن جن جن ہستیوں نے جاری کی ہوئی سنت متروکہ کو جبراً موقوف
ادیا، اور اپنے اس فعل پر اصرار بھی کرتے ہیں، تو کس وعید کے مستحق ہوتے ہیں۔ ترک سنت پر تو یہ وعید
ہے کہ ((من ترک سنتي لم ينل شفاعتي.)) فقط ترک سنت پر یہ وعید ہے تو جاری کی ہوئی سنت
وکہ کو جبراً موقوف کرانے کا گناہ تو ترک سنت سے بہت زیادہ ہونا چاہیے۔

ایک بات اور قابل غور ہے کہ مولوی عبداللہ کے بہکانے سے خطیب صاحب اور ان کے ساتھی

) [كنز العمال، كتاب الإيمان والإسلام، حديث: ۹۲۹-۱/۱۰۵]

) [سنن ابن ماجه، كتاب السنة، باب احيا سنة قد أميتت، حديث: ۲۱۰-۱/۹۳]

) [مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، حديث: ۱۷۶-۱/۵۲]

دیوبندی مثلاً رشید احمد، اشرف علی، وغیرہ جن پر حرمین شریفین سے کفر کا فتویٰ جاری کیا گیا، ان کے بتائے ہوئے فتووں پر عمل کیا گیا، تو ان صاحبوں کا شمار دیوبندی علما کے مقلدین میں ہوگا یا نہیں؟ ناظرین خود فیصلہ کریں۔

از ناسک مرسلہ قاضی چراغ دین صاحب ڈپٹی کلکٹر ریٹائر مورخہ ۲۰ رشعبان المعظم ۱۳۵۴ھ۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) "اللهم إني أعوذبك من ترك السنن وانتهاكها.

اذان خطبہ ہی وہ اذان ہے جو عہد کریم حضور نبی رؤف ورحیم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں پیش خطیب خارج مسجد دی جاتی تھی، اور زمانہ خلافت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی ایک اذان اسی طرح دی جاتی رہی، جب زمانہ حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مدینہ طیبہ کی آبادی زائد ہوگئی، تو حضرت نے ایک اذان، اذانِ خطبہ سے قبل مقام زوراء میں اضافہ فرمائی، اور اذان خطبہ بدستور خارج مسجد رکھی، ہشام کے زمانہ میں وہ زوراء والی اذان بھی مسجد کی طرف منتقل ہوآئی، اسی لیے ہمارے تمام علمائے کرام ائمہ فخام قاطبۃً اپنی تصنیفات عالیات میں برابر کھلی کھلی تصریحات فرماتے آئے، کہ خارج مسجد اذان مسنون ہے، مسجد بمعنی موضع صلاۃ میں اذان مکروہ ہے، داخل مسجد اذان نہ دی جائے۔

علامہ ابراہیم حلبی غنیّہ میں فرماتے ہیں:

"الأذان إنما يكون في المئذنة أو خارج المسجد والإقامة في داخله."(۱)

اذان منارہ پر یا خارج مسجد میں دی جائے اور مسجد کے اندر۔ (مترجم)

علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں قہستانی اور وہ نظم سے ناقل:

"يكره أن يؤذن في المسجد"(۲)

اسی میں فتح القدیر سے ہے:

"فإن لم يكن ثمة مكان مرتفع للأذان يؤذن في فناء المسجد"(۳)

مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ (مترجم)

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي:۳۶۲]

(۲) [حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان:۱۹۷]

اگر وہاں اذان دینے کے لیےکوئی بلند مقام نہ ہوتو فنائے مسجد میں اذان دی جائے۔(مترجم)

قہستانی میں ہے:

”لا يؤذن في المسجد فإنه مكروه .اه“(۱)

مسجد میں اذان نہ دی جائے کیوں کہ یہ مکروہ ہے۔(مترجم)

عامۂ کتب میں ہے:

”لا يؤذن في المسجد.“نیز:”يكره الأذان في المسجد.“

مسجد میں اذان نہ دی جائے، مسجد میں اذان مکروہ ہے۔(مترجم)

فتح القدیر میں امام ابن الہمام فرماتے ہیں:

”قوله:والمكان في مسئلتنا مختلف، يفيد كون المعهود اختلاف
كانهما وهو كذلك شرعاً والإقامة في المسجد ولابد أما الأذان فعلى المئذنة
ن لم يكن ففي فناء المسجد، وقالوا : لا يؤذن في المسجد“(۲)

امام اتقانی غایۃ البیان“اور امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح القدیر میں
ص باب الجمعہ میں فرماتے ہیں:

”هو(أي : الأذان)ذكر الله في المسجد: أي : في حدوده، لكراهة الأذان
داخله.اه“(۳)

اذان ذکر الٰہی ہے جسے حدود مسجد میں ہونا چاہیے، اس لیے کہ اذان مسجد کے اندر مکروہ ہے۔
ترجم)

فقہائے کرام کے باب الاذان میں یہ ارشادات کہ:

”يكره الأذان في السمجد.“اور:”لايؤذن في المسجد“(٤)

مسجد میں اذان مکروہ ہے، مسجد میں اذان نہ دی جائے۔(مترجم)

---

(۱) [الفتاویٰ الهنديه، كتاب الصلاة ، باب الثاني في الأذان:۱/۷۲]

(۲) [فتح القدير، كتاب الصلاة باب الأذان:۱/۲۵۰]

(۳) [فتح القدير، كتاب الصلاة،باب الجمعة:۲/۵۶]

(٤) [الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة،باب الثاني في الأذان:۱/۷۲]

ہر سمجھ والے کے نزدیک عام ہیں، کہ ہر ایک اذان کو شامل ہیں۔ مگر بعض ہٹ دھرم زبردستی یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ اذان پنج گانہ کے لیے ہے، اذان خطبہ اس سے مستثنیٰ ہے، مگر ان دونوں جلیل اماموں نے خاص باب الجمعہ میں یہ فرما کر ان معاندوں کی دہن دوزی فرما دی، اور اس ہٹ دھرمی کی پوری خبر گیری رسائل اہل حق میں کافی طور پر کی گئی جس کے اعادہ کی یہاں حاجت نہیں ہے، مسجد میں اذان یقیناً مکروہ خلاف سنت ہے۔

مدخل امام محمد بن الحاج میں نہی عن الاذان فی المسجد کی خاص ایک فصل قائم فرماتے ہیں:

"فصل في النهي عن الأذان في المسجد وقد تقدم إن للأذان ثلثة مواضع: المنار وعلىٰ سطح المسجد، وعلى بابه، وإذا كان ذلك كذلك فيمنع من الأذان في جوف المسجد بوجوه: أحدها إنه لم يكن من فعل من مضي. الثاني إن الأذان إنما هو نداء للناس ليأتوا إلى المسجد ومن كان فيه فلا فائدة لندائه؛ لأن ذلك تحصيل حاصل، ومن كان في بيته فإنه لا يسمع من المسجد غالباً، وإذا كان الأذان في المسجد على هذه الصفة فلا فائدة له وما ليس فيه فائدة يمنع. الثالث إن الأذان في المسجد فيه تشويش على من هو فيه يتنفل أو يفعل غير ذلك من العبادات التي بنى المسجد لأجلها، وما كان بهذه المثابة فيمنع لقوله عليه الصلاة والسلام: لا ضرر ولا ضرار فى الاسلام۔" اھ. مختصراً.(١)

یہ فصل نهي عن الأذان في المسجد کے تعلق سے ہے، پہلے یہ گزر چکا کہ اذان کے تین مقامات ہیں، (١) مینار (٢) مسجد کی چھت، (٣) مسجد کا دروازہ، جب بات یوں ہے تو مسجد کے اندر اذان دینا چند وجوہ کے پیش نظر ممنوع ہوگا۔ (١) یہ اسلاف کا طریقہ نہیں ہے۔ (٢) اذان لوگوں کو مسجد کی طرف بلانے کے لیے دی جاتی ہے، لہذا جو مسجد میں ہے اس کو بلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ تحصیل حاصل ہے، اور جو گھر پر ہو وہ مسجد کے اندر سے پکارنے کو عام طور پر سن نہیں پاتا، لہذا جب اذان اس طور پر دی جائے تو اس کا فائدہ ہوگا، اور بے فائدہ چیز ممنوع ہے۔ تیسری خرابی یہ ہے کہ مسجد میں اذان سے نمازیوں کا ذہن منتشر ہوگا جب کہ مسجدیں نماز ہی کے لیے بنی ہیں، اور جس فعل سے یہ خرابی پیدا ہوا سے روکا جائے گا، اس لیے کہ سرکار فرماتے ہیں کہ: اسلام میں نہ مصیبت میں پڑنا ہے اور نا ہی دوسرے کو

کلیف دینا ہے۔(مترجم)

اذان اعلام غائبین کے لیے ہے،اذان خطبہ اعلام غائبین کے لیے نہ ماننا اعلام حاضرین کے لیے جاننا نری ہٹ دھرمی،اور تغییر سنت ہے،اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عہد رسالت سے اولِ عہد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہی ایک اذان تھی تو یقیناً اعلام غائبین ہی کے لیے تھی،ایک اذان مزید اعلام کے لیے اضافہ ہوئی،اس نے اس اذان خطبہ کا مقصود نہ بدل دیا،مسجد میں اذان سے اعلام غائبین نہ ہوگا،اور شی اپنے مقصود سے خالی ہوتی ہے تو باطل ہو جاتی ہے،مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں۔

ابھی مدخل امام ابن الحاج سے گزرا:

"إذا كان الأذان في المسجد علىٰ هذه الصفة فلا فائدة له،وماليس فيه فائدة يمنع"(۱)

جب اذان اس صفت پر ہوتو اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے،اور جو چیز بے فائدہ ہو اسے روکا جائے گا۔(مترجم)

نیز علما فرماتے ہیں:

"اذا خلا الشيء عن مقصود بطل."

شی جب اپنے مقصود سے خالی ہوتو باطل ہو جاتی ہے۔(مترجم)

جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں،وہ یہی نہیں خلاف سنت اور مکروہ کام کرتے ہیں،بلکہ ایک اذان ہی کو باطل کر دیتے ہیں،جو لوگ ترک سنت کرتے ہیں،یقیناً معاتب ہیں،اس وعید سے ڈریں:

((من ترك سنتي لم ينل شفاعتي.))(۱)

جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میری شفاعت کا حق دار نہیں۔(مترجم)

ان کا یہ عذر مسموع نہ ہوگا،کہ ہم خارج مسجد اذان کو سنت نہیں جانتے،داخل مسجد اذان کو سنت جانتے ہیں،خصوصاً اس صورت میں کہ حدیث وفقہ کے ارشادات سے انہیں بتا بھی دیا گیا،جہل عذر نہیں،بلکہ وہ خود دوسرا وبال ہے،اور جہالت کرنا اور شدید الزام۔جس نے حمایت سنت کی ہوا سے سو شہید

(۱) [مشكاة المصابيح،كتاب الإيمان،حديث:۱۷٦-۱/۵۲]

کے اجر کا حدیث مژدہ دیتی ہے:

((من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد۔)) رواه البيهقي في الزهد عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما.(۱)

جو فساد امت کے وقت میری سنت پر عمل کرے، سنت کی حمایت کرے، تو اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔(مترجم)

خارج مسجد اذان ہونا حدیث سے ثابت، داخل مسجد اذان کی کراہت وممانعت فقہائے کرام کے ارشادات سے واضح، برخلاف حدیث وفقہ یہ کہنا کہ اذان مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ سے دی جانا ہی سنت ہے۔کیسا کھلا عناد اور سخت ہٹ دھرمی اور شدید جہالت ہے۔اللہ عزوجل محفوظ رکھے۔کیا اس کے قائل میں دم ہے کہ وہ کسی ایک ہی معتبر معتمد عالم سے اپنے کسی ایک دعویٰ کی تائید پیش کر سکے۔اس نے یہ دعویٰ کیا ہے، مسجد کے اندر منبر کے قریب ہاتھ دو ہاتھ کے فاصلہ سے۔خطبہ خالص عربی زبان ہی میں ہونا مسنون ہے۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر یہ گندا افترا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ کئی ہزار مسلمانوں کو کافر بنا دیا، یہ ان لوگوں کا پروپیگنڈا ہے، جو اپنے کفروں پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، اور اپنے واضح کفریات کی بنا پر علمائے عرب وعجم کی تکفیر کو بے اعتبار کرنا چاہتے ہیں، یہ شخص جس نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نسبت یہ کہا یا تو خود ان میں کا ایک ہے، یا ان کا دام افتادہ ان کا فریب خوردہ، یہ سب مل کر پوری کوشش سے کسی ایک شخص کا نام لیں کہ فلاں شخص کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے کافر بنایا ہے، ہزار تو درکنار۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ان لوگوں کی تکفیر کی ہے، جنہوں نے جنت ودوزخ کا انکار کیا۔فرشتوں اور شیاطین کا انکار کیا۔نماز وروزہ کا انکار کیا۔اور وہ جنہوں نے اللہ ورسول کی کھلی کھلی توہینیں کیں، اس سبوح قدوس جل مجدہ کو عیبی جانا۔جھوٹ جیسے عیب کو اس سے واقع مانا۔چوری شراب خوری جہل وظلم جیسے عیوب کا اس پاک ذات پر دھبہ لگایا۔حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علم عظیم سے شیطان لعین کے علم کو وسیع بتایا۔شیطان کے لیے علم غیب نص سے ثابت مانا، اور حضور کے لیے ماننے کو شرک بتایا۔یوں یا شیطان کو غیر خدانہ جانا، یا اپنے منہ شیطان کے لیے علم غیب مان کر شرک ہوا۔اور شرک کو نص سے ثابت جانا۔اور وہ جس نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علم شریف کے بارے میں یہ لکھا کہ ایسا علم تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنوں بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے حاصل ہے (معاذ اللہ) اور وہ جس نے حضور خاتم النبیین علیہ

ا ۃ والسلام کے بعد نبوت کی تجویز کی، اور قرآن پر بے ربطی کی لم لگائی۔ حضور کے بعد بلکہ حضور کے
ہ میں کہیں کوئی نبی پیدا ہونے سے ختم نبوت میں کوئی خلل نہ جانا۔ خاتم النبیین کے نئے معنی گڑھے، اور
ی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور آج تک کے مسلمان سمجھتے رہے، اسے خیال عوام
لیا، اور اسے صحیح نہ جانا۔ اور وہ جنہوں نے اپنی نبوت کا ادعا کیا اور جوان جھوٹ مدعیوں کو نبی مانتے یا کم
مسلمان جانتے ہیں۔ اور وہ جنہوں نے حضرت عیسیٰ۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔ یا کسی اور نبی کی توہینیں
ہیں، یا ان کی نبوت سے انکار کیا ہے، اور محض مقدس بھاری واعظ اور ایک مصلح جانا ہے۔ اور جنہوں نے
علی کو خدا مانا، یا خدا کو ان میں رما ہوا ٹھہرایا، یا حضرات اہل بیت کرام کو سوا حضور۔ علیہ الصلاۃ والسلام
انبیا۔ علیہم الصلاۃ والسلام۔ سے افضل جانا۔ جبرئیل امین علیہ الصلاۃ والسلام کو غلط کار اور خائن
لیا، یا غیر نبی مولیٰ علی کو نبوت کا اہل اور حضور۔ علیہ الصلاۃ والسلام۔ نبی الانبیا کو نبوت کے لائق نہ
۔ جن کا عقیدہ ہے کہ نبوت بھیجی تو اللہ نے مولیٰ علی کو تھی اور جبرئیل غلطی سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو
ے گئے۔ اور جنہوں نے اس قرآن کو دخل بشری سے محفوظ نہ جانا۔ بیاض عثمانی ٹھہرایا، یا ناقص بتایا۔
ں نے خدا پر عیب لگایا کہ وہ حکم دے کر پچھتاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ کفریات اور وہ جن کا یہ عقیدہ ہے جو
"إلـہ إلا اللّٰـہ" کہتا ہے، کیسے گندے گھنونے کفری عقیدہ رکھتا ہو، مسلمان اور وہ جو گاندھی کی آندھی
اڑے جنہوں نے کھلے کھلے الفاظ کفریہ بکے اور افعال کفریہ کیے۔

یوں ہی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ہر اس شخص کی تکفیر کی ہے جو ضروریات دین سے کسی ضروری
ی کا منکر ہو۔ ان کے سوا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کسے کافر کہا ہے، کیا لوگ محض نام اسلام رکھ کر اور
ئے کا گوشت کھا کر مسلمان کہے جا سکتے ہیں، کہ ان کی تکفیر پر یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو کافر
۔ والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ۔ یہ دیوبندی لوگوں کا پروپیگنڈا ہے، محض اس لیے کہ ان کی حق تکفیر لوگوں کی
میں بے اعتبار ہو جائے۔ ان لوگوں کے نزدیک کفر کرنا عیب نہیں، کافر کو کافر کہنا عیب ہے۔

﴿قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾(۱)

اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾(۲)

---

۱ [سورۃ التوبۃ: ۳۰]

اوراب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

ہم ابھی آگے چل کر ثابت کریں گے، کہ یہ جھوٹے مفتری دیوبندی جواعلیٰ حضرت قدس سرہ پر تکفیر مسلمین کا جھوٹا افترا کرتے ہیں، خود واقعی تمام دنیا کے مسلمانوں کوکافر، مشرک جانتے ہیں۔ یوں ہی ان لوگوں کی بھی جوضروریات دین کے منکر ہوں۔ تو یہ تکفیر کا رونا رونے والے اپنے طور پر کئی لاکھ یا کئی ہزار مسلمان کہلانے والوں کو کافر کہہ چکے ہیں۔ وہابی مذہب ہی کی بنا۔ مسلمانوں کی تکفیر اور مشرک گری ہے، ان کے نزدیک شرک امور عامہ سے ہے، جس سے کوئی موجود خالی نہیں، ان کے شرک کی بوچھاریں یہی نہیں، کہ تمام زندہ مردہ مسلمانوں ہی پر پڑی ہیں، اور ان کا شرک عالمگیر شرک ہے، بلکہ معاذ اللہ، اللہ ورسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پر بھی ان کا حکم شرک جاری ہے، اس کی بحث جمیل اور اس کے ثبوت جلیل دیکھنا ہوں تو رسالہ مبارکہ ’’اکمال الطامہ علی شرک سوی بالامور العامہ‘‘ دیکھیں۔

یہاں مختصراً صرف اتنی گزارش ہے کہ یہاں وہابی مذہب کا امام اسماعیل دہلوی اپنی کتاب تقویۃ الایمان جس کے متعلق دیوبندی کے امام گنگوہی کی تصریح ہے کہ کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب ہے، اور موجب قوت وصلاح ایمان ہے، اور قرآن وحدیث کا پورا پورا مطلب اس میں ہے، اور ردشرک وبدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال ان کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں اور اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے۔ تقویۃ الایمان میں ایک حدیث کا یہ ترجمہ کرکے کہ بھیجے گا اللہ ایک باؤ اچھی سو جان نکال لے گی جس کے دل میں ہوگا رائی کے دانہ بھر ایمان۔ اس پر یہ فائدہ جڑ دیا۔ سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔ یعنی وہ ہوا چل گئی اور روئے زمین پر کوئی مسلمان باقی نہ رہا، دیوبندیو! اپنے گریبان میں منہ ڈالو، دیکھو تمہاری وہ کتاب جس کا رکھنا تمہارے نزدیک عین اسلام ہے یعنی جہاں وہ نہ ہو وہاں اسلام ہی نہیں، وہ روئے زمین کے تمام مسلمانوں کو کافر کہتی ہے، تو کیا تم روئے زمین سے علاحدہ کسی گوہ کے بھٹے میں آباد ہو، پھر تم کیسے مسلمان، تمہاری کتاب کے طور پر جہان بھر کے مسلمان ہوئے، ہی تم خود بھی کافر ہوئے، یا نہیں؟

﴿كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ (۱)

مار ایسی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر جھوٹا افترا کرنے والو! اعلیٰ حضرت نے کئی ہزار مسلمان کہلانے والوں کو

کافر بنایا۔یا تم نے جہاں بھر کے مسلمانوں کو کافر بناڈالا،اور اس تکفیر جمیع مسلمین کو عین اسلام مانا۔واللّٰــہ لهادي ، وھو تعالیٰ أعلم۔

(۲) مسجد کے اندر اذان مسجد کی بے ادبی اور بدعت ہے،بدعت کو سنت سمجھنا اور سنت کو بدعت سخت وبال عظیم ہے۔اور سنت کو مٹانا اور اس کے معارض فعل کرنا سنت سیۂ ہے،

اور حدیث میں فرمایا:

((من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها إلىٰ يوم القيامة.))(۱)

جس نے براطریقہ ایجاد کیا تو اس پر اس ایجاد کا وبال ہوگا،اور قیامت تک اس پر جو عمل کرے گا س کا بھی گناہ ہوگا۔(مترجم)

اور ایسے شخص کو جو سنت مٹانے کے درپے ہوا سے حدیث میں:

((من ترك سنتي لم ينل شفاعتي.))(۲)

جس نے میری سنت ترک کی وہ میری شفاعت سے محروم رہے گا۔(مترجم)

سے ڈرنا چاہیے،اوپر معلوم ہو چکا کہ جہل عذر نہیں۔

حدیث میں ہے:

((من جادل في خصومة بغير علم لم يزل في سخط الله حتى ينزع))(۳)

جو بغیر علم کسی جھگڑے میں کود پڑا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس وقت تک ناراض رہے گا جب تک کہ وہ سے ترک نہ کردے۔(مترجم)

تیسیر میں اس حدیث کے نیچے فرمایا:

((من جادل في خصومة أي : استعمل التعصب والمراء حتى ينزع أي : ترك ذلك ويتوب منه توبة صحيحة))(٤)

جو کسی جھگڑے میں کودا یعنی اس نے تعصب اختیار کیا اور لڑائی کی یہاں تک کہ اس سے باز

---

۱) [عمدة القاري شرح صحيح البخاري : باب قول الله تعالىٰ، من أجل۔ ٣٤/٢٤]

۲) [الدر المختار : كتاب الحظر والاباحة، ٣٣٧/٦]

۳) [التيسير بشرح الجامع الصغير حرف الميم:٤١٢]

آجائے یعنی اسے ترک کر کے سچی توبہ کرے۔(مترجم)

حدیث میں ہے:

((مـن كـانـت فطرته إلى سنتي فقد اهتدىٰ، ومن كان فطرته إلىٰ غير ذلك فقد ضل))(۱)

رواه الـطبـرانـي فـي معجم الكبير وابن حبان والحاكم باسنادهم كما في الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية."

جس کی فطرت میری سنت اختیار کرنا ہے وہ راہ یاب ہے اور جس کی عادت اس کے علاوہ کی طرف جانا ہے تو وہ ہلاک ہوگیا، اسے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے اور ابن حبان اور حاکم نے بھی بیان کیا ہے، جیسا کہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں وارد ہے۔(مترجم)

اور حدیث میں ہے:

((مـامـن أمة ابـتـدعـت بـعـد نبيها في دينها إلااضاعت مثلها من السنة۔))

روى الطبراني باسناده عن عفيف بن الحارث رضى الله تعالىٰ عنه"(۲)

جس نبی کی امت نے اپنے نبی کے بعد نئی چیز پیدا کی تو اسی کے مثل سنت اس امت نے ضائع کردی۔ اسے طبرانی نے عفیف بن حارث کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔(مترجم)

اور حدیث میں ہے:

((قـال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم:: ((إن الله حجب التوبة عن كـل صـاحـب بدعة حتى يدع بدعته))۔ رواه الطبراني بإسناده عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه))(۳)

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اللہ عزوجل نے ہر بدعتی سے اس وقت تک توبہ چھپادی اور دور فرمادی جب تک کہ وہ اس بدعت کو ترک نہ کرے۔ اسے طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔(مترجم)

---

(۱) [مجمع الزوائد للهيثمي ، باب الاقتصار في العمل والدوام عليه:۲/۲۵۹]

(۲) [الترغيب والترهيب من ترك السنة،حديث:۸۔۔۱/۸۶]

(۳) [illegible]

اور حدیث میں ہے:

((أبی اللّٰہ تعالیٰ أن یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعته۔)) رواہ ابن جة بإسنادہ عن ابن عباس رضي اللّٰہ تعالیٰ عنهما.(۱) واللّٰہ تعالیٰ أعلم."

اللہ تعالیٰ بدعتی کے عمل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک کہ وہ بدعت ترک نہ کرے۔ ے ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سند سے روایت کیا۔ (مترجم)

(۳) اذان مسنون صحت خطبہ وصلاۃ کی شرط نہیں۔ لہذا اذان کے خلاف سنت ہونے سے خطبہ لاۃ کی صحت میں خلل نہیں آتا۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

(۴) اس کا جواب اوپر ہو چکا۔

(۵) خطبہ اگر تمام تر اردو میں پڑھے گا یا مخلوط پڑھے گا تو خطبہ ہو جائے گا، مگر یہ فعل خلاف سنت ا، لوگ اگر اصرار کریں گے کہ نماز بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی، لہذا اردو میں یا کسی ایسی زبان میں جو ہم سکیں پڑھائی جائے تو ان کے لحاظ سے نماز میں بھی ایسا خطیب اردو میں پڑھا کرے گا۔

عہد صحابہ کرام میں بہ کثیر فتوحات عجم کی ہوئیں، اور جوامع بنائی گئیں، مگر کبھی کسی صحابی سے یا بعد صحابہ ں سے ثابت نہیں کہ وہاں کی زبان میں خطبہ پڑھا ہو، ہمیشہ خالص عربی میں ہوتا رہا۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

(۶) اس کا جواب بھی اوپر کے جواب سے واضح ہے، وعظ وتذکیر خطبہ سے پہلے اہل شہر کی زبان کر سکتا ہے یا بعد نماز۔ اس کے لیے سنت کی تغییر کا وبال کیوں لے۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

(۷) خطبہ میں کسی اور زبان کا خلط یقیناً اساءت ہے، اور اذان مسجد کے اندر بدعت رافع سنت ہے۔

مدخل میں اسی فصل نہی عن الاذان فی المسجد میں فرمایا:

"أنظر رحمنا اللّٰہ تعالیٰ وإیاك إلیٰ هذه البدعة کیف جرت إلیٰ بدع ر"اھ(۱)

دیکھو اس بدعت نے کس طرح اور بدعتیں جاری کر دیں، اللہ تعالیٰ ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے۔ رجم)

اوپر معلوم ہو چکا کہ مسجد کے اندر کی اذان اذان ہی نہیں، کہ اس سے غالباً اعلام غائبین نہیں ، تو اندر اذان کہلوانا سنت کی مخالفت اور اس کا رفع ہے، اور اذان کو بے معنی کر دینا۔

مدخل میں ہے:

"الأذان إنـمـاهو نداء إلى الصلاة ومن هو في المسجد لا معنى لندائه، إذ هو حاضر ومن هو خارج المسجد لا يسمع النداء إذا كان النداء في المسجد."(۱)

اذان نماز کے لیے بلانے کی غرض سے دی جاتی ہے لہٰذا حاضرین کو بلانے کا کوئی مطلب نہیں ہے، کیوں کہ وہ حاضر ہیں، اور جب مسجد کے اندر اذان دی جائے تو غائبین اس کو سن پائیں گے۔(مترجم)

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے سنت متروک ہوگئی، اور اس کی جگہ یہ بدعت عادت ہوگئی، آنکھ کھول کر اپنے گرد و پیش جو یہ بدعت جاری دیکھی تو اب لاکھ کہو کہ یہ بدعت ہے، اسے چھوڑو، اور حدیث وفقہ سے ہزار ثابت کرو کہ یہ سنت ہے اسے اختیار کرو مگر کون سنتا ہے، بدعت سے استیناس، سنت سے وحشت، اس عادت نے قلب حقیقت کردیا۔ سنت کو بدعت کرڈالا بدعت کو سنت۔ ولا حول ولا قوة إلا بالله العلي العظيم۔

امام ابن الحاج مدخل میں فرماتے ہیں:

"إنما هي عوائد وقع الاستيناس بها فصار المنكر بها كأنه يأتي ببدعة علىٰ زعمهم فإنا لله وإنا إليه راجعون. على قلب الحقائق؛ لأنهم يعتقدون أن ماهم عليه هو الصواب والأفضل ولو فعلوا ذلك مع اعتقادهم أنه بدعة لكان أخف أن يرجى لأحدهم أن يتوب۔" والله تعالى أعلم."(۲)

تو یہ عادتیں بن گئیں اور ان سے لگاؤ ہوگیا، لہٰذا ان کا منکر اس کے زعم فاسد میں بدعتی ہوگیا۔ قلب حقیقت پر ہم ترجیع پڑھتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ ان کا موقف درست وافضل ہے اور اگر وہ یہ کام بدعت سمجھ کر کرتے تو ان سے توبہ کی امید آسان ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مترجم)

(۸) اس کا جواب اوپر کے حوالوں سے واضح ہے۔ والله تعالىٰ أعلم۔

(۹) ہرگز یہ حکم کہ.... اذان خطبہ خطیب کے روبرو خارج مسجد ہو داخل مسجد خلاف سنت ہے، قاضی کا من گڑھت حکم نہیں، جسے اس شخص نے یوں رد کیا کہ ہم تمہاری بغل سے نکالا ہوا حکم نہیں

---

(۱) [المدخل لابن الحاج: فصل الكرسي الكبير الذي يعلمونه، ۲/۲۰۸]

نتے۔وہ حکم شریعت ہے، حدیث وفقہ سے خارج مسجد اذان کا ہونا ثابت ہے،اور داخل مسجد کراہت
مانعت ہے۔اس نے حکم شریعت کو رد کیا،خدا اسے توبہ کی توفیق دے،اور جھوٹ بکا کہ تمام دنیا میں اذان
ہر سے متصل دی جاتی ہے۔اس نے اپنے گردوپیش کا نام ساری دنیا رکھ لیا ہے،ساری دنیا تو ساری دنیا
روستان میں بھی سب جگہ یہ بدعت نہیں،ہر جگہ خارج مسجد موافق سنت اذان ہوتی ہے،رسائل اہل حق
ں بعض ممالک کا بھی ذکر ہے، جہاں اذان خارج مسجد مطابق سنت دی جاتی ہے۔اس نے جھوٹ کہا وہ
ی مسجد میں اور وہ بھی حکم شریعت کے رد کو۔خطیب نے جو سکوت کیا،اور پھر اذان خلاف سنت مسجد کے
ر دلوائی اس کا وہ ملزم نہ ہوا۔قاضی شرع ضرور اولی الامر میں سے ہے،شرعی سزا پوچھنا کس لیے
ہ،یہاں کون شرعی سزا دے سکا ہے۔اسلامی حکومت ہوتی تو قاضی حسب رائے ایسے معاندین کو تعزیر
رتا۔مولوی عبداللہ نے جو اس حدیث کو ضعیف کہا محض جھوٹ اور غلط کہا۔وہ حدیث حسن ہے او اگر
ند المحدثین ضعیف بھی ہوتی تو جب ہمارے ائمہ نے اسے قبول کیا اور اسی سے بین یدی کا سنت ہونا
ی ثابت کیا،تو ضعیف سند ایسی صورت میں کوئی چیز نہیں، تلقی علما بالقبول اعلیٰ درجہ کی قوت ہے،سنت کے
اری کرنے کو اور مردہ سنت کے احیا کو اور بدعت کے مٹانے کو فساد کہنا بڑے مفسد جاہل کا کام ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر فساد برپا کردینے کا بہتان اٹھانے والا حق اللہ و حق العبد میں گرفتار
ہے، مستحق نار ہے۔جب مردہ سنت زندہ کی جائے گی،اور اس کی جگہ جو بدعت جاری ہوگئی ہے اس کے
ٹانے کی کوشش کی جائے گی تو جاہل مفسد اسے فساد ہی کہیں گے،حدیث میں ایسے شخص کے لیے تو سو
ہیدوں کے ثواب کا مژدہ فرمایا گیا ہے،ایسے کو جسے حدیث اپنا عظم مژدہ دے مفسد کہنے والے خود
فسد ہیں۔

﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَـٰكِن لَّا يَشْعُرُونَ﴾(۱)

سنتا ہے وہی فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں۔

حدیث میں شہید کا لفظ غالباً یوں ہی ہے کہ شہید ایک بار قتل کی تکلیف اٹھا کر دنیا سے رخصت
و جاتا ہے،اور احیا سنت ونکایت بدعت کرنے والا پیہم رماح طعن اور سنان لسان سے زخمی ہوتا رہتا
ہے،نہ صرف زندگی میں بلکہ بعد موت بھی۔مولوی عبداللہ اور دوسرے لوگ جو پیشوایان وہابیہ گنگوہی
ھانوی نانوتوی وغیرہم اور ان کے متبعین مولوی کہلانے کے اقوال واحوال پر مطلع ہو کر انہیں اپنا مقتدا پیشوا

جانتے ہیں وہ سب وہابی ہیں۔ اہل سنت کو ان سے مجالست سے ربط ضبط رکھنا ان سے سلام کلام حرام ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۱)

والله تعالى أعلم

اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

(۷۳) مسئلہ

اگر کوئی رافضی سنیوں کی مسجد میں اپنے روپئے سے حوض میں پانی بھروائے، یا تعمیر (میں) کوئی حصہ لیوے وغیرہ یہ جائز ہے یا نا جائز۔ کہ سنیوں کی مسجد میں رافضی کے روپیہ سے حوض میں پانی بھروانا مسجد کی برجیوں پر کلس چڑھوانا یا مسجد میں سپیدی کروانا از روئے شرع شریف جو حکم ہو آگاہ فرمایئے۔

محمد جہاں گیر خاں محلہ چھیپی ٹولہ بریلی متصل قلعہ۔ ۲۲/رجب المرجب ۱۳۵۶ھ۔

الجواب

روافض زمانہ کفار، مرتدین ہیں، اور کفار و مرتدین کو مسلمانوں کی مسجد سے کیا سروکار۔

قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ. إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ فَعَسٰٓى أُولٰٓئِكَ أَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾(۲)

مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر ان کا تو سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

"قال صاحب المدارك: وكذا القاضي الأجل آخذاً من كلام صاحب الكشاف: وعمارتها تتناول رمّ ما سترم منها وقمها وتنظيفها وتنويرها بالمصابيح

---

(۱) [سورة الأنعام:٦٨]

(۲) [سورة التوبة:١٧، ١٨]

صيانتها مما لم تبن له المساجد من أحاديث الدنيا؛ لأنها بينت للعبادة والذكر،
المراد من الذكر درس العلم، انتهىٰ كلامه، فعلم منه أن البناء الجديد ممنوع لهم
الطريق الأولىٰ۔ فإن أراد كافر أن يبني مساجداً أو يعمرها يمنع منه وهو المفهوم
ن النص وإن لم يدل عليه رواية"(۱)

صاحب مدارک اسی طرح قاضی اجل صاحب کشاف کے کلام کی روشنی میں فرماتے ہیں: اور
س کی عمارت بوسیدہ ہو جائے تو اسی کو مرمت کی جائے گی اور اس کی صفائی ستھرائی پر دھیان دیا جائے گا نیز
سے بلبوں سے منور کیا جائے گا، ساتھ ہی ساتھ اسے دنیاوی باتوں سے بچایا جائے گا کیوں کہ مساجد کی
تعمیر اس لیے نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ وہ عبادت اور ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں، اور ذکر سے مراد علم کا درس ہے۔
ہذا اس سے پتہ چلا کہ نئی مسجد تعمیر کرنا بدرجہ اولیٰ ممنوع ہوگا، پس اگر کوئی مساجد تعمیر کرنے یا انہیں آباد
کرنے کا اردہ کرے تو اس کو روکا جائے گا، یہی نص کا مفہوم ہے اگر چہ کوئی روایت اس پر دال نہیں ہے۔
(مترجم)

نزول آیت اگر چہ دربارۂ مشرکین ہے، مگر حکم مشرکین سے خاص نہیں، تمام کافرین کو عام
ہے، اور کبھی مشرک ہر کافر پر اطلاق ہوتا ہے، اور حدیث میں خود روافض پر مشرک کا اطلاق ہے۔ پھر اس
یں مسلمانوں کا مرتدین سے میل ان کی طرف میل ظاہر ہے کہ بے اس کے ایسا نہ ہوتا، اور مرتدین سے
میل جول ان کی طرف ادنیٰ میل حرام ہے، اگر کسی نے روافض سے روپیہ لے کر صرف کر دیا، اچھا نہ
کیا، مگر اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ اب اس سپیدی کو چھیل کر پھینکو حوض کا پانی بہا دو، کلس اتار پھینکو۔ واللہ
تعالیٰ اعلم۔

مصالح مسجد کے لیے صحن مسجد میں ستون کھڑے کرنا جائز ہے

مسئلہ: (۷۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک مسجد بہت پرانی ہے اس کے دروں کے آگے ٹین کا سائبان ڈالا گیا ہے، لہذا ٹین کی رکاوٹ
کے لیے صحن مسجد میں لوہے کے پائے گاڑے ہیں، تو آیا مسجد کے کام کے لیے صحن مسجد میں لوہے یا اینٹ

---

(۱) [التفسيرات الأحمدية: ۲۹۸]

کے پائے قائم کیے جاسکتے ہیں یا نہیں جب کہ مسجدیت قائم ہوچکی۔اور بانی مسجد نے کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ صحن مسجد میں سائبان پڑے گا، زید کہتا ہے کہ مسجد کے کام کے لیے ہر حصہ مسجد کو کھود کر پائے وغیرہ قائم کرسکتے ہیں۔بحوالۂ حدیث یا اور معتبر کتابوں کے حوالہ سے جواب تحریر فرمایئے گا۔

از: الٰہ آباد محلّہ یحییٰ گنج مسئولہ جناب سید ضمیر الدین احمد صاحب قادری رضوی زید لطفہ ۸؍ رمضان ۵۶ھ۔

الجواب

ہاں کرسکتے ہیں۔مگر اس کا لحاظ رہے کہ خواہ مخواہ پائے چوڑے نہ بنائے جائیں کہ جگہ خواہ مخواہ گھر جائے، حاجت سے زیادہ زمین فضول نہ دبائی جائے۔اول تو جب مصلحت مسجد کے لیے مسجد میں پیڑ بونا بھی جائز، اور ظاہر ہے کہ درخت کے تنے بہت چوڑے چوڑے ہوتے ہیں، جو کئی کئی آدمی کی جگہ گھیر لیتے ہیں۔اور ایک کی جگہ تو اکثر و بیشتر گھر جاتی ہے، تو پھر مصلحت کے لیے سائبان کیوں نہیں ڈالا جاسکتا۔اور اکثر سائبان بے ستون ہو ہی نہیں سکتا۔تو سائبان کے لیے ستون صحن میں قائم کرنا پیڑ کے بونے سے بدرجۂ اولیٰ جائز۔ہاں اگر کوئی جگہ ایسی ہو جہاں ایسا موقع ہو کہ بے ستون لگائے سائبان ڈالا جاسکے کہ ایک کڑی جنوبی و شمالی دیواروں میں ہضم کرکے اس پر سائبان رکھا جائے، اور اس کڑی کو کسی ستون کی حاجت نہ ہو تو بے حاجت مکان صلاۃ کو خواہ مخواہ مشغول نہ کیا جائے گا، اگر بے حاجت ایسا کیا جائے گا تو ناجائز ہوگا۔

ردالمحتار میں خلاصہ سے ہے:

"غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد، بأن كان المسجد ذانز، والأسطوانات لا تستقر بدونها، وبدون هذا لايجوز"(۱)

مسجد میں درخت لگانا جائز ہے جب کہ یہ عمل مسجد کے فائدہ کے لیے ہو، اس طور پر کہ مسجد کی زمین تری دار ہے اور ستون ان کے بغیر رک نہ پاتے ہوں، اس صورت کے علاوہ میں جائز نہیں۔(مترجم)

ہندیہ میں ہے:"إن كان لنفع الناس بظله ولا يضيق على الناس لا بأس به."(۲)

اگر سایہ حاصل کرنے کی غرض سے درخت لگائے اور مسجد لوگوں پر تنگ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(مترجم)

---

(۱) [ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۲/۳۷۷]

(۲) [illegible]

جب بہ مصلحت سایہ مسجد میں درخت لگا سکتے ہیں تو سائبان میں تو سایہ بھی ہے، اور اس کے علاوہ مصلحت ہے، پھر واقف کا اذن صریح اس کے لیے کچھ ضرور نہیں۔ یہاں عرفی اذن کافی ہے۔ جیسے کوئی زمین کو مسجد کر دے، بعد مسجدیت پھر عمارت مسجد بنے۔ یوں ہی یہاں کہ عمارت مسجد کے آگے سائبان سرادالان بنانا وقت حاجت معروف ہے۔ والمعروف کالمشروط. واللہ تعالیٰ أعلم۔

دوکانوں کی چھت پر مسجد بنانا جائز ہے

جب کہ وہ دوکانیں بھی مسجد کی ہوں

۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ استفتا: یہ احقر اپنی مملوکہ جائداد کو جس کا نقشہ حسب ذیل ہے، دوکانوں بالائی حصہ یعنی چھت پر مسجد بنانا چاہتا ہے، اور پانچوں دوکانوں اور دونوں تہ خانوں کو بدستور قائم رکھنا ہے، تاکہ ان کے کرایہ سے جو کہ مبلغ سولہ روپے ماہوار اب موجود ہے، اس مسجد کا صرفہ اور پیش امام تنخواہ کی سبیل ہوتی رہے گی، مسجد کو یہ دوکانیں اور تہ خانہ وقف کر دیئے جائیں گے۔ حضرات عالمان ومفتیان شرع متین سے موافق فقہ حنفیہ فتویٰ کا خواست گار ہوں، کہ آیا دوکانیں و تہ خانہ بدستور کرایہ یں، اور ان کے اوپر مسجد بنے تو یہ شرعی مسجد ہوگی، یا دوکانوں پر مسجد نہیں بن سکتی، یا اگر بن سکتی ہے تو حالت میں نقشہ ارسال فرمایا جاے، تاکہ نقشہ کے مطابق مسجد بنوائی جاے۔

شمال

چبوترہ

کھڑکی دروازہ کھڑکی کھڑکی دروازہ کھڑکی کھڑکی دروازہ کھڑکی

ب دوکان دوکان دوکان مشرق

ٹ ۲۵/فٹ

پاخانہ اوپر جانے کا دوکان دوکان تہ خانہ دروازہ

راستہ تہ خانہ دروازہ

دروازہ دروازہ دروازہ دروازہ دروازہ

جنوب

نوٹ:

(۱) اجمیر شریف اس میں اس مقام ڈگی بزار جہاں یہ دو کانیں واقع ہیں دو فرلانگ تک چاروں طرف مسجد نہیں ہے، اس جگہ مسجد کا ہونا ضروری ہے، اور کوئی زمین نہیں ہے، صرف ان دوکانوں کی مسجد بن سکتی ہے، اجمیر شریف چونکہ اسلام کا مرکز ہے، یہ احقر ایسی جگہ مسجد بنانا چاہتا ہے۔

(۲) زمانہ کی رفتار دیکھتے ہوئے ظاہر ہے زمانہ بہت نازک ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ دوکانیں تہ خانہ بدستور کرایہ پر رہیں، تاکہ مسجد کا صرفہ چلتا رہے گا، اور کسی دوسرے محلہ والوں سے دست نگر نہ ہونا ہوگا۔

(۳) دیکھنے میں آیا ہے کہ مسجدیں غیر آباد، ویران ہیں وہ کیوں ان مسجدوں میں اصراف کے لیے مستقل آمدنی کی سبیل نہیں ہے۔

از اجمیر مقدس محلہ سپیدہ خاں ڈگی بازار مرسلہ حاجی محمد فخر الدین صاحب پینشر رڈپٹی پوسٹ ماسٹر مختار منزل۔ ۱۵؍ رمضان ۵۶ھ۔

الجواب

جائز ہے۔ جب کہ وہ دوکانیں، تہ خانے مسجد ہی کے ہوں گے۔

عالمگیریہ میں ہے:

"لو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس كذا في الهداية."(۱)

اگر تہہ خانہ مسجد کی مصلحت کے لیے ہو تو جائز ہے، بیت المقدس کی مسجد کی طرح، جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ (مترجم)

قبل مسجدیت جب کہ وہ دوکانیں موجود ہیں، ان پر مسجد بنائی جائے گی، یہ دوکانیں مسجد کی ہوں گی، تو اس میں حرج نہیں۔ وہ مسجد مسجد ہوگی۔ ہاں کسی مسجد میں بعد مسجدیت یہ تصرف جائز نہ ہوتا، کہ اس کی زمین خالی کر کے دوکانیں بنائی جاتیں، تہ خانہ بنائے جاتے۔

درمختار میں ہے:

"إذا جعل تحته سرداً بالمصالحه) أي المسجد (جاز) كمسجد القدس"(۲)

---

(۱) [الفتاوىٰ الهندية: الفصل الأول فيما يصير به مسجداء ٢/٤٥٥]

اگر مسجد کی مصلحت کے لیے اس کے نیچے تہ خانہ بنایا تو جائز ہے، مسجد بیت المقدس کی طرح۔(مترجم)
ردالمختار میں ہے:

”صرح في الاسعاف فقال:إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو
انا وقفاً عليه صار مسجداً.اه. شرنبلالية قال:في البحر وحاصله أن شرط كونه
سجداً أن يكون سفله وعلوه مسجداً لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ:﴿وأن
مسجد لله﴾[سورة الجن:١٨] اه.مختصراً۔(١)

العطايا النبوية في الفتاوىٰ الرضويه میں ہے:

لا يضر كون الحوانيت تحته لكونها وقفاً عليه.“

اسعاف میں تصریح ہے کہ جب تہ خانہ یا بالا خانہ مسجد کے لیے ہو یا اس کے نام وقف ہو تو وہ مسجد
ا) ہو جائے گا، شرنبلالیہ میں فرمایا کہ بحر میں اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کا اوپری اور نیچے کا
ہ مسجد ہو، اور باری تعالیٰ کے ارشاد ”بے شک مسجدیں اللہ تعالیٰ کی ہیں“ کی وجہ سے حق العبد ختم ہو جائے
فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ مسجد کے نیچے دوکانیں ہونے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ وہ مسجد کے نام وقف
ہیں۔(مترجم)

درمختار میں ہے:

”لو بنى فوقه بيتاً للإمام لا يضر لأنه من المصالح ، أما لو تحت المسجدية
راد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق ”تاترخانية۔“والله تعالىٰ أعلم“(١)

اگر مسجد کے اوپر امام کے لیے گھر بنایا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(مترجم)

مسجدوں میں مذہبی جلسے کرنا بالکل جائز اور اس میں فرق باطلہ کا رد بھی جائز

۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بسم الله الرحمن الرحيم۔مسجد میں نماز پنج گانہ کے علاوہ وہ امور جو کہ آج کل عام طریقہ

[ردالمحتار، كتاب الوقف،مطلب في أحكام امسجد:٦/٤٢٨]

[الدرالمختار، كتاب الوقف:٦/٤٢٨]

پر مروج اور جاری ہیں، مثلاً سیاسی جلسہ کرنا، اور مذہبی جلسہ کرنا، اور دوران تقریر میں دیگر مذہب والوں کو برا بھلا کہنا، اور مجلس میلاد شریف اس طرح پر منعقد کرنا کہ جس کے پڑھنے والے امرد۔ داڑھی منڈے، اور جواری ہوں، اور اشعار مثل قوالی کے پڑھنا، اور اس پر کودنا، اور لوگوں کا حال لانا کیسا ہے؟ تفصیلاً بیان فرمایئے، مسجد میں رنگ برنگ کے کاغذ اور جھنڈیاں اور پھول وغیرہ اس قدر لگانا کہ نمازیوں کو اس کی وجہ سے دل میں انتشار پیدا ہوتا ہو، اور یکسوئی باقی نہ رہتی ہو، اس کا کیا حکم ہے مدلل فرمایا جائے۔

مسجد میں دعا و تسبیح اس قدر بلند آواز سے پڑھنا کہ جو اور نماز پڑھنے والوں کے لیے مخل ہو، اور دل میں اوروں کے انتشار پیدا ہوتا ہو، تو یہ اس قسم کا ذکر جہری کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

ہدایت اللہ ساکن قصبہ بیسل پور وارد حال بریلی۔

الجواب

مساجد ذکر اللہ کے لیے ہیں، جو جلسے مذہبی کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے انہیں مسجد میں نہ کیا جائے۔ دوسرے مذاہب اور ان کے اصحاب کا رد مساجد میں جائز ہے۔ دوسرے مذاہب رکھنے والوں کے رد کی بنا پر جلسوں کو مسجد سے نہیں روکا جا سکتا۔ مجلس میلاد منعقد کرنا باعث ہزاروں ہزار برکات ہے، مگر ہر چیز کو اسی طرح کرنا چاہیے جس میں شر ذرا بھی شامل نہ ہو، امرد سے نہ پڑھوانا چاہیے، یوں ہی داڑھی منڈے سے اور کسی فاسق معلن سے نہ پڑھوانا چاہیے۔ جیسے نماز میں امام کسی فاسق کو نہ بنایا جائے، موزوں آواز سے پڑھنے میں حرج نہیں، مگر ارادہ اس کا ہرگز نہ کرے کہ موسیقی کے قواعد پر گا رہا ہے، ورنہ کوئی آواز موسیقی سے باہر نہیں کہی جاتی، خود بناوٹ سے حال لانا، کودنا، ناجائز ہے، مگر اگر کسی نے ایسا کیا تو اس سے انعقاد مجلس پر کیا اثر۔ وہابیہ سے اندیشہ ہے کہ کسی دن وہ یہ دیکھ کر کہ لوگ نمازیں داڑھی منڈے کے پیچھے پڑھتے، خصوصاً تراویح میں تو اس کا لحاظ بہت کم ہی لوگ رکھتے ہیں، کہ امام غیر فاسق حافظ ہو، اور مصری لوگوں کے لہجہ جس میں بہت کم اتار چڑھاؤ بالقصد کیا جاتا ہے، ایسا کہ ضرورت سے بہت زائد ہو جاتا ہے، اور اس پر لوگوں کے جھومنے کو دیکھ کر نماز پڑھنے اور قرآن عظیم کی تلاوت ہی کو حرام نہ ٹھہرا دیں۔ مسجد آراستہ کرنا ان کی تزئین جائز ہے، وہ جھوٹا ہے، جو (کہتا ہے) جھنڈیوں سے نمازیوں کے دل میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اتنی بلند آواز سے ذکر نہ کیا جائے، مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ایسی آواز بھی نہ ہو جو مسموع نہ ہو، اگر اتنی آواز سے کہ مسموع مگر کسی مسلمان نمازی کی نماز میں خلل نہ ہوتا ہے، ذکر کرے، تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کو نہ کسی دوسری مسجد سے بدل سکتے ہیں اور نہ بیچ سکتے ہیں

۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جناب عالی علمائے دین بعد ادائے آداب کے عرض ہے کہ جو حادثہ یہاں جامع مسجد کے دروازہ
ہ کرنے پر فائرنگ ہوئی اس کی بابت اسٹیٹ کے حکام بالا یعنی خان بہادر عبدالعزیز خاں یہ فرماتے
ا کہ: راجہ بہادر کی یہ مرضی ہے کہ جامع مسجد مسلمان جے پور کے لیے ایک لاکھ روپیہ خرچ کر کے دوسری
دی جاے۔ لہٰذا اس پر غور طلب ہے کہ شریعت سے اس کی بابت کیا حدیث ہے کہ: کفار راجہ کے
پے سے مسجد بنانے پر اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مسجد کے معاوضہ میں دوسری مسجد لینا
ز ہے یا نہیں؟۔

از جے پور گھاٹ دروازہ مسئولہ نمائندگان برادری لوہاران جے پور،

مرسلہ امام اعظم علی صاحب۔ ۲۲ رمحرم ۵۸ھ۔

الجواب

جو مسجد ہو چکی تا قیام قیامت وہ مسجد رہے گی۔ مسجد بیچ ڈالنے، بدل لینے کی چیز نہیں، نہ چند یا
ری دنیا کے مسلمانوں کے بیچنے بدل لینے سے وہ مسجد مسجد ہونے سے نکل سکے۔ ایک لاکھ نہیں اگر راجہ
ں ساری ریاست دے، اور مسجد نہیں مسجد میں سے ایک گز بھر زمین لے ہرگز مسلمانوں کو اس کا اختیار
ں، جو اس پر راضی ہوں گے اشد گنہگار ہوں گے۔ بیچنے خریدنے والے سب ظالم جفا کار، ٹھہریں
ے۔ مسجد کی تعمیر سوا مسلمانوں، کسی کے لیے صحیح ودرست نہیں۔

قال تعالیٰ:

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ أَن يَعْمُرُوا مَسٰجِدَ الله شٰهِدِيْنَ عَلَى أَنفُسِهِم بِالْكُفْرِ. أُولٰٓئِكَ
بِطَتْ أَعْمَالُهُمْ. وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ. إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ.
امَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ. فَعَسٰى أُولٰٓئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾(۱)

مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دے کر، ان کا تو سب کیا

دھرا اکارت ہے، اور وہ ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز قائم رکھتے اور زکاۃ دیتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں۔

ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کو روپیہ دے دے، مسلمان اس روپیہ کا مالک ہوکر مسجد بنائے، یا غیر مسلم کسی زمین پر تعمیر بنا کر مسلمانوں کے دے دے، مسلمان اس پر قابض ہوکر اس کے مالک ہوکر اسے وقف کردیں، ان دونوں صورتوں میں وہ مسجد ہوجائے گی۔ اس صورت میں کہ غیر مسلم مسجد بنائے اور اسے اپنی ملک پر باقی رکھے، یا خود وقف کرے، وہ مسجد نہ ہوگی۔ نماز اس میں ہوجائے گی، مگر مسجد کا ثواب نہ ہوگا، نہ اس کے لیے احکام مسجد ثابت ہوں گے۔

اگر مسجد جامع کی بجائے دوسری مسجد بنا کر مسلمانوں کو دے دینے کا خیال ہے کہ مسلمان اس پر قابض ہوکر اسے وقف کریں، اور اسے مسجد جامع کرلیں۔ اور جو مسجد اب تک جامع تھی، اسے جامع نہ رکھیں، مگر وہ مسجد رہے۔ صرف جامع نہ رہے، بجائے اس کے جامع یہ نئی مسجد کی جائے تو یہ کرسکتے ہیں، مگر سوال کے لفظ یہ ہیں کہ... مسجد کے معاوضہ میں دوسری مسجد لینا جائز ہے یا نہیں؟۔ ان کا مطلب ظاہر یہی ہے کہ دوسری لے کر پہلی کو مسجد ہی نہ رکھا جائے گا۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا، اس پر جو راضی ہوگا وہ عذاب الیم اور شدید وبال ونکال اپنے سر لے گا، وہ مسجد ابدالآباد تک مسجد ہی رہے گی، مسجد خاص ملک الٰہی ہے، جسے نہ کوئی بیچ سکتا ہے، نہ بدل سکتا ہے۔ آباد و معمور مسجد تو آباد رہے، جو مسجد غیر آباد ہوگئی ہو، خرابہ میں پڑ گئی ہو، بہت خستہ بالکل شکستہ ہوچکی ہو، وہاں اس کے اردگرد آبادی بھی نہ رہی، ویرانہ میں آگئی ہو، لوگ اس سے مستغنی ہوچکے ہوں، غرض کوئی بھی حالت ہو، ایسی مسجد کو بھی نہیں بیچا جاسکتا، بلکہ اس کا ملبہ کڑی تختہ اینٹ پتھر کو دوسری مسجد میں نہیں لگایا جاسکتا۔

ردالمحتار میں ہے:

”إن المسجد إذا خرب يبقي مسجداً أبداً.“(۱)

اسی میں حاوی قدسی سے ہے: ”لا يجوز نقله و نقل ماله إلیٰ مسجد آخر“(۱)

مسجد ویران ہونے کے بعد بھی ہمیشہ مسجد رہتی ہے، اس کو یا اس مسجد کے مال کو دوسری میں نہیں لگا سکتے۔ (مترجم)

عالمگیریہ میں ہے:

"لو صار أحد المسجدين قديماً وتداعى إلىٰ الخراب فأراد أهل السكة بيع
يم وصرفه في المسجد الجديد فإنه لا يجوز." والله تعالىٰ أعلم۔(۱)

اگر مسجد پرانی ہو جائے اور گرنے کے دہانے پر ہو تو اہل محلّہ قدیم مسجد فروخت کر کے اس کی رقم
جد میں لگانا چاہیں تو ان کا یہ عمل جائز نہ ہوگا۔(مترجم)

مسجد کا نل اگر سب کے لیے ہے تو اس کا پانی استعمال کر سکتے ہیں

۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر مسجد میں ایسا نل لگا ہو جس میں ٹنکی سے چوبیس گھنٹے پانی آتا ہو، کیا اس نل سے اہل محلّہ پانی
سکتے ہیں؟۔

از میرٹھ مرسلہ جناب مولوی غلام جیلانی صاحب مدرس مدرسہ اسلامی عربی۔ ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۵۸ھ

الجواب

لے سکتے ہیں، جب کہ نل لگانے والے کی، کنواں بنانے والے کی طرح سب کو لینے کی اجازت
اور نل لگانے والے کی خاص مسجد ہی کے لیے نیت ہو کہ وضو وغسل وغیرہ نماز کے لیے طہارت ہی کے
م میں لیا جاے، یا اس نل کے پانی کی قیمت مسجد کے مال سے ادا کی جاتی ہو تو گھروں کو لے جانا جائز
ں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں درخت ہونا یا بوقت ضرورت لگانا دونوں جائز

۷) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

خارج مسجد ایک درخت مولسری کا ہے اس کا یک ٹہنہ مسجد کی سبیل پر سایہ کیے ہوئے ہے جس
سائے میں نمازی بیٹھ کر وضو کرتے ہیں۔ دو شخص اس درخت کو کاٹنا چاہتے ہیں باقی اہل محلّہ درخت کے
ٹے جانے کے خلاف ہیں جب اہل محلّہ نے درخت کاٹنے سے روکا تو ایک شخص بولا کہ مسجد میں درخت

کا ہونا جائز نہیں۔ اہل محلہ نے کہا کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی مسجد میں بھی درخت ہے تو اس شخص نے جواب دیا کہ: اس کا گناہ مولوی صاحب کے ذمہ ہے وہ بھگتیں گے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جس درخت کے سایہ میں نمازیوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور کسی قسم کا کسی محلہ والوں کو تکلیف نہیں اس درخت کا کاٹنے والا از روے شرع شریف کس جرم کا مرتکب ہے؟

(۲) کسی عالم کو اہل سنت والجماعت کو برا کہنے والا خصوصاً امام اہل سنت کی توہین کرنے والا ان کو گنہ گار بتانے والا از روئے شرع کیسا ہے؟ مسلمانوں کو اس سے بات چیت سلام وکلام جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس درخت کے کاٹنے کا انہیں کوئی اختیار نہیں وہ درخت خارج مسجد ہے، اگر مسجد میں ہوتا تو جب بھی انہیں اختیار نہ ہوتا خصوصاً اس صورت میں کہ اور اہل محلہ مانع ہیں، اور اس درخت سے منفعت بھی ہے۔ مسجد میں یعنی موضع صلاۃ میں بعد مسجدیت درخت بے ضرورت بونا مکروہ ہے۔

ہندیہ میں ہے:

"یکره غرس الشجر في المسجد ؛ لأنه تشبه بالبيعة ويشغل مكان الصلاة إلا أن يكون فيه منفعة للمسجد بأن كانت الأرض نزة لا تستقر أساطينها فيغرس فيه الشجر ليقل النز كذا في فتاویٰ قاضي خان."(۱)

مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے کیوں کہ یہ بیعہ (گرجے) کی مشابہت ہے اور نماز کی جگہ مشغول کرنا ہے، البتہ اس صورت میں جائز ہوگا جب اس میں کوئی نفع ہو، مثلاً: زمین سیلابی ہے، اس پر ستون کھڑے نہیں ہوتے، تو اس میں درخت لگائے جائیں تا کہ سیلابیت کم ہو جائے۔ (مترجم)

وہ شخص غلط و باطل من (گڑھت) فتویٰ دیتا ہے کہ مسجد میں درخت کا ہونا جائز نہیں، اگر بے علم فتویٰ اتفاقاً صحیح بھی ہو جب بھی توبہ چاہیے، نہ کہ محض غلط و باطل بے علم فتویٰ دینا حرام ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

"قوله: كتقليل نز. قال في الخلاصة : غرس الأشجار في المسجد لا بأس به إذا كان فيه نفع للمسجد بأن كان المسجد ذانز والأسطوانات لا تستقر بدونها

ـون هذا لا يجوز اه."(١)

مصنف کا قول:"کتقليل نز" (جیسے سیلابیت کو کم کرنا) خلاصہ میں مذکور ہے: مسجد میں درخت جائز ہے جب کہ اس میں مسجد کا نفع ہو، مثلاً: مسجد کی زمین سیلابی ہے، اس پر ستون کھڑے نہیں تے، اگر یہ بات نہ ہو تو درخت لگانا جائز نہیں۔ (مترجم)

"وفي الهندية عن الغرائب: إن كان لنفع الناس بظله، ولا يضيق على ـاس، ولا يفرق الصفوف لابأس به، وإن كان لنفع نفسه بورقه أو ثمره أو يفرق ـفوف أو كان في موضع تقع به المشابهة بين البيعة والمسجد يكره اه هذا، وقد ـت رسالة للعلامة ابن أمير الحاج يخطه متعلقة بغراس المسجد الأقصىٰ رد فيها ـىٰ من افتىٰ بجوازه فيه، أخذ من قولهم: لو غرس شجرة للمسجد فثمرتها ـسجد، فرد عليه بأنه لا يلزم من ذلك حل الغرس إلا لتعذر المذكور؛ لأن فيه شغل أعد للصلاة ونحوها، وإن كان المسجد واسعاً أو كان في الغرس نفع ثمرته وإلا إيجار قطعة منه، ولا يجوز إبقائه أيضاً؛ لقوله عليه الصلاة والسلام: ((ليس لعرق ـم حق))؛ لأن الظلم وضع الشيء في غير محله وهكذا كذلك."(٢)

ہندیہ میں غرائب سے منقول ہے: درخت لگانا اگر اس کے سائے سے فائدہ اٹھائیں گے، اور ں پر تنگی بھی نہ ہوگی اور نہ ہی قطعِ صف ہوگا تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر درخت لگانا اس لیے ہو کہ وہ اس پتوں، پھلوں سے خود ہی فائدہ حاصل کرے گا یا قطع صف ہوگا یا ایسی جگہ پر ہو کہ بیعہ (کلیسا) اور مسجد درمیان مشابہت ہوتی ہو تو مکروہ ہوگا، میں نے علامہ ابن امیر حاج کا ایک رسالہ دیکھا جو انھیں کی تحریر ہے اور مسجد اقصیٰ میں درخت لگانے سے متعلق ہے، یہ رسالہ ان لوگوں کی تردید میں لکھا گیا ہے جو کے قائل ہیں، انھی کے قول سے یہ مسئلہ ماخوذ ہے: اگر مسجد کے لیے کوئی درخت لگایا تو اس کا پھل ہی کے لیے ہوگا۔ اس کا رد اس طرح کیا کہ اس سے، مسجد میں درخت لگانا جائز ہو جائے، لازم نہیں ، ہاں اگر مذکورہ عذر ہو تو جائز ہے۔ کیوں کہ جو جگہ نماز وغیرہ کے لے تیار کی گئی ہے اسے گھیرنا لازم آتا (لہذا درخت جائز نہ ہوگا) اگرچہ مسجد کشادہ ہو یا درخت لگانے میں پھلوں سے فائدہ ہی اٹھایا

[ردالمحتار، كتاب الصلاة مطلب في الغرس في المسجد: ٢/٣٧٧]

جاتا ہو۔ ورنہ تو اس کے کسی قطع کو کرائے پر دینا لازم آئے گا۔ اور اس درخت کو باقی رکھنا بھی جائز نہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ظالم کی جدو جہد کا کوئی حق نہیں۔ اس لیے کہ ظلم شی کو غیر محل میں رکھنے کا نام ہے، اور اسی طرح یہ ہے۔ (مسئلہ مذکورہ میں) (مترجم)

ایسے شخص پر ملائکۂ سماوات وارض لعنت کرتے ہیں۔

حدیث میں ارشاد ہوا:

((من أفتیٰ بغیر علم لعنته ملائکة السماء والأرض.))(۱)

بے علم فتویٰ دینے والے پر ملائکہ سماوات وارض لعنت کرتے ہیں۔ (مترجم)

ناحق کسی مسلمان کو خصوصاً اس کے انتقال کے بعد کسی گناہ کی اس کی جانب نسبت کرنا کس قدر شدید بات ہے پھر عالم کی نسبت ظاہر ہے کہ اس سے بھی اشد ہے۔ خدا اسے توبہ کی توفیق دے اور ارسال لسان اور بدزبانی سے بچائے آمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس شخص نے جو کہا اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے اور چاہیے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہو کر ایصال ثواب کرے کلمہ کلام پڑھ کر۔ اس نے اپنے اس غلط معلوم کے بنا پر ایسا کہا، زبان درازی کی، اگر اب بھی اس پر جمارہے اور توبہ اور رجوع نہ کرے، تو مسلمان اس کا حقہ اور پانی بند کر سکتے ہیں، اسے نٹ گھٹ چھوڑ سکتے ہیں جب تک وہ توبہ نہ کرے۔ کسی مسلمان کی ناحق ایذا رسانی حرام ہے۔

حدیث میں ہے کہ:

((من آذیٰ مسلماً فقد أذاني ومن أذاني فقد أذی اللّٰه.))(۲)

جس نے کسی مسلمان کو بلا وجہ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی تو اس نے اللہ کو ایذا دی۔ (مترجم)

نہ کہ عالم دین اور امام مسلمین کی توہین وہ بھی بعد وصال۔ اعلیٰ حضرت کی مسجد میں جو درخت ہے وہ مسجد سے سیکڑوں برس پیشتر کا ہے جس وقت بریلی بھی آباد نہ تھی یہاں جنگل تھا، یہ مسجد بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد نہیں، اور اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ مسجد میں درخت ہونا ناجائز نہیں، درخت بے ضرورت بعد مسجدیت موضع صلاۃ بونا نہ چاہیے۔ کسی مسلمان کی جانب کسی گناہ کی نسبت پھر بے ثبوت

---

(۱) [کنز العمال: ۱۰/۸۴۔ حدیث: ۲۹۰۱۴]

نا سخت شدید بات ہے، اگر چہ وہ فاسق ہو نہ کہ عالم۔ علما فرماتے ہیں: لایجوز نسبته الخ. اور ایسے
ل القدر عالم دین امام مسلمین کی طرف نسبت وہ بھی بعد وصال شریف، کہ حیات میں تو استعفا بھی
نا۔

مسجد میں کرسی پر بیٹھ کے تقریر کرنا جائز ہے

۸) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

موضع سہیناں کلاں ضلع گونڈہ کی مسجد کا منبر بہت مختصر اور نیچا تھا، ایک سنی عالم نے نماز جمعہ کے
رسی منگوایا اور اس پر بیٹھ کر فضائل نبویہ اور احکام شرعیہ بیان کیے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ: محراب و منبر کے پاس کرسی پر بیٹھ کر تقریر کرنا شرعاً جائز ہے
ں؟ کیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام یا ائمہ دین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے
ں سے ثابت ہے کہ مسجد کے اندر کرسی پر بیٹھ کر تقریر کی ہو اور کوئی معذوری نہ رہی ہو، منبر کے پاس کرسی
ھنا محراب و منبر کے احترام کے خلاف ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از محمد زماں ہریا چندرسی پکھرّوا ضلع گونڈہ

الجواب

منبر اینٹ چونے کا ہو یا لکڑی کا تخت ہو یا کرسی۔ مقرر اس پر بیٹھتا یا کھڑا ہوتا ہے، تا کہ پورے
تک آواز پہونچے اور پورا مجمع اسے سنے اور تعظیم ذکر بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔ پہلے حضور علیہ
ا ۃ والسلام کے لیے منبر نہ تھا پھر بنایا گیا۔ کرسی پر بیٹھنا منبر و محراب کی توہین نہیں، جیسے خود منبر جو مسجد
لیے بنا ہوا ہے اس پر کھڑا ہونا یا بیٹھنا محراب کے احترام کے خلاف نہیں۔ کرسی نہ ہوتی کوئی تخت بچھایا
، یا تخت ہوتا اس پر کرسی رکھی جاتی۔ اس میں منبر اور محراب کے کیا خلاف ہوتا؟ فقط واللہ تعالیٰ
م۔

(۱۴) عیدگاہ

عیدگاہ میں بلاضرورت چراغ نہ جلائے

(۸۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

عیدگاہ میں چراغ جلانا۔ اس صورت میں متولی عیدگاہ اس جگہ رہتا ہو، نماز اذان کبھی اندرون عیدگاہ اور کبھی بیرون عیدگاہ پڑھتا ہو جائز ہے یا ناجائز۔ لہذا جواب باصواب مرحمت فرمایا جاے؟ **بینوا توجروا۔**

قصبہ رچھا ڈاک خانہ خاص ضلع بریلی مرسلہ فقیر متولی عیدگاہ۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں چراغ جلانے میں کوئی حرج نہیں کہ بے ضرورت نہیں، عیدگاہ کے اندر پڑھتا ہو تو اسی صورت میں جلاے۔ اگر بیرون عیدگاہ یعنی احاطہ عیدگاہ سے باہر نماز پڑھتا ہے تو نہ جلاے، اس لیے کہ بلاضرورت ہے۔ حسب بیان سائل جب زمانہ قدیم سے یہاں عمل درآمد ہے، اور خلاف شرط واقف نہیں تو اگر چہ آمدنی وقف عیدگاہ سے جلایا جاتا ہے، کچھ حرج نہیں۔ **وھو تعالیٰ اعلم۔**

قبرستان پر بنی عیدگاہ میں نماز نہ ہوگی

(۸۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مسجد کے قریب ایک عیدگاہ ہے اور اس عیدگاہ میں چند قبریں بھی ہیں، اور امام کے منبر کے بالکل متصل قبر ہے، اور میان قبر ومنبر کوئی حائل بھی نہیں ہے، اس صورت میں عیدگاہ مذکور میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ (۲) اگر منبر کا کچھ حصہ قبر ہو، یا بلکہ اکثر حصہ قبر ہو، تو اس صورت میں نماز میں تو کوئی خرابی نہیں آے گی؟۔ **بینوا بالدلیل مع حوالہ کتب۔ فقط**

ازمولانا عبدالرؤف صاحب بنگالی طالب علم دارالعلوم منظر اسلام محلہ سوداگران بریلی شریف۔ ۲۷/رجب ۵۶ھ

الجواب

کردہ وہاں عیدگاہ بنائی جب تو ظاہر کہ نماز نہ ہوگی۔ اور جنہوں نے ایسا کیا وہ گناہ گار حرام کار ہوئے، اور
رض ہے کہ اس جگہ کو قبرستان ہی رکھیں، جب کہ وہ قبرستان وقف ہو کہ کسی وقف کو ہیئت سے بدلنا ناجائز
ر کسی کے بدلنے سے بدل نہیں سکتا وہ جگہ مقبرہ ہی ہے۔ عیدگاہ نہیں۔

علما فرماتے ہیں کہ:

"لا يجوز تغيير الوقف عن هيئته اه." (۱)

وقف کی ہیئت بدلنا جائز نہیں ہے۔ (مترجم)

اور اگر کسی کی مملوکہ زمین میں قبریں اس کی اجازت سے بنائی گئی تھیں، تو بھی وہاں عیدگاہ نہیں
ہو سکتی کہ نماز قبروں کی طرف اور قبروں کے درمیان اور قبروں پر جائز نہیں۔ اگر صورت یہ ہے کہ عیدگاہ میں
قبریں بنالی ہیں، یا کوئی قطعہ زمین جس میں دو چار قبریں بھی تھیں۔ کسی نے اپنا بچایا عیدگاہ کے لیے دے
دیا، تو اس صورت میں وہ قبریں امام کے سامنے نہیں۔ صرف ایک طرف منبر سے متصل ہیں، امام اور ان
تمام مقتدیوں کی نماز بے کراہت ہو جائے گی، جن کا بین یدی وہ قبور نہیں۔ ہاں وہ مقتدی جن کے بین
یدی وہ پڑیں گی، اور بیچ میں کچھ حائل نہ ہوگا، تو ان کی بجہت قبر ہوگی، نماز اسی صورت میں مکروہ ہوگی جب
کہ بین یدی المصلی ہو کہ خاشعین کی سی نماز پڑھے تو اس کی نگاہ قبر پر پڑے۔ اور اگر خاشعین کی
طرح نماز پڑھے تو قبر پر نگاہ نہ پڑے گی اتنی دور وہ قبور مصلی سے ہیں تو ان کی نماز بھی بلا کراہت ہوگی۔

بہتر یہ ہے کہ قبور پر ڈاٹ لگادی جائے، قبریں اس کے اندر چھپ جائیں، یا وقت نماز کوئی آڑ
کر دیا کریں۔

مضمرات پھر قہستانی میں ہے:

"لا تكره الصلاة إلىٰ جهة القبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلى صلاة
الخاشعين وقع." (۲)

قبر کی طرف نماز مکروہ نہیں ہے، لیکن اس وقت مکروہ ہوگی کہ جب وہ خاشعین کی سی نماز پڑھے تو
نگاہ قبر پر پڑے۔ (مترجم)

خانیہ پھر حاوی پھر عالمگیریہ میں ہے:

---

(۱) [الفتاوى الهندية مع الخانية: ۱/۴۹۰]

(۲) [illegible]

"إن كان بينه وبين القبر مقدار مالو كان في الصلاة ويمر إنسان لا يكره"(۱)

اگر نمازی اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ حالت نماز میں ایک آدمی سامنے سے گذر جائے تو کوئی کراہت نہیں۔(مترجم)

حاوی پھر مفید المستفید پھر خزانۃ الروایۃ میں ہے:

"سئل أبو نصر عنه ذلك فقال: إن كان القبر وراء المصلي لا يكره، فكذا ههنا، والحد الفاصل موضع سجوده انتهیٰ."والله تعالیٰ أعلم."(۲)

ابونصر سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر قبر نمازی کے پیچھے ہو تو کراہت نہیں اسی طرح یہاں بھی اور حد فاصل جائے سجدہ ہے۔(مترجم)

(۲) منبر پر خطبہ ہوتا ہے نماز نہیں ہوتی، جب نماز نہ قبر پر پڑھی نہ بین القبور بطرف قبر قریب کہ صلاۃ خاشعین بصر قبر پر پڑی تو نماز ہوگئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۵) ذکر و دعا

دعا کے لیے کوئی خاص وقت یا جگہ ضروری نہیں

(۸۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بعد نماز عیدین دعا مانگنا سنت ہے یا مستحب یا کچھ اور، اگر سنت ہے یا مستحب، تو قبل خطبہ یا بعد خطبہ؟ مع ادلہ بیان فرمائیں باعتبار شریعت جو حکم بھی ثابت ہو، اگر کسی نے بغرض اہانت دعا کا انکار کیا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: ابوالوفا غلام عبدالقادر شاہدی بہاری

الجواب

دعا یقیناً اللہ کا ذکر و عبادت ہے، کل دعاء ذکر: ''کما في المرقات شرح مشكاة'' دعا

(۱) [الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاۃ، الباب السابع فیما یفسد الصلاۃ وما یکره فیها: ۱/۱۳۲]

ظم مندوبات واجل مطلوبات سے ہے۔ کسی زمان ومکان ووقت کے ساتھ مقید ومخصوص نہیں، جس آن
ں جہاں ہو مامور بہ ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ﴾(١)

تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچہ کروں گا۔

وقال تعالیٰ:

﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ﴾(٢)

دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

وقال تعالیٰ:

﴿اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾(٣)

مجھے یاد کرو میں تم کو جواب دیں گا۔

وقال عليه الصلاة والسلام:((عليكم بالدعاء))(١) تم پر دعا کرنا لازم ہے۔

((وصلوا عليّ واجتهدوا في الدعاء))(٤)

مجھ پر درود پڑھو اور خوب دعا مانگو۔

وقال عليه التحية والثناء:((أكثر من الدعاء، فإن الدعاء يرد القضاء لمبرم))(٥)

اور اسی طرح آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: دعا زیادہ کیا کرو، اس لیے کہ دعا قضاے مبرم کوٹال دیتی ہے۔(مترجم)

اور نماز کے بعد دعا آداب نماز سے ہے۔

---

(١) [سورة البقرة:١٥٢]

(٢) [سورة البقرة:١٨٦]

(٣) [سورة البقرة:١٨٦]

(٤) [كنز العمال، كتاب الأذكار لاباب السادس في الصلاة عليه:٢١٦٦ـ١/٢٤٩]

قرآن عظیم فرماتا ہے:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَإِلیٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾(۱)

تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تم محنت کرو۔ اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

اور نماز کے بعد دعا، اور مجمع کثیر میں دعا یہ دونوں محل اجابت۔

حدیث میں ہے:

((قلنا: یارسول اللّٰہ! أي الدعاء اسمع؟ قال: جوف اللیل الآخر ودبر الصلاۃ المکتوبۃ))(۲)

ہم نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔ کونسی دعا جلد مقبول ہوتی ہے، آپ نے فرمایا: رات میں اور فرض نماز کے بعد کی جانے والی دعا۔ (مترجم)

علامہ علی قاری مکی نے اس کی شرح میں فرمایا:

"أي: عقیب الصلوات المفروضات، والتقیید بها لکونها أفضل المحلات، فهي أرجیٰ لإجابة الدعوات."(۳)

یعنی فرض نمازوں کے بعد کی دعا، اور اس کی قید اس لیے لگائی کہ یہ افضل مواقع ہیں، لہذا دعاؤں کی قبولیت کی ان میں قوی امید ہے۔ (مترجم)

نماز نفل کے بعد دعا کے لیے حدیث میں فرمایا:

((الصلاۃ مثنیٰ مثنیٰ، تشهد في کل رکعتین، وتخشع وتضرع وتساکن ثم تقنع یدیك یقول: ترفعهما إلیٰ ربك مستقبلاً ببطونهما وجهك وتقول: یارب یا رب، ثلاثاً فمن لم یفعل ذلك فهو کذا وکذا."

اور ایک روایت میں یوں ہے: ((من لم یفعل ذلک فهي خداج))(۴)

---

(۱) [سورۃ الانشراح:۷،۸]

(۲) [کنز العمال، کتاب الأذکار، الفصل الرابع في اجابة الدعاء باعتبار الذوات والأوقات المخصوصات، ۳۳۹۹:۲/۵۱]

(۳) [حاشیة علی حصن حصین. ص۲۲]

دو دو رکعت کر کے پڑھو اور ہر رکعت میں تشہد پڑھو اور خشوع و خضوع اپناؤ گڑگڑاؤ اور عاجزی ہر کرو، اور اپنے ہاتھوں کو پھیلاؤ۔ اور انہیں رب تعالیٰ کی سمت اٹھاؤ اس طور پر کہ ہاتھ تمہارے چہرے ، سامنے ہوں۔ اور کہو اے اللہ عزوجل! تین مرتبہ، اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لیے یہ حکم ہے، جس ، ایسا نہ کیا تو وہ ناقص ہے۔ (مترجم)

علامہ طاہر فتنی تکملہ مجمع البحار میں حدیث مذکور کی شرح کرتے ہیں:

"ثم تقنع يديك، هو عطف على محذوف: أي إذا فرغت منهما فسلّم ثم ع يديك، فوضع الخبر موضع الأمر."

پھر اپنے ہاتھوں کو دراز کرو، یہ محذوف پر عطف ہے جب تم فارغ ہو جاؤ تو سلام پھیرو اور وں کو اٹھاؤ، پس خبر کی جگہ امر رکھ دیا گیا۔ (مترجم)

نیز علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

"أي: إذا فرغت منهما فسلّم، ثم ارفع يديك، فوضع الخبر موضع لطلب"(۱)

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لا يجتمع ملأ فيدعو بعضهم ويؤمن البعض إلا أجابهم الله"(۲)

جب کوئی جماعت یکجا ہو اور ان میں سے شخص دعا کرے اور باقی آمین کہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کی ا قبول فرماتا ہے۔ (مترجم)

اس لیے حصن حصین میں مجمع مسلمانان کو اوقات اجابت سے شمار فرمایا کہ فرمایا:

"واجتماع المسلمين."(۳)

اور مسلمانوں کا مجمع ہو۔ (مترجم)

علامہ قاری نے اس کی شرح میں لکھا:

) [التيسير بشرح الجامع الصغير: حرف الصاد، ۲/۹۹]

) [المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصحابة: ۵۴۷۸-۳/۳۹۰]

) [تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين من كلام سيد المرسلين: فصل في

”کل ما یکون الاجتماع فیه أکثر کالجمعة والعیدین وعرفة، یتوقع فیه رجاء الإجابة اھ.“

جس میں اجتماع (بھیڑ) زیادہ ہو مثلاً جمعہ، عیدین، عرفہ۔ اس دعا میں مقبولیت کی امید ہے۔ (مترجم)

تو بعد عیدین دعا کا مستحب و مستحسن اور خوب و مرغوب ہونا تو ظاہر تر ہے، رہا اس کا مسنون ہونا تو اس کا تابعین عظام کی سنت ہونا معلوم۔

حضرت سیدنا امام محمد کا کتاب الآثار میں ارشاد مبارک ہے:

”أخبرنا أبو حنیفة عن حماد عن إبراهیم قال: کانت الصلاۃ في العیدین قبل الخطبة، ثم یقف الإمام علی راحلته بعد الصلاۃ فیدعو، ویصلي بغیر أذان وإقامة“(۱)

امام اعظم نے عن حماد عن ابراہیم روایت کرتے ہوئے فرمایا: کہ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھی جاتی تھی، پھر امام نماز کے بعد اپنی سواری (بلند مقام) پر کھڑے ہو کر دعا کرتا، نماز اذان واقامت کی بغیر پڑھتا تھا۔ (مترجم)

بلکہ بعض احادیث پر نظر کرنے سے اس دعا کا ثبوت فعلی خود حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام سے ملتا ہے۔

نیز اس حدیث بخاری سے بھی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((أمرنا أن نخرج العواتق وذوات الخدور ویعتزلن الحیض المصلی))(۱)

ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گھروں میں رہنے والی پردہ نشین اور حائضہ عورتوں کو عیدگاہ لے جائیں۔ البتہ حیض والی عیدگاہ حاضر نہ ہوں، لیکن خیر اور مسلمانوں کی دعا میں شرکت کریں۔ (مترجم)

بعد نماز دعا کا مسنون ہونا تو معلوم ہے، مگر اس کی تصریح نظر میں نہیں کہ بعد نماز متصلاً قبل خطبہ دعا ہو، یا بعد خطبہ۔ غرض ناجائز نہ یہ ہے، نہ وہ۔ ہمارا معمول بعد خطبہ ہی ہے۔ مجھے جہاں تک یاد ہے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا معمول بھی بعد خطبہ ہی تھا، اور یہ یوں مناسب بھی ہے کہ اگر بعد نماز دعا ہو جائے تو بہت لوگ خطبہ سے محروم رہیں۔ دعا ہوتے ہی چلے جائیں، میرے نزدیک جب یہ معلوم نہیں ہے کہ عہد

---

(۱) [الآثار لمحمد بن الحسن: باب صلاۃ العیدین، ۱/۵۴۵]

ہالت میں دعا کس کے بعد ہوتی تھی، تو اگر دونوں کے بعد ہو تو زیادہ مناسب ہے، کہ اس میں یقیناً سنت
ں ادا ہو جائے گی، اور مکرر دعا کا دہرا ثواب بھی ہوگا۔ھذا ما عندي و العلم بالحق عند ربي وھو
سحانہ .جسے زیادہ تفصیل درکار ہو وہ اعلیٰ حضرت سیدنا والد ماجد قدس سرہ العزیز کا رسالہ "سرور العید"
العہ کرے۔و اللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

(۲) کسی مسلمان سے دعا کا انکار بطور اہانت مظنون نہیں، انکار کرتا ہوگا تو اس موقعہ خاص پر اس
ہ مسنون ہونے کا، اپنی جہالت سے انکار کرتا ہوگا، فقط۔و اللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

قبلہ کی طرف رخ کر کے دعا مندوب ہے
مگر امام کو داہنے یا بائیں مسنون ہے

۸(مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جو شخص شمال ومغرب کی جانب منہ کر کے دعا مانگنا ضروری اور لازمی ولابدی سمجھتا ہے، اور علاوہ
ا دوسمتوں کے ناجائز، آیا اس شخص کا ایسا سمجھنا یا عقیدہ رکھنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کے بارے میں
یعت کا کیا حکم ہے؟۔

(۲) تکبیر کے وقت امام کو تکبیر کا سننا شمال ومغرب ہی کی طرف منہ کر کے ضروری وواجبی سمجھتا
ا اور امام سے یہ کہے کہ تا وقتیکہ تم شمال کی جانب رخ نہ کرو گے، ہم تکبیر نہ کہیں گے، اور نہ نماز پڑھیں
، اس لیے کہ شمال کی جانب قطب ہے، اور جب تم جنوب کی طرف رخ کر کے بیٹھو گے تو اس کی بے
ی ہوگی۔ آیا ایسا کہنا اور ایسا عقیدہ رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟۔

(۳) اور صرف پانی سے استنجا کرنے کو ناجائز بتاتا ہو، اور ڈھیلے کو ضروری قرار دیتا ہو، اور امام
ے کہے: صرف پانی سے استنجا کرو گے تو تمہارے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا؟۔

(۴) ایسے امام کے پیچھے جو مذکورہ بالا باتوں کو ضروری نہ سمجھتا ہو، مثلاً دعا کا ہر جانب رخ کر کے
ناجائز سمجھتا ہو، وغیرہ وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟۔ ۲۶/جمادی الآخر ۱۴۰۵ھ

الجواب

دعا قبلہ رو مانگنا آداب دعا سے ہے، مگر اس کے لیے مسنون یہ ہے کہ وہ جنوباً یا شمالاً اور اگر اس کی

"لأن حرمة المسلم الواحد أرجح عند اللّٰه من حرمة الكعبة كما في الغينة شرح المنية للعلامة إبراهيم الحلبي رحمه اللّٰه تعالیٰ عليه."(۱)

اس لیے کہ ایک مسلمان کی حرمت اللہ عزوجل کے نزدیک کعبے کی حرمت سے بڑھ کر ہے جیسا کہ علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب غنیۃ شرح منیہ میں ہے۔(مترجم)

شمال ومغرب کی جانب رخ کر کے دعا ضروری نہیں، جو ایسا کہتا ہے، غلط وباطل کہتا ہے۔

قال تعالیٰ:

﴿أَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(۲)

تم جدھر منھ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ) ہے۔

یہ جاہلوں میں غلط مشہور ہے کہ قطب کی جانب پیٹھ نہ کرنا چاہیے، اس لیے وہ جاہل جنوب کی طرف منہ کر کے دعا مانگنے کو ناجائز جانتا ہوگا۔ اس صورت میں قطب کو پیٹھ ہوگی، اور پورب کی طرف منہ کرنے میں قبلہ کو پشت ہوگی، قبلہ کو منہ یا پشت وقت رفع حاجت ممنوع ہے۔ یوں ہی قبلہ رو صحبت نہ ہونا چاہیے۔ برہنہ غسل کے وقت بھی قبلہ کو رو و پشت نہ کی جاے، ویسے قبلہ کی جانب بھی پشت ہونے میں حرج نہیں کہ شرع رفق وتیسیر پسند فرماتی ہے۔ تنگی وتضییق نہیں پسند فرماتی، حرج گوارہ نہیں فرماتی، ایسا ہوتا تو بہت زیادہ دقت وحرج ہوتا۔ جب قطب کی جانب پشت کرنا اس جاہل کے نزدیک ممنوع ہے تو وہ رفع حاجت کے وقت کیا کرتا ہوگا۔ نہ قبلہ کی جانب رو و پشت کر سکتا ہے، نہ شمال کی جانب ہی، جب اور وقت پشت نہیں کر سکتا، تو ایسے وقت برہنگی کی حالت میں وہ اسے کیسے جائز رکھے گا، اور جب پشت کرنا جائز نہیں تو برہنہ ہو کر ادھر منہ کرنا کیسے ناجائز نہ جانے گا۔ جہالت عجب بد بلا ہے۔ **ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه، واللّٰه تعالیٰ أعلم۔**

(۲) اس سوال سے وہی علت بے ادبی معلوم ہوگئی، یہ اس کا بے ہودہ قول ہے، اور ناجائز ہٹ، ناروا ضد۔ **واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔**

(۳) صرف پانی سے استنجا کرنے میں ترک سنت ہے۔ مسنون یہی ہے کہ ڈھیلوں سے پاک صاف کر کے استنجا کرے، مگر جو کوئی صرف پانی سے طہارت کرے اس کے پیچھے نماز ناجائز نہیں، یہ اس کی

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص ۳۳۰]

(۲) [سورة البقرة: ۱۱۵]

ہودہ ہٹ ہے۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) اس کا جواب اوپر کے جوابوں سے ظاہر، کہ اس کے پیچھے نماز میں اس وجہ سے کوئی حرج

ں۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

سلام کے بعد اتنی آواز سے ذکر نہ کریں جس سے کسی نمازی کا دل بٹے

۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسجد میں نماز پنج گانہ میں امام صاحب کے سلام پھیرتے ہی کچھ مقتدیوں کا اس قدر زور وشور
،نعرہ لگانا اور یاغوث یاغوث اس طرح چلا چلا کر کہنا کہ ان لوگوں کی بقایا نماز میں جو جماعت میں بعد کو
ں ہوتے ہیں خلل پڑے، اور وہ اطمینان قلب سے نماز ادا نہ کرسکیں کیسا ہے؟ ایسے لوگوں کی نسبت شرع
یف کا کیا حکم ہے، اور ان کا یہ فعل کیسا ہے، اگر امام صاحب اس فعل کو نہ روکیں تو ان کے واسطے کیا حکم
؟ بینوا توجروا۔ فقط

محمد احمد مسئلہ

الجواب

اتنی آواز سے ذکر بعد نماز نہ کریں جس سے کسی مسلمان نمازی کو تشویش اور پریشاں خاطری
۔ ذکر بجہر مفرط نہ کیا جائے گا۔ اگر چہ یا اللہ یا اللہ کہیں، اس وقت جو ذکر بھی کریں وہ ایسی آواز سے کہ
وں کی نماز میں خلل نہ ہو، حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے بعد ختم نماز ذکر جہر بھی بعض ....
، ثابت، مگر نہ بجہر مفرط۔ جہر مفرط جائز نہیں، ہاں اگر بعد نماز سے یہ مقصود ہو کہ علی الاتصال بعد ختم فرض
ں بلکہ بعد فراغ از فرائض وسنن اہل سنت طرد الشیاطین کے لیے زور سے نعرے لگاتے، ذکر خدا، ذکر
ل، ذکر غوث۔ جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ورضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ کرتے ہیں جس سے مریض
لب گھبراتے ہیں، اور اس کو اس پردہ میں رکھ کر اس کی آڑ لے کر کہ نماز کے بعد اتنے زور سے ذکر کرنا
سا ہے؟ کہ نمازیوں کی نماز میں خلل پڑے۔ سوال پیش کر کے جواب اپنی منشا کے موافق چاہتے ہوں
ھی جواب یہی کہ حد سے زائد بلکہ ضرورت سے زائد افراط اگر کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ یاغوث اگر
، آواز سے کہیں کہ جو مسجد میں حاضر ہو سنے، اور کسی نمازی مسلمان کی نماز میں اس سے خلل نہ پڑے تو

کچھ حرج نہیں، جب کہ بعد جماعت ہونہ کہ بعد فراغ از سنن ونوافل خالی وقت میں۔ نمازی مسلمان سے مراد وہ ہے جو درحقیقت مسلمان ہے، ہر مسلمان صورت مسلمان نام رکھنے والا مراد نہیں۔ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست، محض آدمی کی شکل رکھنے سے آدمی ہونا کچھ ضروری نہیں، تو اگر کوئی رافضی، وہابی، مرتد اس مسجد میں اس وقت حاضر ہوا اور وہ صورت نماز اتار رہا ہو تو اس کی نماز نماز نہیں جس میں خلل کے اندیشہ سے ذکر جہر کو روکا جائے۔ مسلمان کی نماز میں خلل ہوگا تو روکا جائے گا۔ واللّٰہ تعالیٰ أعلم۔

کتاب الجنائز

ابواب

(۱) نماز جنازہ

بے نمازی کی بھی نماز جنازہ پڑھی جائے

(۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جس مسلمان نے کبھی نماز نہ پڑھی ہو، اس کے جنازے کی نماز پڑھنا درست ہے؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب

فرض ہے، اگر کوئی نہ پڑھے گا سب گنہگار ہوں گے، نماز کا ترک گناہ ہے، بڑا اور بہت بڑا گناہ ہے، مگر کفر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے آگے ذکر خدا اور رسول بلاشبہ جائز ہے

(۲) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

میت کے آگے دو شخص یا اس سے زیادہ نعت پڑھتے چلیں یعنی: خدا پوچھے گا دنیا سے تو کیا لایا ہے اے بندے۔ تو کہہ دوں گا تیرے دیدار کا ارمان لایا ہوں۔ وغیرہ وغیرہ، یا اس مضمون کے "یا حبیب تم پہ لاکھوں درود" وغیرہ وغیرہ۔ براہ کرم اس سے آگاہی بخشیں کہ یہ سنت کا فعل ہے یا مکروہ یا حرام یا بالقطع شرک وبدعت ہے۔ یہ فعل کرنے والا کفر کے نزدیک تو نہیں پہنچتا یا فعل شرعاً جائز ہے؟۔ تو کیا ثواب میت کو اور کیا ثواب ہمراہ میت والوں کو ہوگا؟ زیادہ ادب۔

ازشہر بریلی محلّہ فراشی ٹولہ مسئولہ مرزا محمد بیگ صاحب صوبے دار پنشنر، ۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۵۳ھ

الجواب

اللہ پھر اس کے رسول۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ کا ذکر کہ وہ بھی بحکم حدیث ذکر اللہ ہی ہے

کہ حدیث قدسی میں رب تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

((جعلتك ذكراً من ذكري فمن ذكرك فقد ذكرني))(۱)

اے محبوب (علیہ الصلاۃ والسلام) میں نے تمہیں اپنے ذکروں سے ایک ذکر بنایا، تو جس نے ںارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔

ذکر مطلقاً بہر نوع اور بہر حال ہر زمان ومکان میں مستحسن ومستحب ومندوب ومطلوب ہے، مگر ں انواع بعض احوال وساعات ولحات جن میں کراہت شرعی ہو۔ جیسے نماز مطلقاً خیر موضوع ہے، مگر ل جنابت وحدث بے طہارت۔ یا باوقات مکروہہ۔ یا بارض مغصوب۔ یا برموضع ناپاک۔ یا بمقام غیر ہر۔ یا بلباس نجس۔ یا بہیأت ووضع ناجائز۔ قرآن عظیم وحدیث نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں ذکر کا م مطلق ہے، اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر رہے گا۔ ''المطلق يجري على إطلاقه.'' اس میں اپنی ف سے کوئی تقیید وتخصیص نہیں کی جاسکتی۔

دیکھو! آیات رحمانیہ ارشادات قرآنیہ میں ذکر کا حکم مطلق ہے کہیں ارشاد ہوا:

﴿أَذْكُرُونِي﴾ (۲)

کہیں فرمایا:

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (۳)

اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ۔

کہیں فرمان ہوا:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾ (۴)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو۔

دیکھو! احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ میں بھی ذکر کا حکم مطلق ہے۔

کہیں فرمایا:

---

(۱) [نسيم الرياض بشرح الشفا للقاضي عياض: ۱/۱۲۵]

(۲) [سورة يوسف: ٤٢]

(۳) [سورة البقرة: ۲۰۰]

(۴) [سورة الأحزاب: ٤١]

((أكثروا ذكروا الله حتى يقولوا مجنون۔))(١)

اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ لوگ پاگل کہنے لگیں۔(مترجم)

کہیں فرمایا:

((اذكروا الله عند كل شجر وحجر.))(٢)

ہر شجر و حجر کے پاس اللہ کو یاد کرو۔(مترجم)

کہیں ارشاد ہوا:

"لم يفرض الله علىٰ عباده فريضة إلا جعل لها حداً معلوماً، ثم عذر أهلها في حال العذر غير الذكر، فإنه لم يجعل له حداً انتهىٰ إليه، ولم يعذر أحداً في تركه إلا مغلوباً علىٰ عقله، وأمرهم به في الأحوال كلها."(٣)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو عمل بھی فرض فرمایا، اس کی ایک مقررہ حد بیان فرمادی، پھر معذوروں کو بری الذمہ بھی فرمایا، لیکن "ذکر" کا معاملہ اس سے مختلف ہے، رب تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی خاص حد بندی بیان نہیں فرمائی، اور اس کے ترک میں کسی کو معذور قرار نہیں دیا، مگر جس کی عقل ہی مغلوب ہوگئی ہو (تو الگ بات ہے) اپنے بندوں کو ہر حال میں "ذکر" کرنے کا امر فرمایا ہے۔

حضرت سیدتنا عائشہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

((كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يذكر الله تعالىٰ علىٰ كل احيانه))(٤)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت خدا کا ذکر کیا کرتے۔(مترجم)

ان اطلاقات قرآنیہ وحدیثیہ سے ذکر کا مطلقاً خیر موضوع اور: "على كل حال" مطلوب ہونا روشن ہوگیا، اب کسی نوع میں کسی حال میں اگر کراہت ہوگی تو کسی عارض سے ہوگی، اور وہ عارض جب تک رہے گا اسی وقت تک رہے گی، جب عارض جاتا رہے گا، اس نوع سے کراہت جاتی رہے گی، اور وہی

---

(١) [كنز العمال، كتاب الأذكار قسم الأقوال، حديث، ١٧٤٩: ١/٢١٣]

(٢) [كنز العمال، كتاب الأذكار، قسم الأقوال، حديث، ١٩٠٨: ١/٢٢٦]

(٣) [معالم التنزيل: ٥/٢٦٥]

(٤) [مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة [illegible]

ی حکم استحباب ہوگا۔

اس تمہید حمید کے بعد اب نفس مسئلہ کی جانب عنان توجہ موڑیئے۔ جنازہ کے ساتھ ذکر الٰہی و ذکر
الت پناہی۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یہ خاص نوع خاص حال کا ذکر بھی قرآن وحدیث کے
مطلق ارشادات کے نیچے داخل ہے۔ تو یہ بھی باعتبار اصل ضرور جائز ومندوب ومستحسن ہے۔ کون عاقل
یہ سکتا ہے کہ ہر پیڑ پتھر کے پاس ذکر مندوب ومطلوب ہو۔ اور جنازہ کے پاس ناجائز ونامرغوب۔ ہاں
ن ہے کہ بعض ازمنہ وامکنہ میں کسی عارض سے اس پر بھی حکم کراہت ہو جیسے کسی کسی عارض سے کسی کسی
یسی کسی وقت وحالت میں بعض انواع اور احوال ذکر پر ہوتا ہے۔ لحوق عوارض سے کراہت یا ممانعت کو
الاطلاق کراہت یا ممانعت نہیں کہا جاسکتا۔ جیسے عوارض کے سبب کراہت کی بنا پر علی الاطلاق نماز کو مکروہ
ئی مجنون ہی کہے گا۔ نماز ایک نوع ذکر ہے، جیسے بعض عوارض سے اس کے بعض افراد مکروہ ہوتے
ں، مگر ان افراد کی کراہت کی بنا پر خود نوع نماز پر حکم کراہت وممانعت نہیں ہوسکتا، جن افراد کو وہ عوارض
ت ہیں انہی تک وہ حکم مقصور رہے گا۔ یوں ہی بعض انواع ذکر کو اگر کسی خاص زمانہ میں بعض عوارض کی
پر حکم کراہت عارض ہو تو وہ علی الاطلاق ہر زمانہ کے لیے نہ ہوگا، بلکہ اسی زمانہ تک مقصور رہے گا جس میں
عوارض پائے جائیں۔ یوں ہی اگر بعض احوال میں کسی ذکر کو کسی زمانہ میں بعض عوارض سے سارے علما
بعض نے مکروہ کہا ہو تو وہ اسی زمانہ تک رہے گا جب تک اس حال میں ذکر کردہ عوارض لاحق ہوں۔

علما فرماتے آئے ہیں:

"کم من حکم یختلف باختلاف الزمان. کذا ذکرہ التمرتاشی" (۱)

بہت سے احکام ہیں جو زمانے کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں۔

یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے۔

یہ اختلاف خود ذات امر مختلف فیہ میں نہیں، ہوتا بلکہ نظر بعوارض ہوتا ہے۔ جب تک وہ عوارض
ے حکم کراہت تھا، جب نہ رہے تو اصل حکم پھر ہوا۔ کبھی ایک ہی امر پر دو جہت سے دو حکم مختلف ہوتے ہیں:
ک جہت سے ایک حکم دوسری جہت سے دوسرا۔ دیکھو "رفع الصوت عند قراءۃ القرآن" کو علمانے
مکروہ بھی کہا، اور نہایت محمود بھی بتایا۔

حدیقہ ندیہ میں ہے:

---

(۱) [البنایۃ شرح الہدایۃ: باب التعشیر، ۱۲/۲۳۶]

"روي عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن. من غير القاري لما فيه من المنع عن كمال الاستماع، وأما من القاري فإنه يوقع البعيد عنه في عدم الاستماع إليه. ولهذا قال في الملتقط: تكره قراءة القرآن في الطواف والأسواق؛ لأنه لا يستمع انتهىٰ. وفي شرح الوالد رحمه الله تعالىٰ علىٰ شرح الدرر من مسائل شتىٰ معزياً إلىٰ شرح المشارق قال: هذا يتعلق بالنية فمن كانت نيته صادقة فرفع صوته بقراءة القرآن والذكر أولىٰ لما فيه من إظهار الدين ووصول بركته إلىٰ السامعين في الدور والبيوت والخانات، وليوافق القائل من سمع صوته شهد له يوم القيامة كل رطب ويابس، ومن خاف علىٰ نفسه الرياء فالأولىٰ له إخفاء الذكر لئلا يقع فيه"(۱)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے تلاوت قرآن کے دوران بلند آواز کو ناپسند فرمایا، غیر قاری سے اس لیے کہ وہ کامل طور پر سن نہیں سکتا، اور قاری سے اس لیے کہ اب دور والا شخص سن نہیں پائے گا، اسی وجہ سے ملتقط میں فرمایا: طواف اور بازاروں میں قرآن عظیم پڑھنا مکروہ ہے، کہ آدمی سن نہیں پائے گا، والد ماجد رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح شرح الدر، بحث مسائل شتی میں جو شرح المشارق کی طرف منسوب ہے فرمایا: یہ چیز نیت پر موقوف ہے، جو نیت صادقہ رکھتا ہے اس کے لیے تلاوت قرآن، اور ذکر الٰہی کے وقت رفع صوت بہتر ہے کہ اس میں دین کا اظہار ہے، اور مکان ودکان میں سننے والے اس کی برکتوں سے محظوظ ہوں گے، اور اس لیے بھی کہ سننے والا کہنے والے کا مؤید ہو جائے، کہ بروز قیامت ہر خشک وتر اس کے گواہ ہوں گے، اور جسے اپنے اوپر ریا کاری کا اندیشہ ہو تو بہتر ذکر میں اخفا کرنا ہے تا کہ وہ ریا کاری میں مبتلا نہ ہو جائے۔

مکان وزمان کا اختلاف دراصل اختلاف ہی نہیں۔ جنازہ کے ساتھ ذکر کا اصل حکم تو یہی جواز واستحباب ہے، مگر بعض ازمنہ میں بعض عوارض کی بنا پر بعض علما نے اسے مکروہ کہا تھا، پھر علما نے ان عوارض کے نہ رہنے اور ممانعت میں زیادت مفسدت اور اجازت میں دینی مصلحت پانے کی بنا پر اسے وہی اصل حکم دیا کہ وہ جائز ومندوب ومرغوب ہے۔ جن بعض علما نے اسے مکروہ کہا تھا انہوں نے بوجہ تشبہ از اہل کتاب کہا تھا، مگر جب یہ عارض نہ رہا اور تشبہ جاتا رہا تو پھر اصل حکم لوٹ آیا۔

پھر ظاہر ہے کہ اس بنا پر ان کا وہ حکم خود اس زمانہ میں عام نہ تھا، بلکہ اسی مقام سے مخصوص، جہاں
ہو، اور اول تو بعض علما کے اس حکم کراہت کا جواب ظاہر کہ بدوں سے مطلقاً تشبہ کب مکروہ ہے، انہی
ر میں مکروہ ہے جو ان کا شعار ہوں۔

علامہ علی قاری مکی ''شرح فقہ اکبر امام اعظم'' میں لکھتے ہیں:

''وأما جواب بعض العلماء في مقام الإنكار عليه لبس هذه الكسوة بأن
نسوة الأزبكية أيضاً بدعة فليس في محله، فإنا ممنوعون من التشبه بالكفرة وأهل
بدعة المنكرة في شعارهم، لا منهيون عن كل بدعة ولو كانت مباحة سواء كانت
أفعال أهل السنة أو من أفعال الكفرة وأهل البدعة فالمدار على الشعار''(۱)

اس پوشاک کے پہننے کے تعلق سے ردوانکار کے مقام میں بعض علما کا یہ جواب، کہ ازبکی ٹوپی بھی
ت ہے، برمحل نہیں۔ ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا
یا ہے، ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکا گیا خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا
فار اور اہل بدعت کے۔ لہذا مدار کار شعار ہونے پر ہے۔ (مترجم)

حضرت علامہ شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں ہے: علماے
متقشقین ماوراء النہر ایں اطلاق را برائے تشبہ با شیعہ منع نوشتہ اند اما تشبہ با بداں درامر خیر ممنوع نمی تواند
د۔ [] ماوراء النہر کے علمائے محققین نے روافض سے تشبہ کی بنا پر اس اطلاق کو منع فرمایا ورنہ فساق سے
سی اچھے کام میں تشبہ ممنوع نہیں ہوسکتا۔

بعض نے حکم کراہت کی علت یہ بتائی کہ صمت سنن مرسلین ہے۔ اور خلاف سنت مکروہ صمت اولیٰ
ہے اور اس کا ترک مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ۔ مگر اب جب کہ ایک عرصہ دراز سے صمت بالکل متروک ہو گیا
ل جنازہ کے ساتھ دنیا بھر کی لغو باتیں کرتے اور بعض ہنسی دل لگی سے باز نہیں رہتے ہیں، تو اس زمانہ
ں ذکر جس سے قلوب کی قساوت جائے خوف و خشیت پیدا ہو ضرور مطلوب ہے۔ صمت تو اسی لیے مطلوب
ا، اور وہ بوجہ قساوت قلوب غیر تو غیر میت کے اعزا و اقربا میں بھی جیسا چاہیے نہ رہا۔ موت کا خوف کم
و گیا۔ ایسے وقت میں اس کا تفکر قطعاً جاتا رہا، تو ذکر الٰہی و رسالت پناہی اور ذکر موت و روز حساب وغیرہ
ن نے قساوت دور ہو، دلوں کا زنگ جائے، قلب جلا پائے، جو خشیت و خوف خدا کا رنگ لائے، اپنے

آپ ہی مندوب ہوگا، ہرگز مکروہ نہیں۔ حرام کیسا؟ اب اسے ممنوع وناجائز وحرام کہنے والا نرا جاہل مصالح شرع سے غافل مسلمانوں کا بدخواہ ہے، اور شرک جاننے والا تو مبتلائے سخت اشد گناہ ہے۔

ذکر اللہ وذکر رسول اللہ کو معاذ اللہ شرک جاننے والا، مسلمان ذاکرین خدا اور رسول کو مشرک بتانے والا وہابی نجدی خود ہی اس ناحق تکفیر کے وبال سے بلائے شرک وکفر میں گرفتار۔ یہ بدعت ہے مگر بدعت ضلالت نہیں جس کا بھوت وہابیہ کے سر پر ہر وقت سوار رہتا ہے، بلکہ بدعت حسنہ ملحق بالسنہ۔

جواہر اخلاطی میں بعض امور کی نسبت فرمایا:

"هـو وإن كان إحداثاً فهو بدعة حسنة ، وكم من شيء يختلف باختلاف الزمان والمكان."(۱)

یہ اگرچہ نو پیدا ہے پھر بھی بدعت حسنہ ہے، اور بہت احکام ہیں کہ زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔ (مترجم)

ہر بدعت بدعت ضلالت نہیں ہوتی۔ بعض بدعتیں مباح، بعض مستحب، بعض واجب، بعض مکروہ، خلاف اولیٰ ہوتی ہیں۔ علامہ قاری کی عبارت مذکورہ میں ابھی گزرا کہ ہر بدعت منہی عنہ نہیں ہوتی۔ ایک علامہ علی قاری کیا جسے کچھ بھی وقوف ہے وہ جانتا ہے کہ علما نے بدعت کی پانچ قسمیں فرمائی ہیں: مباح، مستحب، واجب، مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی۔

امام اجل نووی اپنی کتاب "تہذیب" میں اور سیدی امام علامہ مناوی "شرح جامع صغیر" میں، پھر فاضل علامہ مولی عبد الحلیم بن پیر قدوم رومی "حاشیہ درر" میں فرماتے ہیں:

"واللفظ للأخير. إن البدعة خمسة أنواع محرمة وهي اعتقاد مذهب القدرية أو الجبرية أو المرجئة أو المجسمة أو نحوهم، وواجبة وهي نصب أدلة المتكلمين للرد على هؤلاء وتعلم علم النحو الذي به يفهم به الكتاب والسنة ونحو ذلك، ومندوبة كإحداث نحو رباط ومدرسة وكل إحسان لم يعهد في الصدر الأول، ومكروهة كزخرفة مسجد وتزويق مصحف، ومباحة كالمصافحة عقيب كل صبح وعصر وتوسع في لذيذ مأكل ومشرب وملبس ومسكن ولبس طيلسان وتوسيع

---

(۱) [البناية شرح الهداية : باب التعشير، ۱۲/۲۳۶]

مام."(۱)

عبارت آخری کتاب کی ہے، بدعت پانچ طرح کی ہے:

(۱) محرمہ، مثلاً علمائے حق اہل سنت و جماعت کے خلاف، فرقۂ قدریہ، فرقۂ جبریہ، مرجیہ مجسمہ ره کے نئے عقیدے۔

(۲) واجبہ۔ جیسے مذکورہ گمراہ فرقوں کے خلاف متکلمین علمائے اہل حق کا دلائل قائم کرنا، علم نحو ره سیکھنا جس پر قرآن وسنت کا فہم موقوف ہے۔

(۳) مندوبہ۔ جیسے مسافر خانہ اور مدرسے، اور ہر وہ چیز جو کہ پہلے زمانے میں نہ تھی، ان کا ایجاد رنا۔

(۴) مکروہہ۔ جیسے مسجدوں کی فخریہ زینت، قرآن پاک کی آرائش وزیبائش۔

(۵) مباحہ۔ جیسے فجر وعصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا، اور عمدہ عمدہ کھانوں، شربتوں اور کپڑوں ں وسعت کرنا۔

وہابی جن کا مسلمانوں کو مشرک بنانا اور مبتدع بتانا ہی شیوہ ہے، وہ اور علما کرام کی نہ سنے گا، مگر شاہ ر العزیز صاحب کے فتاویٰ کو کیا کرے گا۔ شاہ صاحب کے فتاویٰ سے بھی ظاہر ہے کہ ہر بدعت بدعت یہ نہیں ہوتی۔ بعض بدعتیں مکروہ تنزیہی خلاف اولیٰ ہوتی ہیں۔ بعض حسنہ۔

فتاویٰ عزیزیہ میں ہے:

لفظ حقیقۃ الحقائق در اصطلاح قدما صوفیہ واقع ست کہ در شرع نیامدہ، وہر فرقہ را از فرقہاے اہل ت بعضے الفاظ مصطلح شدہ کہ در شرع اطلاق آں واردنہ شدہ مثل واجب الوجود در عرف متکلمین اہل سنت م چنیں لفظ وجود مطلق در عرف صوفیائے اہل سنت مثل قیصر وفرغانی ومولانا جامی بسیار وارد ست، ودر رع واردنہ شدہ۔ پس اطلاق ایں الفاظ ہر چند بدعت ست اما بدعت سیئہ نخواہد بود۔(۲)

لفظ حقیقۃ الحقائق قدیم صوفیائے کرام کی اصطلاح میں واقع ہوا ہے، جب کہ شریعت میں وارد یں۔ اہل سنت کے ہر طبقہ نے بعض الفاظ پر اصطلاح قائم کی ہے جن کا اطلاق شرع میں نہ ا۔ مثلاً واجب الوجود، متکلمین کے عرف میں، اور ایسے ہی لفظ "وجود مطلق" صوفیائے کرام اہل

---

(۱) [رد المحتار علی الدر المختار باب الامامة: ۱/ ۵٦٠]

سنت، مثلاً قیصر وفرغانی اور مولانا جامی کے عرف واصطلاح میں بہت زیادہ وارد ہوا ہے اور شرع میں وارد نہ ہوا، لہذا ان الفاظ کا بولنا اگرچہ بدعت ہے مگر بدعت سیئہ نہیں ہوسکتا۔

اس کی وجہ فرماتے ہیں:

چہ ایں قدر علمائے بادیانت وتقویٰ استعمال آں نمودہ اند۔(۱)

اس لیے کہ بیش تر متدین ومتقی علمائے کرام نے اس کا استعمال فرمایا ہے۔

نیز اسی فتاویٰ عزیزیہ میں ہے:

ساختن ضرائح وصورت قبور وعلم وغیرہ ایں ہم بدعت ست وظاہرست کہ بدعت حسنہ کہ دراں ماخوذ نہ باشد نیست بلکہ بدعت سیئہ است۔(۲)

قبروں اور علم وغیرہ کی صورتوں کو بنانا بھی بدعت ہے، ظاہر ہے کہ بدعت حسنہ نہیں جس میں گرفت نہیں۔ ہاں بدعت سیئہ ہے۔

اسی میں دربارۂ استمداد از انبیا واولیا ہے۔

استمداد از اموات خواہ نزدیک قبور باشد یا غائبانہ بے شبہہ بدعت ست۔ درزمان صحابہ وتابعین نبود لیکن اختلاف ست دراں کہ ایں بدعت سیئہ است یا حسنہ ونیز حکم مختلف می شود باختلاف طرق استمداد۔(۳)

مردوں سے مدد طلبی کرنا خواہ قبور کے پاس یا غائبانہ بلاشبہہ بدعت ہے، یہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اور تابعین کے دور میں نہیں تھا، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ بدعت سیئہ ہے یا بدعت حسنہ، اور نیز طرق استمداد کے بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے۔

نیز دربارۂ عرس فرماتے ہیں:

دوم آں کہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند وختم کلام اللہ کنند وفاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں نمایند، ایں قسم معمول درزمانہ پیغمبر خدا وخلفا راشدین نبود اگر کسے ایں طور بکند باک نیست زیراکہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ احیا واموات را حاصل می شود۔(۴)

---

(۱) [فتاویٰ عزیزیہ:۱/۷۵]

(۲) [فتاویٰ عزیزیہ:۱/۷۵]

(۳) [فتاویٰ عزیزیہ:۱/۹۲]

دوم یہ کہ اجتماعی صورت میں بہت سے لوگ جمع ہوکر کلام پاک کا ختم کرتے ہیں، شرینی یا طعام پر
ہ کرکے حاضرین کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، اس قسم کا عمل پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور
ائے راشدین کے زمانۂ اقدس میں نہیں تھا، اگر کوئی شخص یہ طریقہ اختیار کرتا ہے تو کوئی حرج کی بات
ں، اس لیے کہ اس طرح کے عمل میں کوئی برائی نہیں، بلکہ اس سے تو زندوں اور مردوں کے لیے فائدہ
فائدہ ہے۔ (مترجم)

یہاں تک کہ ایام عید واعراس ووقت آمد غائب ووقت ولیمہ وعقیقہ وولادت وختان بلکہ حفظ
آن کی خوشی کے وقت غنا کو جائز ومباح فرماتے ہیں۔

فتاویٰ عزیزیہ میں بدائع سے نقل کیا:

"السماع في أوقات السرور تاكيداً للسرور مهيجاً له مباح، وإذا كان ذلك
سرور مباحاً كالغناء في أيام العيد وفي العرس وفي وقت مجيء الغائب ووقت
ليمة والعقيقة وعند الولادة وعند ختانه وعند حفظ القرآن."(١)

سماع، سرور کے لمحات میں سرور میں جوش اور زور پیدا کرنے کے لیے مباح ہے، اور یہ اس وقت
، جب کہ سرور مباح ہو، جیسے غنا، جو ایام عید واعراس، وقت آمد غائب، وقت ولیمہ وعقیقہ، ولادت
ان، بلکہ قرآن عظیم کے حفظ کی خوشی کے وقت ہوتا ہے۔ (مترجم)

حضرت شاہ صاحب کے برادر گرامی قدر جناب شاہ رفیع الدین صاحب مرحوم کا ایک فتویٰ
بوعہ مطبع مجتبائی دہلی دیکھو وہ فرماتے ہیں:

امداد بدعا وختم واطعام طعام بدعتے مباح ست یعنی در عرس سالانہ بزرگان دین اگر صلحاے وقت
ع شدہ قرآن شریف خوانند وخیرات کردہ ثواب رسانند مضائقہ ندارد ایں بدعت مباحہ باید گفت وجہ قبح
ارد۔

دعا، ختم قرآن اور کھانا کھلانے کے ذریعے مدد کرنا ایک جائز بدعت ہے، یعنی بزرگان دین کے
لانہ عرس میں اگر اس زمانے کے نیک لوگ جمع ہوکر قرآن شریف پڑھیں اور خیرات کرکے ثواب
نچائیں تو کوئی مضائقہ نہیں، اسے بدعت مباحہ کہا جا سکتا ہے، قبیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ (مترجم)

ذکر خدا ورسول کو شرک یا کم از کم بدعت ضلالت کہنے والے یا آنکھیں خوب زور سے بند کرلیں

کہ کچھ نہ دیکھ سکیں، کہ شاہ صاحب سے اب آگے کیا نقل ہوگا۔ یا وہ جو علما کرام کی ایک نہیں سنتے ،ان کے ارشادات کو ذرا نہیں دیکھتے ،خوب آنکھیں چیر چیر کر دیکھیں کہ حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے فتاویٰ میں یہ کیا لکھ گئے ہیں:

سوال۔ آہنگ برقبور جائز ست یا نہ۔

جواب۔ استعمال آہنگ ہمراہ معازف ومزامیر وآلات لہو ممنوع وحرام برقبور یا غیر قبور۔ وحرمت ایں چیز ہا یعنی معازف ومزامیر وآلات لہو در کتب حدیث وفقہ مشروح ومبسوط ست۔ فقط آواز غنا یا ہمراہ دف جائز ست برغیر قبور وبرقبور بدعت ست احتراز اولیٰ ست۔(۱)

سوال: آہنگ (راگ، ایک باجے کا نام) قبروں پر جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آہنگ کا استعمال معازف (سارنگی، آلۂ موسیقی، ساز وغیرہ) مزامیر اور آلات لہو ولعب کے ساتھ ممنوع وحرام ہے، قبروں پر ہو یا غیر قبروں پر، اوران تمام چیزوں، یعنی معازف ومزامیر اور آلات لہو ولعب کی حرمت احادیث وفقہ کی کتابوں میں شرح وبسط کے ساتھ مذکور ہے، صرف غنا کی آواز دف کے ساتھ قبروں کے علاوہ جائز ہے قبروں پر بدعت ہے، بچنا اولیٰ ہے۔ (مترجم)

اللہ اللہ جنازہ کے ساتھ ذکر اللہ وذکر رسول تو وہابیوں کے نزدیک حرام وشرک وبدعت سیئہ ہو، اور شاہ صاحب غنا برقبر کے دف کو جائز بتائیں کہ احتراز کو صرف اولیٰ کہیں، کیا شاہ صاحب کے نزدیک اگر یہ بدعت سیئہ ہوتا تو وہ ''احتراز اولیٰ ست'' فرماتے، یا یہ فرماتے کہ: احتراز فرض ست یا لازم ست یا واجب ست۔ ہمیں تو شاہ صاحب کے فتاویٰ سے دکھانا اتنا تھا کہ بدعت سیئہ ہی نہیں ہوتی ہے، حسنہ بھی ہوتی ہے۔ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہوتی تو مباح ہیں مگر خلاف اولیٰ۔ اور وہابیوں کی قسمت کہ یہ مسئلہ ان کے فتاویٰ میں ایسا نکلا جس نے اس مسئلہ کا حکم بھی ضمناً صاف بتادیا۔

علمائے کرام اور شاہ صاحب درکنار خود حضور پرنور سید ابرار سرکار سرہر کار سیدنا احمد مختار علیہ الصلاۃ والسلام من ربہ العزیز الغفار مادامت اللیالي والأسحار. نے بدعت کی قسمیں فرمادیں: حسنہ جس میں مباح ومستحب وواجب داخل۔ دوسری: بدعت ضلالت جو حرام وضلال وکفر سب کو شامل۔

ایک حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((من سن في الإسلام سنة حسنة فله أجرها وأجرمن عمل بها إلىٰ يوم
يامة ، ومن سن في الإسلام سنة سيئة فعليه وزرها ووزرمن عمل بها إلىٰ يوم
امة لا ينقص من أوزارهم شيء))(۱)
جوشخص دین اسلام میں نیک بات پیدا کرے اسے اس کا ثواب ملے،اور قیامت تک جتنے اسے
یں سب کا ثواب اسے ملے،اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور
کا بھی جو اس پر قیامت تک عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی۔(مترجم)
دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:عليه الصلاة والسلام.
((من ابتدع بدعة ضلالةً لا يرضى الله بها ورسوله كان عليه مثل آثام من
ل بها لا ينقص ذلك من أوزار الناس شيئاً))(۲)
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو گمراہی کی بات نکالے تو اس سے اللہ راضی ہوگا نہ
کے رسول ، جتنے اس طریقے پر چلیں ان سب کے برابر اس پر گناہ ہو اور اس سے ان کے گناہ میں کچھ
انہ ہو۔(مترجم)
موت کا تفکر وتذکر نہایت محمود ومندوب اور غایت مرغوب ومطلوب ہے،زمانہ سلف میں جنازہ
ساتھ سکوت وصموت خالی نہیں ہوتا تھا ، بلکہ وہی جن میں تفکر وتذکر موت ہوتا ، وہ سب حضرات اس
غرق ہوتے ، ایسے وقت ایسی بات جو اس تفکر وتذکر میں فرق ڈالے نہ کرتے تھے ،اب کہ زمانہ منقلب
موت کا خوف اس کی عبرت جاتی رہی ،لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا ،فضول ولغو باتیں کرتے ہیں ، وہ
ت جو خالی نہ ہوتا ، بلکہ تفکر وتذکر سے ہوا کرتا کیسا ؟ خالی سکوت بھی نہیں ہوتا اور ہو بھی تو بے
ہ۔لہٰذا اب زبان سے ذکر جس سے قساوت قلب دور ہو، خدا اور رسول کی محبت بڑھے ، موت یاد آئے
کا خوف دل میں سمائے ،عمر کے رائیگاں جانے کا افسوس ہو، آئندہ رائیگاں نہ کرنے کا خیال ہو کیوں
وب ومحمود، مطلوب ومرغوب اور مقصود نہ ہوگا۔
حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں حضرت عارف باللہ سیدی علامہ امام عبد الغنی نابلسی قدس سرہ
ہی نے اس مسئلہ کے متعلق نہایت عمدہ اور اعلیٰ تحقیق كما ينبغي تدقیق فرمائی ہے:

[الترغيب والترهيب، الترغيب في البداءة، حديث ۱-۱/۹۰]
[الترغيب والترهيب، الترغيب في البداءة، حديث ٤-۱/۹۱]

فرماتے ہیں: رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ عنا

قال في شرح الطحاوي: وعلیٰ مشیع الجنازة الصمت، وعبر في المجتبیٰ والتجرید والحاوي: ینبغي أن یطیل الصمت. ومن سنن المرسلین الصمت معها، کذا في منیة المفتي، ویکره لهم رفع الصوت بالذکر وقراء ة القرآن کما في شرح الطحاوي لأنه یشبه أهل الکتاب کما في الإیضاح،

وعن قیس بن عبادة کان أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم یکرهون رفع الصوت عند ثلاثة: القتال وفي الجنازة والذکر کذا في الإیضاح کراهة تحریم. وقیل: تنزیه کما في المبتغی. وکراهة تحریم وقیل: تنزیه کما في القنیة . وهو یکره علیٰ معنی أنه تارك الأولیٰ کما عزاه في التتمة إلیٰ والده .

وعن إبراهیم یکره أن یقول الرجل وهو یمشي معها: استغفروا له غفر اللّٰہ لکم کذا في التتمة والخانیة . وإذا أراد الذکر یذکر في نفسه کما في الظهیریة والخانیة. وقولهم :کل حي سیموت ونحو ذلك خلف الجنازة بدعة کما في السراجیة ومنیة المفتي، ذکره الوالد رحمه اللّٰہ تعالیٰ في جنائز شرحه علیٰ شرح الدرر في شرح الشرعة المسمی بجامع الشروح . قال: وأن یستکثر من التسبیح والتهلیل علیٰ سبیل الإخفاء خلف الجنازة وأن لا یتکلم بشي من أمر الدنیا وأن لا یضحك ؛ فإن ذلك یقسی القلب. وأن یقول : اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر، أشهد أن اللّٰہ یحي ویمیت وهو حي لا یموت ، سبحان من تعزز بالقدرة والبقاء وقهر العباد بالموت والفناء ، وأن لا یرفع صوته بشي من التسبیح والتهلیل وغیرهما من الأدعیة والأثنیة ؛ فإنه شبیه بیوم الحشر في ظهور حکم اللّٰہ تعالیٰ وعدم تاثیر قدرة أحد وکلامه ، وقد قال اللّٰہ تعالیٰ في حق ذلك الیوم﴿وخشعت الأصوات للرحمن﴾أي : سکنت وذلت وخضعت له للخوف منه تعالیٰ﴿ فلا تسمع الاهمسا﴾ وصف الأصوات بالخشوع والمراد أهلها ویؤیده ما قیل: أنه یکره رفع الصوت بالذکر وقراء ة القرآن في تشیعاً ؛ لأنه فیه موافقة لأهل الکتاب."(۱)

ان امام جلیل عارف باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ لکھ کر کہ ''شرح طحاوی میں فرمایا کہ مشیع جنازہ پر
ن لازم..اور مجتبیٰ و تجرید وحاوی میں یوں تعبیر کیا کہ سزاوار ہے کہ صمت طویل کرے، سنن مرسلین سے
ہ کے ہمراہ صمت ہے، یوں ہی منیۃ المفتی میں ہے۔ اور رفع الصوت بالذکر وقراءت القرآن انہیں
وہ ہے، جیسا کہ شرح طحاوی میں ہے، اس لیے کہ یہ مشابہ اہل کتاب ہے، جیسا کہ ایضاح میں ہے
رقیس بن عبادہ سے مروی ہے کہ صحابہ تین جگہ رفع صوت کو ناپسند رکھتے تھے: وقت قتال اور جنازہ اور
کے ساتھ، ایسا ہی ایضاح میں ہے۔ یہ کراہت تحریم ہے اور کہا گیا کراہت تنزیہہ جیسا کہ مبتغی میں
۔ اور یہ کراہت تنزیہی ہے۔ اور کہا گیا کراہت تحریم ہے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ اور وہ مکروہ ہے بایں
) کہ ایسا کرنے والا تارک اولیٰ ہے جیسا کہ تتمہ میں مصنف تتمہ نے اپنے والد تک اس کی نسبت کی۔ اور
ہیم سے منقول ہے کہ یہ مکروہ ہے کہ آدمی چلتے ہوئے کہے: اس کے لیے دعا مغفرت کرو، خدا تمہاری
رت فرمائے، ایسا ہی تتمہ اور خانیہ میں ہے۔ اور جب ذکر کا ارادہ کرے تو دل میں کرے، جیسا کہ ظہیریہ
ہے، اور ہمراہیان جنازہ کا جنازہ کے ہمراہ یہ قول کہ ہر زندہ عنقریب مرے گا، بدعت ہے، ایسا ہی
جیہ اور منیۃ المفتی میں ہے، اسے والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شرح شرح درر کے باب الجنائز اور شرح
مۃ الاسلام میں جس کا نام جامع الشروح ہے ذکر کیا۔ فرمایا: چپکے چپکے جنازہ کے پیچھے خوب تسبیح وتہلیل
مشغول رہے، اور چاہیے کہ دنیوی کوئی بات نہ کرے، اور نہ ہنسے، اس لیے کہ یہ قلب کو سخت کرتا
۔ اور کہے:

''اللہ أکبر اللہ أکبر، أشهد أن اللہ یحي ویمیت، اللہ أکبر اللہ أکبر.''

میں شہادت دیتا ہوں کہ بے شک اللہ جلاتا ہے، اور وہی مارتا ہے۔

''وهو حي لایموت''

اور زندہ ہے کہ مرے گا نہیں۔

''سبحان من تعزز بالقدرة والبقاء وقهر العباد بالموت والفناء.''

پاکی ہے اس ذات پاک کو جو غالب ہے اپنی قدرت وبقا سے، اور جس نے تمام بندوں کو موت
رفنا سے مقہور ومغلوب فرمایا۔ اور یہ کہ تسبیح وتہلیل وغیرہ دعا وثنا کے ساتھ آواز بلند نہ کرے، اس لیے کہ یہ
ن قیامت کے دن کے مشابہ ہے بایں معنی کہ اس دن اللہ تعالیٰ کے حکم کا ظہور ہوگا اور کسی کی اس دن نہ
رت کام دے گی اور نہ کوئی کچھ کلام کر سکے گا۔

﴿وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ﴾(۱)
یعنی آوازیں رحمن کے لیے ساکن وذلیل وخاضع ہوگئیں۔
﴿فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا﴾(۲)
تو مسموع نہیں ہوتی، مگر نہایت خفیف آواز۔
آوازوں کو فرمایا خاشع ہوگئیں، مگر مراد آواز والے ہیں۔اور اس قول والد کا مؤید وہ ہے جو کہا گیا ہے کہ مکروہ ہے رفع صوت بالذکر وقرأۃ القرآن جنازہ کی مشایعت میں، اس لیے کہ اس میں اہل کتاب سے موافقت ہے"۔(مترجم)

"لکن بعض المشايخ جوزوا الذكر الجهري ورفع الصوت بالتعظيم بغير التغيير بإدخال حرف في خلاله قدام الجنازة وخلفها لتلقين الميت والأموات والأحياء وتنبيه الغفلة والظلمة وإزالة صداء القلوب وقساوتها بحب الدنيا ورياستها. وفي كتاب العهود المحمدية للشيخ عبد الوهاب الشعراني قدس الله سره قال:وينبغي لعالم الحارة أو شيخ الفقراء في الحارة أن يعلّم من يريد المشي مع الجنازة آداب المشي معها من عدم اللغو فيها. وذكر من تولى وعزل من الولاة، أو سافر أو رجع من التجار ونحو ذلك.فإن ذكر الدنيا في ذلك المحل ماله محل، وقد جرب أن كثرة الكلام اللغو يميت القلب، وإذا مات القلب في طريق الجنازة شفعوا في الميت بقلوب ميتة فلا يستجاب لهم، فأخطأ من لغافي طريق الجنازة في حق نفسه وفي حق الميت. وقد كان السلف الصالح لايتكلمون في الجنازة إلا بما ورد ، وكان القريب لا يعرف من هو القريب للميت حتى يعرف غلبة الحزن على الحاضرين كلهم. وكان سيدي على الخواص يقول :إذا علم من الماشيين مع الجنازة أنهم لا يتركون اللغو في الجنازة ويشتغلون بأحوال الدنيا، فينبغي أن يامرهم بقول:لا إله الله محمد رسول الله ، فإن ذلك أفضل من تركه، ولا ينبغي لفقيه أن ينكر ذلك إلا بنصٍ أو إجماع، فإن مع المسلمين الاذن العام من الشارع بقول :لا إله إلا الله محمد رسول الله ،كل وقت شاؤا، ويا الله

(۱) [سورة طٰه:۱۰۸]

جب من عمي قلب من ينكر مثل هذا، اه"(۱)

لیکن بعض شیوخ ائمہ نے جنازہ کے آگے اور پیچھے ذکر جہر و رفع الصوت بالتعظیم بغیر تغییر کہ اس کوئی حرف بڑھائیں بہ مصلحت تلقین میت و اموات و احیا و برائے تنبیہ غافلان و ظالمین اسے بے اہت جائز رکھا، نیز برائے ازالۂ زنگ قلوب و قساوت آں بسبب حب دنیا و ریاست دنیا۔

اور کتاب عہود محمدیہ شیخ شعرانی قدس اللہ سرہ النورانی میں ہے:

کہ عالم اور وہاں کے شیخ طریقت کو چاہیے کہ جو لوگ جنازہ کے ہمراہ جانا چاہتے ہوں، انہیں اس ہمراہ چلنے کے آداب سکھائیں کہ بے ہودہ باتیں نہ کریں۔ اور یہ ذکر نہ کریں کہ حکام سے فلاں اس رہ پر فائز ہوا، فلاں معزول ہوا۔ اور تاجروں سے فلاں گیا، اور فلاں واپس آ گیا۔ اور ایسی ہی لغو یں۔ اس لیے کہ دنیوی باتوں کا اس مقام پر کوئی محل نہیں۔ اور بیشک تجربہ کی بات ہے کہ لغو باتوں کی ثرت قلب کو مردہ کر دیتی ہے، اور جب طریق جنازہ میں قلب یوں مردہ ہو جائے گا تو میت کے لیے اے مغفرت مردہ قلوب کے ساتھ کریں گے تو اجابت نہ ہوگی۔ تو وہ شخص جس نے لغو باتیں جنازہ کے تھ راستہ میں کیں، اس نے اپنے اور میت دونوں کے حق میں خطا کی۔ بے شک سلف صالح جنازہ کے اتھ کوئی کلام نہ کرتے تھے، مگر وہی جو وارد ہوا۔ سلف کی حالت یہ تھی کہ میت کے عزیز قریب و غیر قریب ں امتیاز نہ ہوتا، جب تک کوئی بتاتا نہیں۔ یہ بوجہ غلبہ حزن بر جمیع حاضرین ہوتا۔ اور سید علی خواص رضی ند تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جب ہمراہیان جنازہ کی حالت معلوم ہو کہ وہ جنازہ کے ساتھ لغو باتیں نہ ہوڑیں گے، اور احوال دنیا میں مشغول رہیں گے تو انہیں کلمہ طیبہ لا الٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ ھتے چلنے کا حکم کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ پڑھنا اس کے ترک سے افضل ہے، اور کسی فقیہ کو اس کا انکار نہ اہیے، مگر بنص یا باجماع، اس لیے کہ مسلمانوں کو شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے اس کا اذن عام ہے کہ ب چاہیں وہ یہ ذکر کریں۔ اور اے خدا اس شخص کا دل کتنا اندھا ہے جو اس جیسی بات سے منع کرے۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"وذكر الشعراني أيضا ـ رحمه الله تعالىٰ ـ في كتابه "عهود المشايخ" قال: ولا مكن أحداً من إخواننا ينكر شيئاً ابتدعه المسلمون علىٰ جهة القربة إلىٰ الله تعالىٰ

ورأوه حسنا كما مر تقريره مراداً في هذه العهود لا سيما ما كان متعلقاً بالله تعالىٰ ورسوله عليه السلام كقول الناس أمام الجنازة :لاإله إلاالله محمد رسول الله ، أو قراء ة أحد القرآن أمامها ونحو ذلك، فمن حرم ذلك فهو قاصر عن فهم الشريعة ؛ لأنه ما كل مالم يكن علىٰ عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لم يكن مذموماً، وقد رجح النووي أن الكلام خلاف الأولىٰ فقط.

واعلم أنه لو فتح هذا الباب لردت أقوال المجتهدين في جميع ما استحبوا من المحاسن ولا قائل به، وقد فتح رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعلماء أمته هذا الباب وأباح لهم أن يسنوا كل شيء استحسنوه ويلحقوه بشريعة رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقوله عليه الصلاة والسلام:((من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من يعمل بها)) وكلمة "لااله إلا الله محمد رسول الله" أكبر الحسنات فكيف يمنع منها، وتأمل أحوال غالب الخلق الآن في الجنازة تجدهم مشغولين بحكايات الدنيا لم يعتبروا بالميت وقلبهم غافل عن جميع ما وقع له ، بل رأيت منهم من يضحك . وإذا تعارض عندنا مثل ذلك وكون ذلك لم يكن في عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قدمنا ذكر الله عزوجل، بل كل حديث لغو أولىٰ من حديث أبناء الدنيا في الجنازة ، فلو صاح كل من في الجنازة" ب لا اله إلا الله" فلا اعتراض ، ولم يأتنا في ذلك شيء عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ، فلو كان ذكر الله في الجنازة منهياً عنه لبلّغنا ولو في حديث كما بلغنا في قراء ة القرآن في الركوع فافهم .

وشيء سكت عنه الشارع أوائل الإسلام لا يمنع منه أوأخر الزمان، وبالجملة فلا يجترى علىٰ أمر الناس بترك قول:لااله إلا الله ، الآن يجد في ذلك حديثاً يمنع من ذلك."(١)

نیز امام شعرانی قدس سرہ النورانی نے اپنی کتاب عہود المشائخ میں ذکر کیا۔فرمایا:ہم اپنے برادروں کواس کی اجازت نہیں دیں گے، کہ وہ کسی ایسی بات کا انکار کریں جو مسلمانوں نے بروجہ قربت نئی نکالی ہو، اوراسے اچھا جانا ہو،خصوصاً وہ جو اللہ عزوجل اوراس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق

یسے لوگوں کا جنازہ کے آگے کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا۔ یا کسی کا پیش جنازہ قرآن
م پڑھنا اور اس کی مثل، تو جو اسے حرام بتائے وہ فہم شریعت سے قاصر ہے، اس کو شریعت کی سمجھ نہیں کہ
بات جو عہد نبی علیہ الصلاۃ والسلام میں نہ تھی مذموم نہیں۔ اور امام نووی نے اسی قول کو مرجح فرمایا کہ
فقط خلاف اولیٰ ہے۔ اور یہ جان لو کہ اگر اس کا دروازہ کھلے کہ جو بات عہد نبوی میں نہ تھی، وہ مذموم ہو
س قدر مستحبات اور مستحسنات ائمۂ مجتہدین نے نکالے ان کے وہ سارے اقوال مردود ہو جائیں
۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے کہ:

"من سن سنة حسنة الحديث"(۱)

جس نے اسلام میں اچھا طریقہ نکالا۔ یعنی جو شخص دین اسلام میں نیک بات پیدا کرے اسے
کا ثواب ملے، اور قیامت تک جتنے اسے کریں سب کا ثواب اسے ملے۔" اپنی امت کے علما کے لیے
کا دروازہ کھول دیا ہے، اور انہیں اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے کہ نیک طریقہ ایجاد کریں، اور اسے
نت مصطفویہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیہ سے لاحق کریں۔

اور کلمہ طیبہ اکبر حسنات ہے تو اس سے کیوں کر منع کیا جا سکتا ہے۔ اور غالب خلقت کی حالتوں کو
وتامل دیکھو تو تم انہیں حکایات دنیا میں مشغول پاؤ گے، کہ انہیں میت سے کوئی عبرت نہ ہوئی، ان کے
ب غافل ہیں کہ میت پر کیا گزری۔

فرماتے ہیں:

بلکہ میں نے ان میں بعض کو ہنستے دیکھا ہے، اب جب کہ یہ عدم عبرت اور غفلت اور ہنسنا، اور
ر علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ میں کلمہ طیبہ جنازہ کے ساتھ نہ ہونا متعارض ہوئے، تو ہم نے ذکر اللہ کو
م کیا۔ بلکہ ہر لغو بات کرنے سے بدتر جنازہ میں ابنائے دنیا کا بات کرنا ہے، تو اگر سب کے سب
ہی جنازہ لا الہ إلا اللہ محمد رسول اللہ خوب بلند آواز سے پڑھیں کوئی اعتراض نہیں۔ اور اس
ے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی ممانعت ہمیں نہ پہنچی، اور اگر ذکر الٰہی جنازہ میں منہی عنہ ہوتا
رور نہی وممانعت فرماتے، اور وہ ہمیں پہنچتی، اگر چہ ایک ہی حدیث۔ جیسا کہ رکوع میں قرآن عظیم کی
ءت کے بارے میں پہنچی تو سمجھ جاؤ۔ اور وہ بات جس سے شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اوائل اسلام
سکوت فرمایا، اواخر زمان میں اس سے نہ روکا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس پر جرأت نہیں کی جاسکتی کہ

لوگوں کوترک ذکر لاالٰہ الا اللہ کا حکم کیا جائے۔مگر جب کہ کوئی ایسی حدیث ہو جس میں اس سے ممانعت کی گئی ہو۔(مترجم)

امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کے اس ارشاد فیض بنیاد سے مسئلہ کی پوری وضاحت ہوگئی کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔بعض نے مکروہ کہا۔بعض نے بلاکراہت جائز۔اوراسی کو ان امام جلیل نے خود طرح طرح سے ثابت فرمایا،اور عارف بالاختصاص بحر معرفت کے غواص سیدی علی خواص رضی اللہ تعالیٰ عنہ مادام العام والخاص، نیز امام ربانی عارف باللہ شعرانی قدس سرہ النورانی کے ارشادات سے مؤید کیا۔اور ہم بتا چکے کہ یہ اختلاف کوئی اختلاف نہیں۔اس زمانہ میں اگر اس زمانہ کے مکروہ کہنے والے ہوتے تو وہ بھی یہی فرماتے جو یہ حضرات فرمارہے ہیں۔

دیکھو عہد پاک رسالت میں عورتوں کو مسجد کی حاضری کا حکم تھا،مسجد کی حاضری سے روکنے کی ممانعت تھی ارشاد اقدس تھا:

((لا تمنعوا إماء اللّٰه المساجد اللّٰه))(۱)

اللہ کی بندیوں کو مساجد سے نہ روکو۔

یہاں تک کہ حیض ونفاس والی کو بھی عیدگاہ میں آنے اور علاحدہ بیٹھ کر دعا میں شریک ہونے کا حکم تھا،مگر بعد عہد پاک نبوی زمانہ بدلتا ہے،اور عہد صحابہ میں عورتیں مسجد سے روکی جاتی ہیں، جبراً مسجد سے نکال دی جاتی ہیں،وہ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت لے کر دربار ام المومنین عائشہ صدیقہ میں حاضر آتی ہیں،ام المومنین فرماتی ہیں کہ خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام اگر بنفس نفیس ہم میں اس وقت تشریف فرما ہوتے تو وہ بھی آج عورتوں کو مسجد سے روکنے کا حکم فرماتے۔

ظاہر ہو گیا کہ: معاذ اللہ صحابۂ کرام نے حضور کے ارشاد سے سرتابی نہ کی،حضور کے امر کی مخالفت نہ کی،اختلاف زمانہ سے حکم مختلف ہوا۔تو آج ہرگز ذکر مع الجنازہ کسی کے نزدیک مکروہ نہیں ٹھہر سکتا،بلکہ وہ محمود و مستحسن و مستحب ومندوب ومقصود ومرغوب ومطلوب ہے،ملحق بالسنہ ہے۔اسے حرام وبدعت سیئہ اور جہنم وکفر تک پہنچانے والا،جانے والا،یا بالقطع شرک کہنے والا ذرا اپنے دعوائے اسلام کی نبض دکھائے اس کے بعد اس کا کیا منہ ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرے۔ذکر اللہ وذکر رسول کو شرک وکفر بتائے،اور اسلام کا دعویٰ؟ولاحول ولا قوۃ إلا باللہ العلی العظیم۔

فرض کردم اگر اس بارے میں علما کے درمیان آج ہی نہیں۔ دائمی اختلاف ہوتا کہ ہمیشہ رہتا
نہ کے تغیر وتبدل کے ماتحت نہ ہوتا تو بھی عوام کو اس ذکر خیر سے ممانعت نہ کی جاتی۔ اسے حرام وبدعت
و شرک وکفر کہنا تو نرا کذب، بالکل دروغ اور خالص ظلم اور کھلا باطل فتویٰ، اور یقینی طغویٰ ہے۔ ایسی
ری گھنونی نجس ممانعت کا تو کبھی محل تھا ہی نہیں نہ ہوسکتا۔ ایسے جو امور مختلف فیہ ہی ہیں ان سے ممانعت
علما ممانعت فرماتے ہیں۔ دیکھو طلوع شمس کے وقت نماز پڑھنا حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے، ذکر جہر کو
قاً بعض نے مکروہ کہا، صلاۃ رغائب وصلاۃ قدر با جماعت پڑھنا مکروہ بتایا، وغیرہ وغیرہ۔ علما نے عوام کو
ِ سے ممانعت کی ممانعت فرمائی۔ کہ وہ یوں خدا کی یاد کرتے ہیں کرنے دو۔ منع کریں تو بوجہ قلت رغبت
بیں بالکل ہی نہ چھوڑ بیٹھیں۔

حدیقہ ندیہ میں ہے:

"ذكر الوالد رحمه الله تعالىٰ في شرحه على شرح الدرر وعبارته:

قال صاحب المصفىٰ في شرح النسفية: سمعت عن الشيخ الإمام الأستاذ
ميد الدين يحكي عن شيخه الإمام الأجل جمال الدين المحبوبي أنه قال
مافي؟ بخاري: لا يمنعون عن الصلاة وقت طلاع الشمس إلىٰ ارتفاع الشمس
ٔن الغالب أنهم إذا منعوا عن ذلك وأمروا بالمكث في المسجد إلىٰ ارتفاع
ممس أو بالرجوع ثم بالحضور لم يفعلوا ذلك ولم يقضوا، ولو صلوها في هذه
حالة فقد أجازه أصحاب الحديث، والأداء في وقت يجيزه بعض الأئمة أولىٰ
ن الترك أصلاً، وهكذا نقل عن شمس الأئمة الحلواني حين سأله السيد الإمام
شجاع عن منع الناس عن الصلاة في هذا الوقت فأجاب بهذا، وذكر في القنية
مزي النسفي والحلواني اه. ومن هذا القبيل نهي الناس عن صلاة الرغائب
جماعة وصلاة ليلة القدر، ونحو ذلك.

وقد اختلف العلماء بالكراهة بالجماعة فيها، لا يفتى بذلك للعوام لئلا تقل
بتهم في الخيرات. وقد اختلف العلماء في ذلك فصرح ابن الصلاح من الأئمة
شافعية وهو من كبار المحدثين رحمه الله تعالىٰ بعدم الكراهة، وصنف في
ـوازها رسالة مستقلة وإن ناقشه في ذلك معاصره العزبن عبد السلام برسالة أخرى۔

من تنفيرهم منها۔ وفي الغالب أنهم إذا لم يصلوها كذلك جلسوا في المسجد ليلة النصف من شعبان، وليلة أول جمعة من شهر رجب، وليلة القدر يتحدثون بكلام الدنيا المكروه ربما ذهبوا إلىٰ ماهم فيه من الانهماك في الشهوات والغفلات."(۱)

والد ماجد قدس سرہ نے اپنی شرح ''شرح الدرر'' میں ذکر فرمایا: ان کے الفاظ یہ ہیں:

صاحب مصفی شرح النسفیہ نے فرمایا: میں نے شیخ، امام استاذ حمید الدین کو اپنے شیخ امام اجل جمال الدین محبوبی سے بیان کرتے ہوئے سنا، انھوں نے کہا: طلوع آفتاب کے وقت لوگوں کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے گا، کیوں کہ غالب گمان ہے کہ اگر اس وقت نماز پڑھنے سے روک دیا جائے اور آفتاب بلند ہونے تک مسجد میں ٹھہرنے یا چلے جانے پھر آنے کا حکم دیا جائے تو وہ یہ نہ کر سکیں گے، اور پھر نماز کی قضا بھی نہ کریں گے۔ اور اگر انھوں نے اسی حالت میں نماز پڑھ لی تو محدثین نے جائز قرار دیا ہے، جب کہ ترک سے وہ ادائیگی بہتر ہے جو بعض ائمہ کے نزدیک جائز ہے، اور اسی طرح شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے جس وقت سید امام ابوشجاع نے ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا: ''کیا اس وقتِ مکروہ میں لوگوں کو نماز پڑھنے سے روکا جائے گا'' تو انھوں نے یہی جواب دیا (جو گزر گیا)۔

قنیہ میں امام نسفی و امام حلوانی کے حوالے سے مذکور ہے: اسی قبیل سے نماز رغائب کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور لیلۃ القدر کے موقع پر نماز وغیرہ بھی ہیں اگر چہ علما نے ان کی جماعت کے بارے میں کراہت کی تصریح کی ہے، مگر عوام میں یہ فتویٰ نہ دیا جائے تا کہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو، علما نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے۔

ابن صلاح جو ائمہ شافعیہ میں سے ہیں عظیم محدث ہیں۔ انھوں نے عدمِ کراہت کی صراحت کی ہے اور اس کے جواز میں ایک مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے، اگر چہ ان کے معاصر عز بن عبد السلام نے اس بارے میں ان سے ایک دوسرا رسالہ لکھ کر بحث فرمائی ہے، اور اسی طرح متاخرین میں سے بھی بعض نے اس کے جواز پر لکھا ہے، عوام کو نماز کی طرف راغب رکھنا انھیں نفرت دلانے سے کہیں بہتر ہوتا ہے، غالب گمان یہ ہے کہ جب لوگ نمازیں نہیں پڑھیں گے تو اس طرح مسجد میں شعبان کی نصف شب، ماہ رجب کے جمعہ کی پہلی شب اور شب قدر میں بیٹھ کر ناپسندیدہ و مکروہ دنیوی باتوں میں وقت گزاری کریں گے، اور بسا اوقات طلب شہوات و انواع غفلت میں مشغول ہو جائیں گے۔ (مترجم)

"ومن هذا القبيل نهي الناس عن حضور مجالس الذكر بالجهر وإنشاد شعار الصالحين وإن صرح فقهاء الحنفية بكراهة الجهر بالذكر؛ فإن الأئمة الشافعية كالنووي وغيره قائلون باستحباب ذلك، ولا ينبغي أن ينهىٰ العوام عما يقول به أئمة المسلمين، ومن هذا القبيل نهي العوام عن المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر، فإن بعض المتأخرين من الحنفية صرح بالكراهة في ذلك ادعاء بأنه بدعة مع أنه داخل في عموم سنة المصافحة مطلقاً فلا يبقى إلا مجرد التخصيص بالوقتين المذكورين فيقتضي ابتداع ذلك۔

وصرح النووي في كتابه الأذكار وغيره من الشافعية بأنها في هذين الوقتين بدعة مباحة۔ فلا ينبغي للواعظ أو المدرس أن ينهى العوام عما افتى بجوازه بعض أئمة الإسلام۔ ومن هذا القبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الأولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء أو قدوم غائب، فإنه مجاز عن الصدقة علىٰ الخادمين لقبورهم۔

وقد صرح الشيخ ابن حجر الهيتمي المكي في فتاواه أن هذا النذر للولي الميت إذا قصد به الناذر قربة أخرى كأولاد ولي الميت وخلفائه، أو إطعام الفقراء الذين عند قبره صح النذر ووجب صرفه فيما قصده الناذر الخ.وغالب الناس في هذا الزمان يقصدون ذلك فيحمل الكلام عليه، ولا ينبغي أن ينهى الواعظ عما قال به إمام من أئمة المسلمين بل ينبغي أن يقع النهى عما أجمع الأئمة كلهم على تحريمه والنهي عنه وهو معلوم بالضرورة من الدين، كحرمة الزنا والربا والريا، وشرب الخمر، والظن السوء بأهل الإسلام، والظلم والمكس وغصب الأموال والمصادرات بغير حق، والخيانة في البيوع والإجارات، ورشوات القضاة والأمراء، والتكبر والاعجاب والحسد والبغي والافتراء والكذب والزور، ونسيان عيوب النفس، والتجسس عن عيوب الناس، واتهام المسلمين والمسلمات بالفواحش، وهتك استار المذنبين، ومحبة إشاعة الفاحشة في الغير، والغيبة والنميمة، والاستهزاء بالفقراء، والسخرية على المساكين والضعفاء من الناس،

بـالجهل في معاني كلامهم ، وعدم معرفة المطابقة بين كلامهم و كلام الله تعالىٰ ورسـولـه ، وإنـكـار كراماتهم بعد الموت ، واعتقاد أن ولايتهم انقطعت بموتهم، ونهـي الـنـاس عـن التبرك بهم إلىٰ غير ذلك من القبائح التي هم عليها الآن غالب أهل زماننا في بلادنا وغيرها ، نسأل الله تعالىٰ العافية."(۱)

اسی قبیل سے ذکر بالجہر اور سلف صالحین کی شعرخوانی کی مجلسوں میں حاضر ہونا ہے، اگر چہ فقہائے حنفیہ نے ذکر بالجہر کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے، لیکن ائمہ شافعیہ مثلاً علامہ نووی وغیرہ استحباب کے قائل ہیں، یہ نہ چاہیے کہ عوام کو ایسی چیز سے روکا جائے جسے ائمہ مسلمین جائز کہیں، اسی قبیل سے فجر وعصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہے، بعض متاخرین حنفیہ نے اس کی کراہت کی تصریح کی ہے، دعوی یہ ہے کہ بدعت ہے، حالاں کہ یہ مصافحہ کی حدیث کے عموم میں مطلقاً داخل ہے۔ تو اب محض وقت مذکور کے ساتھ تخصیص ہی باقی رہ جاتی ہے جو اس کے ابتداع کا مقتضی ہے۔

علامہ نووی نے اپنی کتاب "الاذکار" میں و دیگر علمائے شافعیہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ ان اوقات مذکورہ میں مصافحہ کرنا بدعت مباحہ ہے ، تو اب واعظ یا مدرس کو یہ نہ چاہیے کہ عوام کو ایسی چیز سے روکیں جس کے جواز کا بعض ائمہ دین فتویٰ صادر کریں۔

اور اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت اور اولیا وصالحین کے مزارات سے برکت لینا، اور کسی بیماری کی شفایابی، یا کسی غائب کی آمد کی شرط کر کے ان کے لیے نذر پیش کرنا کہ دراصل یہ قبروں کے خدام پر صدقہ سے مجاز ہے۔

شیخ ابن حجر ہیتمی مکی نے اپنے فتاویٰ میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ: ولی میت کے لیے نذر ماننا جب کہ ناذر کا مقصد کوئی دوسری قربت ہو۔ مثلاً ولی میت کی اولاد اور خلفا کی نذر کا قصد کرے۔ یا ان فقرا کو کھانا کھلانے کا جو اس کی قبر پر رہتے ہیں، تو اس کی نذر صحیح ونافذ ہوگی۔ اور ناذر نے جس چیز کا قصد کیا ہے اس میں صرف کرنا واجب ہوگا، اس زمانے میں لوگ اکثر اسی چیز کا قصد کرتے ہیں تو کلام کو اسی پر محمول کرنا چاہیے، تو واعظ کو یہ نہ چاہیے کہ عوام کو ایسی چیز سے روکے جسے کسی امام مسلمین نے جائز کہا ہو، بلکہ نہی تو اس چیز پر ہونا چاہیے جس کی حرمت ونہی پر علما کا اتفاق ہو، اور اس کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہو، اور وہ یہ ہیں:

زنا، سود، ریا کاری، شراب نوشی، مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی، جور وظلم، چنگیاں، لوگوں کے
ال غصب کرنا، ناحق ٹیکس ومطالبات، بیعوں اور اجاروں میں خیانت، قاضیوں، حاکموں کی
تیں، تکبر، خود پسندی، حسد، بغاوت، افترا پردازی، کذب بیانی، جعل سازی، اپنے عیبوں سے
لت، دوسرے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں رہنا، مسلمان مرد وعورت پر بدکاری کی تہمت لگانا، گناہ کرنے
وں کی پردہ دازی نہ کرنا، دوسروں میں بدکاری عام کرنا، غیبت، چغلی، فقرا کے ساتھ استہزا، مسکین اور
زور لوگوں کا مذاق اڑانا، اولیائے کرام کی شان میں زبان درازی کرنا، ان کے کلام کے معانی میں
الت کی وجہ سے ان کے دین واعتقاد کے بارے میں ناحق (بلا وجہ) مشغول رہنا، ان نفوس قدسیہ کے
ام اور اللہ ورسول کے کلام کے درمیان مطابقت کو نہ جاننا، وفات کے بعد ان کی کرامات کا انکار، اور اس
ت کا اعتقاد کہ ان کی وفات سے ان کی ولایت ختم ہوگئی، اور لوگوں کو ان سے تبرک لینے سے منع کرنا اور
ں کے علاوہ بھی بہت سی برائیاں ہیں جن پر وہ عمل پیرا ہیں، ہمارے زمانے میں ہمارے شہروں پر چھائے
ئے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وخیریت کے طلب گار ہیں۔ (مترجم)

"حاشیہ درر" للمولیٰ الفاضل عبدالحلیم الرومي میں دربارہ صلاۃ الراغائب با جماعت ہے:

"ظهر أن من منع عن هذه الصلاة بالجماعة فقد أساء واجترأ علیٰ تضليل
لأسلاف الكرام والأخلاف الفخام فعلى الولاة منع المانعين وتعزير المعاندين."

ظاہر ہوگیا کہ جو اس نماز کو جماعت کے ساتھ پڑھنے سے منع کرتا ہے یقیناً خطاوار ہے، برا کرتا
ہے، اور عظیم المرتبت، ماہرین متقدمین ومتاخرین علما کی تضلیل پر جسارت کرتا ہے، حاکموں کو چاہیے کہ
انعین پر لگام کسیں، معاندین پر تعزیر کریں۔ (مترجم)

ذاکرین وسامعین ومیت سب کو ذکر خدا ورسول سے فائدہ ہونا ظاہر، ذاکرین کو ذکر کرنے کا،
سامعین کو سننے کا، ذاکرین کو غافلین ظالمین کی تنبیہ اور ان کے دلوں کی زنگ چھڑانے قساوت دور کرنے کا
جو عظیم اجر ہے وہ ملے گا، سامعین کی غفلت دور ہوگی، قلب کی سختی اور زنگ جائے گی، خدا کا خوف دل میں
سمائے گا، یاد خدا ورسول سے ان کی محبت قلب میں بڑھے گی، یہ عظیم فائدہ ہوگا، میت کو تلقین کا ثواب
ذاکرین کو ملے گا، اور تلقین سے میت کو فائدہ عظیمہ ہوگا۔

"هذا۔ وعليك بفتوىٰ شيخ الإسلام والمسلمين سيدنا الوالد الماجد أعلیٰ
حضرة المجدد قدس الله سره وأفاض على المسلمين بره في هذا الباب۔ والله

ہماری نقل کردہ یہ عبارتیں وہ وہابیوں کے لیے نہایت جگر دوز اور وہابیت سوز ہیں، جنہوں نے مذہب وہابیہ کی جڑیں کھوکھلی کر دیں، اسے از بیخ برکندہ کر دیا ہے، مسلمان انہیں بار بار دیکھیں اور یاد رکھیں کہ وہابیوں کی بہت سی بدعتوں شرکوں کو رد کرنے میں انہیں کام دیں۔ وباللہ التوفیق۔

نماز جنازہ میں میت کا سامنے ہونا ضروری ہے

(۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) نماز جنازہ غائب پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر بالغ اور نابالغ کے جنازے جمع ہو جائیں تو ایک ہی نماز جنازہ پڑھی جائے، یا علاحدہ علاحدہ پڑھنا چاہیے، اور دعا جو بالغ کے لیے ہے وہ پڑھی جائے، یا جو نابالغ کے لیے ہے وہ؟

مرسلہ احمد شاہ صاحب نگریا سادات ڈاک خانہ میرگنج ضلع بریلی ۱۴؍صفر المظفر ۵۵ھ

الجواب

(۱) نہیں۔ جنازہ کا پیش مصلے رکھا ہونا ضروری ہے۔

غنیۃ میں فرمایا:

"شرط صحتها وضعه أمام المصلي. وبهذا القيد علم أنها لا تجوز علىٰ غائب، ولا حاضر محمول علىٰ دابة أو غيرها، لاختلاف المكان، ولا موضوع تقدم عليه المصلي وهو كالإمام من بعض الوجوه."(۱)

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی شرط: میت کا مصلی کے سامنے ہونا ہے، اس قید سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ غائب پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، اسی طرح جانور وغیرہ پر رکھی ہوئی میت پر، کہ جگہ تبدیل ہوگئی، اور نہ ایسی میت پر کہ مصلی اس سے آگے ہو، وہ بعض وجوہ سے امام کی طرح ہے۔ (مترجم)

ہاں اگر بلا نماز دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی، جب تک تفسخ کا ظن غالب نہ ہو۔

اسی میں ہے:

"دفن ولم يصل عليه صلى على قبره مالم يغلب على الظن أنه تفسخ، لما مر

---

(۱) [illegible]

ن صلاته عليه الصلاة والسلام على القبر۔ ولا يعتبر التقدير بالأيام في التفسخ
ـدمه على الصحيح بل المعتبر غلبة الظن؛ لأن ذلك يختلف باختلاف الحال
ن السمن والهزال، وباختلاف الزمان من الحر والبرد، وباختلاف المكان من
ون الأرض سبخة أو غيرها."(۱)

بغیر نماز کے میت کو دفن کردیا گیا تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے گی، جب تک تفسخ کا ظن غالب نہ
، اس لیے کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر پر نماز پڑھی ہے۔ مذہب صحیح
ں مردے کے تفسخ وعدم تفسخ میں ایام سے اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اعتبار ظن غالب کا ہے، اس لیے کہ مردہ
ر موٹا دبلا یا موسم گرمی وسردی کا ہے یا زمین دل دلی ہے تو ان حالات کے پیش نظر تفسخ بدلتا رہتا
ہے۔(مترجم)

(۲) چاہیں ایک ہی پڑھیں، چاہیں علاحدہ علاحدہ کرکے۔ ایک پڑھیں تو امام کے سامنے مرد کا
ناز ہ ہو، پھر مرد کے بعد نابالغ لڑکے کا پھر خنثیٰ کا پھر عورت کا، پھر نابالغہ لڑکی کا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام
رماتے ہیں:

((ليليني منكم أولوا الأحلام والنهي ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم.))(۲)
تم میں سے دانش ور اور عقل مند لوگوں کو میرے قریب ہونا چاہیے، پھر جو ان سے قریب ہیں پھر
ہ جو ان سے قریب ہیں۔(مترجم)

پھر یہ کہ حالت نماز میں خلف امام جس طرح کھڑے ہوتے ہیں ان کے جنازے پیش امام اسی
رح رکھے جائیں۔

بدائع صنائع میں ہے:

"لو اجتمع رجل وصبي وخنثىٰ وصبية دفن الرجل مما يلي القبله ثم
صبي خلفه ثم الخنثىٰ ثم الأنثى ثم الصبية۔"(۳)

اگر مرد نابالغ لڑکے، خنثیٰ عورت اور نابالغہ لڑکی کے جنازے جمع ہو جائیں تو مرد کو جہت قبلہ سے

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ۵۹۰]

(۲) [الترغيب والترهيب: حديث: ۴۔۱/۳۲۵]

متصل دفن کیا جائے گا، پھر اسی کے پیچھے نابالغ بچے کا پھر خنثیٰ کا، پھر عورت کا، پھر نابالغہ لڑکی کا۔ (مترجم)

درمختار میں ہے:

"إذا اجتمعت الجنائز فإفراد الصلاة علیٰ کل واحدة أولیٰ من الجمع وإن جمع جاز"(۱)

اگر کئی جنازے جمع ہو جائیں تو سب کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھیں یا الگ الگ دونوں صورتیں جائز ہیں، مگر الگ الگ پڑھنا بہتر ہے۔ (مترجم)

نیز درمختار میں ہے:

"روعي الترتیب المعهود خلفه حالة الحیاة فیقرب منه الأفضل فالأفضل الرجل مما یلیه فالصبي فالخنثیٰ فالبالغة فالمراهقة، والصبي الحر یقدم علی العبد، والعبد علی المرأة"(۲)

جو معلوم و متعین ترتیب زندگی میں امام کے پیچھے ہوتی ہے وہی ترتیب یہاں نماز جنازہ میں ملحوظ ہوگی، لہذا جو افضل ہے وہ امام سے قریب ہوگا، تو افضل مرد ہے جو امام کے آگے ہوگا پھر نابالغ لڑکا، پھر خنثیٰ، پھر بالغہ پھر مراہقہ، اور آزاد بچہ غلام پر مقدم ہوگا، اور غلام عورت پر۔ (مترجم)

اگر ایک ہی نماز پڑھیں تو دعائے بالغین بہ نیت دعائے للبالغین پڑھ کر پھر نابالغوں کے لیے جو دعا ہے وہ بہ نیت دعا برائے نابالغین پڑھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور کی نماز جنازہ اور غسل کی تحقیق

مسئلہ: (۴)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ: حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جو جنازہ مبارکہ کی نماز بغیر امام کے ہر ایک نے علاحدہ علاحدہ پڑھی اس کی کیا وجہ ہے؟۔ اور غسل میت مع ملبوس دیا گیا تھا یا غیر ملبوس؟

الجواب

بزاز و طبرانی نے یہ روایت ذکر کی ہے: کہ: حضرت علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی وصیت فرمائی

---

(۱) [الدر المختار، کتاب الصلاۃ:۳/۱۱۱]

(۲) [الدر المختار، کتاب الصلاۃ:۳/۱۱۲]

ں۔ بموجب ارشاد حضور پر نور سید العباد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ الی یوم التناد فرادیٰ فرادیٰ
ی، امام ابن کثیر نے فرمایا کہ: یہ امر مجمع علیہ ہے کہ حضور پر نماز ہر ایک نے علاحدہ علاحدہ پڑھی ہے، اس
ے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ محض تعبدی ہے کہ سمجھ سے بالاتر ہے یا اس کی وجہ یہ سمجھی جائے کہ ہر ہر صحابی
حاضر ہو وہ خود حضور پر نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرے، اور حضور پر حضور کی جانب صلاۃ سے مباشر ہو کہ
عزوجل نے ہر ہر مسلمان کو حضور پر۔ صلاۃ وسلام۔ کا امر فرمایا، تو ہر ایک پر لازم ہوا کہ حضور علیہ الصلاۃ
سلام پر حضور کی طرف خود مباشرت صلاۃ کرے، اور فرمایا: کہ ملائکہ اس میں ہمارے ائمہ ہیں۔

حدیث میں ہے:

((إن أول من صلى عليه الملائكة أفواجاً ثم أهل بيته ثم الناس فوجاً فوجاً ثم
سائه آخر المواهب اللدنيه بالمنح المحمدية الفصل الاول فى اتمامه تعالى ۵۸۱/۳.))

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ملائکہ نے گروہ گروہ کر کے نماز پڑھی، پھر اہل
ت کرام نے، پھر لوگوں نے گروہ در گروہ، اس کے بعد عورتوں نے۔ (مترجم)

زرقانی شرح مواہب میں ہے:

"في حديث ابن عباس عند ابن ماجه لما فرغوا من جهازه۔صلى الله
عالىٰ عليه وسلم۔ يوم الثلثاء وضع على سريرة في بيته ثم دخل الناس
ليه۔صلى الله تعالىٰ عليه وسلم۔ إرسالاً أي: جماعات متتابعين يصلون عليه
تى إذا فرغوا دخل النساء حتى إذا فرغن دخل الصبيان ولم يؤم الناس علىٰ
سول الله۔صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أحد۔قال ابن كثير: هذا أمر مجمع عليه
ختلف في أنه تعبد لا يعقل معناه أو ليباشر كل واحد الصلاة عليه منه. قال
سهيلي: قد أخبر الله تعالىٰ أنه وملائكته يصلون عليه وأمر كل واحد من
مؤمنين أن يصلي عليه فوجب علىٰ كل أحد أن يباشر الصلاة عليه منه إليه
لصلاة عليه بعد موته من هذا القبيل۔ قال: وأيضاً فإن الملائكة لنا في ذلك
مة."(۱)

ابن ماجہ کے نزدیک حضرت عبد اللہ ابن عباس کی حدیث میں ہے: جب لوگ دوشنبہ کے روز

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجہیز سے فارغ ہوئے، آپ کو گھر میں چارپائی پر رکھ دیا، پھر لوگوں نے داخل ہوکر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز پڑھی، جب وہ فارغ ہوگئے تو عورتیں آئیں، جب وہ فارغ ہوگئیں تو بچوں نے نماز پڑھی، کسی نے بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نماز کی امامت نہیں کی۔ ابن کثیر نے کہا: یہ امر مجمع علیہ ہے۔ مگر اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ محض تعبدی ہے یعنی سمجھ سے بالاتر ہے۔ یا اس کی وجہ یہ سمجھی جائے کہ ہر ہر صحابی جو حاضر ہو وہ خود حضور پر نماز پڑھنے کا شرف حاصل کرے۔ سہیلی نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ وہ اور اس کے ملائکہ نبی پر صلاۃ بھیجتے ہیں، اور ہر مسلمان کو حضور پر صلاۃ وسلام کا امر فرمایا، تو ہر ایک پر لازم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف صلاۃ کی خود مباشرت کرے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ پر نماز پڑھنا اسی قبیل سے ہے۔ فرمایا: نیز ملائکہ اس میں ہمارے ائمہ ہیں۔ (مترجم)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کو غسل مع قمیص مقدس دیا گیا۔

زرقانی میں ہے:

"من ما اتفق ما روي أنهم لما أرادوا غسل النبي ـ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ـ قالوا: لا ندري مانفعل؟ ـ أنجرد رسول اللّٰه ـ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ـ من ثيابه كما نجرد موتانا أم نغسله عليه ثيابه؟ ـ فلما اختلفوا ألقى اللّٰه عليهم النوم حتى مامنهم رجل الا وذقنه في صدره ثم كلمهم من ناحية البيت لا يدرون من هو، اغسلوا النبي ـ صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم ـ وعليه ثيابه، فقاموا انتبهوا من النوم فغسلوه وعليه قميصه يضعون الماء فوق القميص ويدلكونه بالقميص ـ رواه البيهقي في دلائل النبوة، وأصله في أبي داؤد عن عائشة وابن ماجه عن بريدة . واللّٰه تعالىٰ أعلم."(۱)

اس روایت میں اتفاق ہے کہ: جب صحابۂ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غسل دینے کا قصد کیا تو کہنے لگے ہمیں نہیں معلوم ہم کیا کریں؟ ۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس مبارک اتار دیں جس طرح ہم اپنے مردوں کا اتار دیتے ہیں، یا آپ کے ملبوس شریف میں ہی غسل دے دیں؟ ۔ جب اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری فرمادی، حالت یہ ہوگئی (نیند کی وجہ سے) ہر ایک کی ٹھوڑی سینے پر ڈھلک گئی، پھر گھر کے کسی گوشے سے کسی نے ان سے کلام کیا، وہ نہیں جانتے کہ وہ

ن ہے؟اس نے (خواب میں) کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو آپ کے ملبوس شریف میں ہی
ل دو، پھر وہ لوگ نیند سے بے دار ہو کر کھڑے ہو گئے اور اب لباس مبارک کے ساتھ ہی غسل دیا، قمیص
یف کے اوپر سے پانی ڈالتے اور قمیص کے اوپر ہی سے ملتے، اس حدیث کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ
روایت فرمایا ہے، اس کی اصل ابو داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ سے اور ابن ماجہ میں حضرت بریدہ
، مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (مترجم)

(۲) اذان قبر

اذان کے بعد صلاۃ اور قبر پر اذان مستحسن و مستحب ہے

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین، اس مسئلہ میں کہ صلاۃ یعنی اذان کے بعد لوگوں
بالفاظ صلاۃ وسلام کے مکرر اطلاع کرنا قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ و نیز قبر پر اذان دینا
ور سے یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ خدائے قہار و جبار کو حاضر و ناظر سمجھ کر جواب قرآن
ریث سے مرحمت فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

از شہر بریلی محلہ جسولی مسئولہ ۲۲ر رجب ۱۵ھ

الجواب

اصل اباحت اور حرمت وکراہت عارض۔ ھذا مما لایخفیٰ علی المبتدی فضلاً عن
ماھر۔ کریمہ:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْاَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (۱)

اے ایمان والو اپنی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔

سے یہ امر ظاہر و باہر، تو جس بات سے قرآن عظیم نے منع نہ فرمایا، یا حدیث کریم نے اسے ممنوع
ٹھہرایا ہو، تو وہ اپنی اصل اباحت پر ہے۔ یعنی مباح ہے بے دغدغہ جائز، اسے ممنوع و ناجائز بتانا نئی

شریعت گڑھنا، اور شرع مقدس پر افترا ہے۔ یوں ہی کراہت کے لیے بھی دلیل خاص درکار، بے دلیل خاص دعویٰ کراہت باطل۔

علما فرماتے ہیں:

”لابد لها من دليل خاص.“

اس کے لیے کسی خاص دلیل کی ضرورت ہے۔(مترجم)

تو ایسے امر کے جائز و مباح جاننے والے، غیر مکروہ ماننے والے سے یہ مطالبہ کہ کہاں قرآن میں اسے جائز فرمایا ہے، کہاں حدیث میں اس کا جواز آیا ہے۔ حضور سے، صحابہ سے، کہاں ثابت ہوا ہے کہ انہوں نے ایسا کیا ہے۔ کھلا ظلم بھی ہے، نرا جور نری جفا ہے۔ کہ وہ تو اصل اباحت سے کہہ رہا ہے، جب علت تحریم و دلیل کراہت نہیں تو ظاہر ہے کہ روا ہے۔ اس سے قرآن و حدیث میں اس کا جواز دکھانے کا سوال ہی الٹا ہے۔ قرآن و حدیث سے دکھانا تو اس کے ذمہ ہے جو اسے امر ممنوع کہہ رہا ہے۔ ایسا امر حرام ہے، جس کا یہ دعویٰ ہے وہ بتائے کہ کہاں سے کہتا ہے، قرآن سے، یا حدیث سے، دکھائے کہاں اسے حرام فرمایا ہے۔ جانے دو، اقوال ائمہ فقہا و علما ہی سے دکھا دے کہ سب نے، یا فلاں فلاں بعض نے ایسے امور کو ممنوع لکھا ہے، جن کی نسبت قرآن و حدیث میں کوئی خاص حکم جواز و عدم جواز نہیں فرمایا گیا۔ کیا وہی امور حلال ہیں جن کے جواز کا بیان قرآن نے فرمایا، یا حدیث میں آیا، یا جن کا کرنا حضور علیہ الصلاۃ والسلام یا صحابہ کرام۔ علیہم رضوان المولیٰ العلام۔ سے ثابت ہوا۔ باقی سب مکروہ و حرام۔ کراہت تنزیہی کے ثبوت کو تو دلیل خاص درکار تا بحرام چہ رسد۔

ہاں اگر کوئی جواز کے ساتھ ایسے امر کی سنیت کا بھی مدعی ہو تو البتہ اس سے یہ سوال ہوگا کہ بتاؤ کہ حضور یا صحابہ سے یہ کہاں ثابت ہوا ہے۔ تم نے بے ثبوت دعویٰ سنیت کیوں کیا ہے۔ یہ تثویب و اذان قبر دونوں ایسے ہی امر ہیں جن کے کرنے کی ممانعت کہیں قرآن و حدیث نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم میں نہیں۔ ”ومن ادعیٰ فعليه البيان.“ یوں ہی اذان قبر کی ممانعت ہرگز کسی صحابی سے بھی کوئی نہیں بتا سکتا۔ اور یوں ہی اس تثویب کی بھی۔ اور وہ جو باطل کوش بدعت وہابیت کے حلقہ بگوش دکھاتے ہیں، مظنون فیہ و محتمل فیہ ”والظن لا يغني من جوع والاحتمال لا يشبع.“ پھر اگر قطعی طور پر مانا جائے کہ اس تثویب کو بعض صحابہ نے روکا، اس پر انکار فرمایا۔ تو صحابہ ہی سے یہ بھی بتایا جائے کہ ان کا وہ انکار اس عہد کریم سے (جس میں غفلت کا نام نہ تھا، اذان کے ساتھ ہی مسجد میں حاضری ہوتی) خاص نہ

ئ کرنا ان صحابہ کے اس انکار کا مطلب نہایت روشن بیان کر رہا ہے۔ اگر تثویب ایسی چیز ہوتی جس پر
ر مطلقاً ہوتا تو تابعین کیوں کسی وقت رائج کرتے۔ کیا یہ مانعین خدا کو (ہاں ہاں اسی واحد قہار و جبار کو)
ع و بصیر و علیم و خبیر مان کر کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے اس تثویب کو یا اذان قبر کو کہیں منع فرمایا۔ یا حدیث
ریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ممنوع ٹھہرایا، یا فلاں صحابی نے اذان قبر کو۔ یا قطعاً اسی تثویب کو ممنوع کہا،
وہ رکھا۔ اگر ان میں سے کوئی اس کی جرأت کرے تو آیت یا حدیث یا قول صحابی پیش کرے۔

ہم مجوزین، اذان قبر یا اس تثویب کو سنت کب بتاتے ہیں، جن سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ:
ب (مکرر اطلاع کرنا) اور قبر پر اذان دینا حضور سے یا آپ کے صحابہ سے ثابت ہے یا نہیں؟۔ اور
ز کے لیے حضور یا صحابہ کا کرنا ضروری نہیں۔ پھر عدم ثبوت ثبوت عدم نہیں۔ یعنی جس بات کا کرنا ثابت
د اس لیے اس کا عدم ثابت ہو، یہ بھی ہرگز مقبول نہیں، محض خیال باطل عاطل۔ ثانیاً۔ صلاۃ وسلام کا تو حکم
ن عظیم نے مطلق ارشاد فرمایا ہے، کسی وقت و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں، اس میں وقت دون وقت
، مذکور نہیں۔ زمان دون زمان کا تو کوئی ذکر نہیں، صلاۃ وسلام جس زمان و جس مکان، جہاں اور جس
ح ہو جہراً یا سراً۔ وہ کریمہ:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (۱)

اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔

کی تعمیل ہے۔ اگر کوئی اذان کے بعد صلاۃ وسلام بلند آواز سے عرض کرتا ہے تو اسی ارشاد: صلوا
یہ وسلموا تسلیما کے نیچے داخل۔ اور بیک کرشمہ دو کار، اس سے تنبیہ غافل بھی حاصل، اور
عمال ذکر برائے آگاہی غافل موجود۔ مثلاً تنبیہ امام کے لیے سبحان اللّٰہ کہا، ہر غافل کی غلطی پر تنبیہ
، لیے سبحان اللّٰہ. ولاحول ولا قوۃ إلا باللّٰہ. العظمۃ للّٰہ۔ وغیرہ دائر و سائر۔ یہ تو اس خاص
یقہ تثویب بالفاظ درود شریف کے متعلق آیہ کریمہ۔ اب مطلقاً ہر تثویب کے متعلق سنیے وہ چاہے جن
ارف الفاظ سے ہو۔

قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (۲)

---

(۱) [سورۃ الأحزاب: ۵٦]

جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا:

((ماراہ المسلمون حسناً فھو عند اللّٰہ حسن))(۱)

جسے مسلمان اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

ائمہ اعلام، فقہاے عظام، علمائے کرام نے اسی حدیث سے تثویب اعلام بعد اعلام (مکرر اطلاع) کو حسن فرمایا۔

نیز قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

﴿تَعَاوَنُوا عَلَى البِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾(۲)

نیکی اور پرہیز گاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

اور نماز (بر وتقویٰ) اور غافلوں کو اس کے قرب قیام کی اطلاع کیجیے، اذان کے بعد سے اب تک غفلت کی، اب نماز قائم ہونے والی ہے، اب کچھ غفلت نہ کرو، آؤ ورنہ نماز نہ ملے گی، یا کامل نہ پاسکو گے۔

بر وتقویٰ پر تعاون

حضرت سیدی امام ملک العلما ابو بکر مسعود کاسانی قدس سرہ النورانی نے اس تثویب (مکرر اطلاع) کے متعلق ارشاد فرمایا:

"زیادہ الإعلام من باب التعاون علی البر و التقویٰ فکان مستحسناً."(۳)

زیادتی اعلام نیکی اور پرہیز گاری پر مدد کی قبیل سے ہے، لہٰذا وہ مستحسن ہوگی۔ (مترجم)

نیز قرآن کریم کا ارشاد کریم ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ﴾(۴)

اور اس سے بہتر کس کی بات جو اللہ کی طرف بلائے۔

---

(۱) [مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۳۶۰۰ـــ۲/۱۸]

(۲) [سورة المائدة: ٤]

(۳) [بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع : فصل بيان كيفية الأذان، ۱/۱٤۸]

اورتثویب کاداعی الی اللہ ہونا آشکارو روشن از آفتاب نصف النہار۔

نیز حدیث کاارشاد فیض بنیاد ہے:

((من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه))(۱)

جولوگوں کو ہدایت کی دعوت دے تو اسے اس کی دعوت کا اجر ملے گا، نیز ہدایت پر عمل کرنے
ں کا بھی اسے اجر ملے گا۔(مترجم)

جو ہدایت کی جانب بلائے تو اس کے لیے دو اجر ہیں: ایک اس کا اپنا اور دوسرا: اس کے متبع کا۔
تثویب ظاہر ہے کہ دعا الی الہدیٰ ہے، تو بحمدہ تعالیٰ قرآن وحدیث ہی سے تثویب کا حکم نہ فقط جائز بلکہ
ں کامندوب، مستحب، مستحسن، خوب اور مرغوب وبہتر ہونا ثابت ہوا۔ سائل صاحب کی یہ ضد تو پوری ہو
ں۔ اب وہ خود یا وہ اس قابل اپنے آپ کو نہ سمجھتے ہوں تو جتنے مانعین ہیں ان سب کو بفحوائے
جمعوا شرکائکم" جمع کرکے سب کی کوشش سے کوئی آیت ممانعت، کوئی حدیث منع قرآن
عادیث نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیش کریں۔ اسی سمیع وبصیر، علیم وخبیر عز جلالہ کو شہید اعتقاد کرتے
ئے۔

رہی اذان۔ تو ظاہر ہے کہ وہ ذکر الٰہی وذکر حضرت رسالت پناہی۔ جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ
م۔ ہے۔

اور ذکر الٰہی کی نسبت ارشاد ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ كُلِّ شَجَرٍ وَّحَجَرٍ﴾(۲)

ہر پیڑ پتھر کے پاس یعنی ہر جگہ ذکر الٰہی کرو۔ تو اس میں قبر کے پاس اذان دینا داخل۔

پھر اذان ذکر اللہ ہے، اور ذکر الٰہی دافع عذاب، بلکہ خاص اذان کا دافع عذاب ہونا حدیث سے
بت، اذان ذکر حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مشتمل، اور ذکر رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باعث
ول رحمت۔ اذان دافع وحشت وباعث جمعیت خاطر، اور میت کو اس وقت تلقین کی حاجت، اور تلقین نزد
ربہ تصریحات علما مستحب ومستحسن جس طرح ہو۔

حدیث میں ہے:

---

۱) [مشكاة المصابيح كتاب الايمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة: ۲۹]

۲) [كنز العمال، كتاب الأذكار، الباب الأول في الذكر وفضيلته: ۱۹۰۸-۱/۲۲۶]

((مامن شيء أنجى من عذاب الله من ذكر الله))(۱)

عذاب الٰہی سے نجات دینے والی کوئی شی ذکر الٰہی سے زیادہ نہیں۔

حدیث ہی میں فرمایا:

((إذا أذن في قرية أمنها الله من عذابه ذلك اليوم))(۲)

جس جگہ اذان کہی جاتی ہے وہ جگہ اس دن عذاب الٰہی سے مامون فرمادی جاتی ہے۔حضور کا ذکر ذکر الٰہی، اور ذکر الٰہی بلاشبہ باعث نزول رحمت الٰہی وسکون وراحت قلب۔

قال اللہ تعالیٰ:

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾(۳)

سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

ذاکرین کی نسبت حدیث میں وارد:

((حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة ونزلت عليهم السكينة))(٤)

فرشتے انہیں اپنے جھرمٹ میں لے لیتے ہیں اور رحمت الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتا ہے ان کے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔(مترجم)

جہاں ذکر صالحین ہوتا ہے وہاں نزول رحمت ہوتا ہے، پھر حضور تو سید الصالحین ہیں۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔خود ذکر سے دفع وحشت وحصول اطمینان ظاہر، اور حدیث میں دفع وحشت کے لیے اذان ہونا ثابت۔

حضرت سیدنا آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جنت سے ارض ہند میں نازل ہوئے، انہیں گھبراہٹ اور بے چینی ہوئی، جب حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتر کر اذان دی تو دفع ہوئی۔

امام اجل ابوسلیمان خطابی دربارۂ تلقین قبر فرماتے ہیں:

---

(۱) [مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب ذكر الله تعالىٰ والتقرب اليه:۱۹۹]

(۲) [مجمع الزوائد، باب فضل الأذان:۱/۳۲۸]

(۳) [سورة الرعد:۲۸]

(٤) [صحيح مسلم، كتاب الدعوات، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن

"لانجد له حديثاً مشهوراً إلیٰ قوله و كل ذلك حسن۔"
ہم کو اس کے متعلق خبر مشہور نہ ملی، اور وہ سب حسن ہے۔ (مترجم)
امام اجل نووی نے کتاب الاذکار میں فرمایا:
"يستحب أن يقعد عند القبر بعد الفراغ ساعة قدر ما ينحر جزور ويقسم
ـمه، ويشتغل القاعدون بتلاوة القرآن والدعاء للميت والوعظ والحكايات لأ
الخير والصالحين" (١)
تدفین کے ایک گھنٹے بعد قبر پر اتنی دیر تک بیٹھنا مستحب ہے جتنی دیر میں جانور ذبح کر کے اس کا
شت تقسیم کیا جاتا ہے، قبر کے نزدیک بیٹھنے والے لوگ تلاوت قرآن، میت کے لیے دعا، اور اہل خیر
الحین کے لیے وعظ و نصیحت میں مصروف رہیں۔ (مترجم)
حضرت شیخ محقق نے بعض علما سے نقل فرمایا:
کہ نزد قبر کسی مسئلہ فقہی کا ذکر مستحب ہے۔ (۲)
قبر کے پاس کسی مسئلہ فقہی کا ذکر مستحب ہے۔ (مترجم)
پھر خود فرمایا:
کہ مسئلہ فرائض اور مناسب۔ (۳)
اور فرمایا کہ ختم قرآن کریں تو یہ اولیٰ و افضل ہے، ان امور مذکورہ میں یعنی تلاوت قرآن نزد قبر
اے میت و وعظ و ذکر صالحین میں بالخصوص کون سی حدیث وارد ہے؟ پھر یہ کیوں مستحب و مستحسن، اور
ن کیوں ناجائز و ناروا ٹھہرے، وہ کیوں مستحب نہ ہو۔
یہاں ہم نے "إيذان الأجر" ہی سے کچھ تھوڑا بطور خلاصہ لکھا ہے، جسے تفصیل درکار ہو وہ لا
ب رسالہ مبارکہ مذکورہ جواذان قبر ہی کے بارے میں ہے اور مدت سے چھپا ہوا ہے جسے چھپے پچاس
کے قریب ہوئے مطالعہ کرے، اور مانع سے پوچھے کہ خدا کو سمیع و بصیر، علیم و خبیر، شہید و قدیر اعتقاد کر
ہوئے بتائے کہ کس آیت، کس حدیث میں اذان قبر کی ممانعت ہے۔ اور کس آیت، کس حدیث میں تلا

---

(1) [الأذكار المنتخبة: ١٤٧]
(2) [أشعة اللمعات، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء: ١/٢٠٠]
(3) [أشعة اللمعات، كتاب الطهارة، باب آداب الخلاء: ١/٢٠٠]

وت قرآن وذکر صالحین وغیرہ نزد قبر کرنے کا بالخصوص ارشاد ہے۔ بعض علمانے اذان عندالقبر کو سنت فرمایا، اور وہ بنظر عمومات شرع ضرور فرد سنت، مگر ہم اسے فرد سنت نہیں جانتے، یعنی ذکر سنت ہے اور اذان افراد ذکر سے ایک فرد، نہ یہ کہ خود اذان ہی سنت ہے، مگر مستحب و مستحسن قطعا ہے، جس سے ممانعت سخت جرأت ہے، اور شریعت پر افترا و تہمت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جواب کا دوسرا رخ

قرآن عظیم میں زیر، زبر، پیش، جزم اور تشدید لگانا حجاج ظالم کے وقت کی بدعت حسنہ ہے، اس کا اس زمانہ میں کرنا بہ تصریح علمائے کرام واجب ہے اور ترک ناجائز۔ کیا خدا کو سمیع وبصیر، علیم وخبیر یقین کرتے ہوئے بالخصوص اس کے وجوب کا حکم خاص قرآن وحدیث سے، وجوب کا نہ سہی استحسان واستحباب ہی سہی پیش کیا جاسکتا ہے؟۔ کیا حضور سے یا حضور کے صحابہ سے اسے ثابت کیا جاسکتا ہے؟۔ مساجد کے گنبد ومینار کا کیا حکم ہے، کیا انہیں عہد نبوی یا زمانہ صحابہ سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ یا ان کے بنانے کا حکم قرآن وحدیث سے پیش کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ ناجائز ہے، کیا ان کا دور کرنا ضروری ہے؟ جو کچھ کہا جائے قرآن وحدیث وعہد نبوی وعہد صحابہ سے اس کا ثبوت پیش کیا جائے۔ مؤذن وامام ومدرس علم دین کی تنخواہ کا کیا حکم ہے،

کیا حدیث میں نہیں کہ:

((إن اتخذ مؤذناً فلا يأخذ على أذانه أجراً))(۱)

اگر تم مؤذن بنائے جاؤ تو اذان پر اجرت نہ لینا۔

باوجود اس ارشاد حدیث اور ممانعت تمام متقدمین آج یہ زبردستی مانعین تھویب واذان قبر اس تنخواہ کو جائز کیوں جانتے ہیں، نہ صرف جائز بلکہ خود مؤذن ہو کر تنخواہ، امام ہو کر تنخواہ، مدرس ہو کر تنخواہ، کیوں لیتے ہیں؟ کیا یہ صحیح ہے کہ بعض احکام تبدیل وتغیر زمانہ سے بدل جاتے ہیں؟ اذان قبر کے متعلق تو قطعا کوئی ممانعت نہیں، اور اس تھویب کے متعلق جزماً اور حتماً علمائے متاخرین استحسان پر قرناً فقرناً اتفاق فرماتے آئے۔ اذان قبر کو بعض نے سنت تک فرمایا۔ اور اس اجرت پر قربت کی تو خود حدیث میں ممانعت

---

(۱) [سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ما جاء في كراهية أن يأخذ المؤذن على الأذان أجرا: ۲۰۹-۱/ ۲۵۲]

،، تمام متقدمین اسے منع کرتے رہے، پھر اسے شیر مادر بنانا اور انہیں ناجائز و بدعت بتانا اور سچ کہنا کس ظلم عظیم ہے، مگر ہے یہ کہ اس میں مانعین کا مالی فائدہ ہے، اور ان میں مسلمانوں کا دینی وروحی فائدہ، میں ان کا تو کوئی فائدہ نہیں۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللّٰہ العلي العظیم۔ اسی جبار وقہار و دیان جلالہ کو سمیع و بصیر، علیم و خبیر، شہید و قدیر مانتے ہوئے یہ بھی بتایا جا سکتا ہے کہ خدا کو حاضر و ناظر کہنا قرآن کس آیت یا کس حدیث میں آیا ہے؟ یا حضور یا صحابہ نے کہاں خدا کو حاضر و ناظر فرمایا ہے۔ علما نے حاضر ظر کہنے کو کیسا بتایا ہے۔ حاضر و ناظر خدا کو کہنا جائز ہے یا کیا؟ یہ چند از ہزار، مشتے نمونہ از خروار فقط۔

قبر پر اذان دینا جائز ہے

۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ تجہیز و تکفین کے بعد میت کی قبر پر بآواز بلند اذان کہنا بدعت ہے، اور اس کے ثبوت شامی اور توشیح کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتا ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ شامی اور توشیح اہل سنت کی تند قابل العمل کتابیں ہیں یا نہیں؟ اور آیا اس خاص مسئلہ میں شامی اور توشیح کے محققہ فیصلہ کی بنا پر اذان القبر درست رہے گی یا نہیں۔ بہر دو صورت ادلۂ اربعہ شرعیہ سے دلیل قائم کی جاوے اور صاحب ہب کا قول نقل کیا جاے۔ بینوا توجروا۔ وہ دونوں عبارتیں یہ ہیں:

”لا یسن الأذان عند إدخال المیت في قبرہ کما ھو المحتار عند الأئمة قد صرح ابن حجر في فتاواہ بدعة۔ شامي“(۱)

میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنا مسنون نہیں ہے، جیسا کہ ائمہ کرام کا مختار مذہب یہی ہے، علامہ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں اس کے بدعت ہونے کی صراحت فرمائی۔ (مترجم)

اور توشیح سے عبارت نقل کرتا ہے:

”الأذان علی القبر لیس بشيء.“

قبر پر اذان کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ (مترجم)

از بریلی پھوٹا دروازہ مسئولہ کمال الدین صاحب: ۲۰ رجمادی الآخرہ ۵۲ھ

---

۱) [رد المحتار علی الدر مختار، کتاب الصلاۃ مطلب فی دفن المیت: ۳/۱۳۲]

الجواب

کتاب کا مستند اور معتمد ہونا اور بات ہے، اور کتاب میں جو کچھ ہے وہ سب معتمد علیہ ہونا اور بات۔ اذان قبر کو سنت کس نے بتایا ہے؟ جس پر شامی کی عبارت دکھائی جاتی ہے، کہ اس میں اسے بدعت لکھا، بے شک بدعت ہے مگر بدعت حسنہ۔ اس کے ثبوت کو "إیذان الأجر في أذان القبر" دیکھیں۔ شامی اور توشیح کا محققہ فیصلہ یہی تو ہے کہ اذان قبر جو مسلمانوں میں آج کل رائج ومعتاد ہے مسنون نہیں، یا ان کی عبارت میں یہ ہے کہ یہ فعل حرام ہے، ناجائز ہے، گناہ ہے۔ بدعت تو مسجد کے گنبد ومینار بھی ہیں، بدعت تو یہ مروجہ مدارس بھی ہیں، بدعت تو قرآن عظیم میں زیر وزبر پیش وغیرہ کی کتابت بھی ہے، بدعت تو تعلیم علوم دینیہ پر اجرت بھی ہے۔ کیا یہ عبارت پیش کرنے والے مساجد کے گنبد، مینار ڈھانے اوران کے ناجائز وناروا ہونے کے فتوے دیں گے؟ اور کیا یہ لوگ ان مدارس کو ازبیخ برکندہ کریں گے، اور اس کے اجر کو حرام بتائیں گے؟ کیا ایسے مصحف جن میں ضبط حرکات کی بدعت ہے، معاذ اللہ دفن کرادیں گے۔ اور اس بدعت واجبہ کو ممنوع وحرام ٹھہرائیں گے، جس کے بغیر قرآن عظیم کا صحیح پڑھنا تقریباً ناممکن ہے، اس قدر دشوار ہے۔

جو امر غیر مسنون مسلمانوں میں شرقاً غرباً رائج ومعتاد ہے علما از راہ احتیاط تنبیہ کے لیے اسے فرمائیں "یہ مسنون نہیں ہے" کہ کہیں مسلمان اسے سنت سمجھ کر غلطی میں مبتلا نہ ہوں، اسے علما کے لایسن فرمانے سے بدعت محرمہ اعتقاد کرنے والے جیسے خوش فہم ہیں، ظاہر ہے۔

رہا صاحب توشیح کا اسے لیس بشيء کہنا، تو وہ خود لیس بشيء ہے کہ اذان ذکر الٰہی ہے، اور ذکر سے نزول نور ورحمت اور سرور واطمینان قلب یقینی۔

قال تعالیٰ:﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبِ﴾(۱)

سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

اذان سے فائدہ دفع وحشت ورد بلا وفرار شیطان بھی ہے، اور تلقین بھی۔ اور وقت (تو) اور، وہ وقت سوال کیسا شدید وقت ہے۔ اللہ اللہ اللہ۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز۔ (مترجم) اس وقت نزول سکینہ ورحمت اور دفع وحشت وغفلت وسکون واطمینان قلب کی کیسی شدید حاجت ہے، تو اس کے لیے اذان لیس بشيء ہوگی۔ یا۔ شيء عظیم النفع۔ جس سے زندہ

مردہ دونوں کا بھلا، یہاں ذکر اللہ مستحب ہوگا۔یا۔لیــس بشيء. وہ وقت نہایت نازک وقت ہوتا ہے، اور عدو ایمان دشمن مسلمان یعنی ابلیس لعین اس وقت ایمان کی گھات میں اندرون قبر پیش میت فریب دینے کو کھڑا ہوتا ہے۔سوال منکر نکیر "مـــن ربک"؟ پر اپنی جانب اشارہ کرتا ہے، کہ معاذ اللہ میت اس شیطان کو اپنا رب بتادے۔ایسے وقت اذان جس سے وہ ملعون گوز زناں بھاگے، اور میت مسلمان اسے سنے، اور غفلت سے جاگے لیس بشيء ہوگی، یا اعلیٰ درجہ کی مستحسن؟

حدیث میں خاص اذان کے لیے بھی ارشاد ہوا کہ میت ہمیشہ اذان سنتی ہے، جب تک قبر کی تطیین نہ ہو۔

"في المغني وعنه في الغنية عن الحسن عن ابن مسعود قال:قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ((لا يزال الميت يسمع الأذان مالم يطيّن قبره))(۱)

مغنی میں ہے:اسی سے غنیۃ میں وہ حسن سے وہ عبد اللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا:رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میت ہمیشہ اذان سنتی ہے، جب تک قبر کی تطیین نہ ہو۔(مترجم)

مگر وہابیہ بدخواہ مسلمان، خیر خواہ شیطان کو کیوں کر گوارہ ہو کہ اس وقت کسی مسلمان کو اس ذکر اللہ سے نفع پہنچے اور شیطان وہاں سے گوز زناں بھاگے۔ولا حول ولا قوة الا بالله۔

اللہ اللہ!اگر یہ عبارت پیش کرنے والے کچھ بھی سمجھ سے کام لیتے یا سمجھ کر الٹی نہ کہتے انصاف کے گلے پر چھری نہ چلاتے تو یہ عبارتیں ہرگز پیش نہ کرتے، اور عوام کو نہ بہکاتے۔ان عبارتوں کے کون سے لفظ نے یہ بتایا کہ اذان علی القبر نادرست، ونارونا جائز وممنوع وحرام وگناہ ہے۔حرام وگناہ ہوتی تو لا یســن کیوں کہا جاتا؟ممنوع ونارواہوتی تو لیــس بشيء ہی کیوں بتایا جاتا؟اگر یہاں کراہت پر کوئی قرینہ ہوتا تو اس سے کسی طرح یہ قول کیا جاسکتا کہ کراہت مراد ہے، اور جس کراہت کا قرینہ ہوتا، اسی کراہت کا کوئی قول کرسکتا۔پھر بھی یہ مسئلہ ایسا نہ ہوتا کہ وہابیہ اس کی بنا پر اس کے مجیز پر بدعتی ہونے کا حسب عادت مستمرہ زبردستی منھ آتے، کہ اس کا مکروہ ومندوب یا جائز ومکروہ تحریمی ہونا بدعت وسنت ہونے کی طرح مختلف فیہ ہوتا۔

ابن حجر کا بدعت بتانا تو نظر آیا، اور اسی رد المحتار میں علامہ خیر الدین رملی کے حاشیۂ بحر سے جو

انہوں نے نقل کیا ہے کہ میں نے بعض کتب میں لکھا دیکھا ہے کہ۔ ''وہ مردہ کو قبر میں اتارتے وقت اذان کو مسنون کہا گیا ہے'' نہ دیکھا۔ یہ تو باب الاذان میں تھا، وہیں کتاب الجنائز میں اس عبارت میں جو سوال میں پیش کی گئی ہے، بدعة کے بعد۔ ''ومن ظن أنه سنة الخ'' یہ نظر نہ آیا، یہی ابن حجر جو اس کے سنت ہونے کے منکر ہیں، اسے بدعت فرماتے ہیں، انہوں نے سنت بتانے والے کو بدعتی نہ بتایا، اتنا فرمایا کہ: ''لم یصب'' جس نے اسے سنت کہا اس نے ٹھیک نہ کہا۔ یہ عبارت پیش کرنے والے صاحب درمختار کا قول: ''لا یسن لغیرها'' کہ اذان غیر نماز فرض کے لیے مسنون نہیں ہے، دیکھ کر مولود کے کان میں اذان دیں گے، یوں ہی مہموم، یوں ہی مصروع، یوں ہی سخت غضب ناک، یوں ہی شریر جانور، یوں ہی بدعادت انسان کے کان میں اذان کہتے، یوں ہی وقت جنگ، یوں ہی آگ لگ جانے کے وقت، یوں ہی بن کی سرکشی، اور شرارت وایذا دہی کے وقت، یوں ہی وہ شخص جو جنگل بیابان میں راہ بھٹکے اس کی اذان کو بدعت سیئہ حرام وناجائز وگناہ بتائیں گے؟

اگر چہ علامہ شامی اس کے حاشیہ میں علامہ خیر الدین رملی کے حاشیۂ بحر سے یہ نقل کیا کریں کہ:

''في حاشية البحر للخير الرملي رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة، كما في أذن المولود، والمهموم، والمصروع، والغضبان، ومن ساء خلقه من انسان أو بهيمة، وعند مزدحم الجيش، وعند الحريق، قيل وعند إنزال الميت القبر قياساً علىٰ أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في ''شرح العباب'' وعند تغول الغيلان أي: عند تمرد الجن لخبر صحيح فيه، أقول: ولا بعد فيه عندنا اه.'' اگرچہ وہ شرعة الاسلام سے نقل کیا کریں کہ: ''ولمن ضل الطريق في أرض قفر.''(۱)

علامہ خیر الدین رملی کے حاشیۂ بحر میں ہے: میں نے کتب شافعیہ میں دیکھا ہے کہ: غیر نماز کے لیے اذان مسنون ہے، مثلاً: پیدا شدہ بچے، مغموم ورنجیدہ، مرگی کے مریض اور غضب ناک کے کانوں میں، اور بدمزاج انسان وچوپائے کے کانوں میں، جنگ کے شعلہ بھڑکنے کے وقت، آتش زنی کے وقت۔ کہا گیا ہے: مردے کو قبر میں اتارنے کے وقت (اذان کہنا مسنون ہے) پیدا ہونے کی حالت اولیٰ پر قیاس کرتے ہوئے، لیکن اسے علامہ ابن حجر نے شرح عباب میں رد فرما دیا، اور جن بھوت کے بھٹکانے

---

(۱) [ردالمحتار، كتاب الصلاة مطلب في المواضع التي يندب لها الآذان في غير

ی جن کی سرکشی کے وقت۔ میں کہتا ہوں: اس میں ہمارے نزدیک کوئی بعد نہیں، اگر چہ وہ شرعۃ الاسلام سے نقل کیا کریں کہ: ''اس شخص کے لیے بھی اذان کہنا مسنون ہے جو بے آب و گیاہ زمین میں راستہ بھٹک گیا ہو''۔ (مترجم)

یوں ہی اگر چہ وہ کہا کریں کہ امام ابن حجر نے اذان واقامت خلف مسافر کو مسنون بتایا ہے۔ اللہ ! یہ عبارتیں جو سوال میں ہیں، خود افادہ جواز فرما رہی ہیں۔

مگر الٹی گنگا بہانے والے ان سے ناجواز ہی سمجھ رہے ہیں، اے سبحان اللہ۔ ارے خوش فہمو! جو جائز وناروا ہوگا اسے حرام کہا جائے گا۔ ممنوع بتایا جائے گا، گناہ فرمایا جائے گا، ایسی بدعت کو بدعت سیئہ کہا جائے گا، یا لیس بشيء؟ لیس بشيء کہنے ہی نے اسے جائز بتایا۔

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور فہم اپنا تھا۔

اللہ اللہ۔ اذان قبر پر دلیل طلب کرنا تو الٹی بات ہے کہ اصل جواز ہے تو جو ممنوع وحرام کہے اس سے پوچھا جائے کہ کس دلیل سے حرام بتایا ہے، اور وہ بھی ذکر اللہ کو۔ کون سی وجہ حرمت وکراہت عارض ہے۔ مکروہ تنزیہی (خلاف اولیٰ) کے لیے تو بتصریح علما دلیل خاص درکار: ''**كما في البحر ورد المحتار غيرهما من الأسفار.**'' مگر معاندین کی ہر ہٹ ختم کرنے اور ہر ضد پوری کرنے کو ہم تیار ہیں، سنیے:

اللہ عزوجل اپنی کتاب مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً﴾ (۱)

اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو۔

نیز فرماتا ہے:

﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ﴾. (۲)

اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے زیادہ۔

اور فرماتا ہے:

﴿فَاذْكُرُوْنِيْ أَذْكُرْكُمْ﴾ (۳)

---

(۱) [سورة الأحزاب: ٤١]

(۲) [سورة البقرة: ٢٠٠]

تو میری یاد کرو میں تمھارا چرچا کروں گا۔

حدیث میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد عظیم ہے:

((أذكروا الله عند كل شجر وحجر)).(۱)

ہر شجر وحجر کے پاس اللہ کو یاد کرو۔(مترجم)

نیز فرماتے ہیں علیہ الصلاۃ والسلام:

((إلى يوم القيام اذكر الله حتى يقولوا مجنون)).(۲)

قیامت تک اللہ کو یاد کرتے رہو یہاں تک کہ لوگ مجنون کہنے لگیں۔(مترجم)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

((لم يفرض الله علىٰ عباده فريضة إلا جعل لها حداً معلومًا ، ثم عذر أهلها في حال العذر غير الذكر، فإنه لم يجعل له حداً انتهىٰ إليه، ولم يعذرا حداً في تركه إلامغلوباً علىٰ عقله، وأمرهم به في الأحوال كلها "(۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو عمل بھی فرض فرمایا اس کی ایک مقررہ حد بیان فرمادی، پھر معذورین کو بری الذمہ بھی فرمایا، لیکن ''ذکر'' کا معاملہ اس سے مختلف ہے، رب تعالیٰ نے اس کے لیے کوئی خاص حد بیان نہیں فرمائی، اور اس کے ترک میں کسی کو معذور قرار نہیں دیا، مگر جس کی عقل ہی مغلوب ہوگئی ہو (تو الگ بات ہے) اپنے بندوں کو تمام احوال میں ''ذکر'' کرنے کا امر فرمایا ہے۔

دیکھیے! اللہ و رسول۔عز جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔نے ذکر کا حکم مطلقاً فرمایا، ذکر الٰہی ہر جگہ مطلوب و مندوب ہوا، تو کسی خاص جگہ ممنوع ہونے کے لیے دلیل خاص درکار ہے، اور جہاں نہی نہیں آئی ہے وہاں زبردستی ذکر الٰہی ممنوع بتانا اور تو کیا کہا جائے، نری ڈھٹائی سخت بے حیائی نہیں تو اور کیا ہے۔ اذان بھی ہر اس مسلمان کے نزدیک بلکہ اس کے نزدیک بھی جو محض نام اسلام رکھتا ہو ذکر خدا ہے۔ تو ہر جگہ خوب و مرغوب ہے۔ ہر جگہ میں نزد قبر مسلم بھی ہے، اور یہاں کوئی نہی موجود نہیں، تو جواز کیا مستحسن و مندوب ہے، کیا کوئی نہی دکھائی جاسکتی ہے، کہ قرآن پاک یا حدیث اور جانے دو کسی معتبر و معتمد امام بلکہ

---

(۱) [كنز العمال، كتاب الأذكار، قسم الأقوال، حديث، ۱۹۰۸: ۱/ ۲۲۶]

(۲) [كنز العمال، كتاب الأذكار، قسم الأقوال، حديث۔ ۱۷٤۹: ۱/ ۲۱۳]

عالم نے اسے ممنوع بتایا ہو۔مگر جو لایسن نہ ہو کہ لایسن کا ترجمہ لایجوز نہیں۔یا یہ ٹھہرائی ہے
جو مسنون نہیں ناجائز ہے۔پھر دیکھیے:ہمارے علما کا اجتماعی قاعدۂ مسلمہ ہے کہ اصل اشیا میں اباحت
۔تو اذان علی القبر بھی اصل میں اجماعاً مباح ہے۔اور عروض کراہت وحرمت کسی دلیل سے ثابت
ں۔"هـذا إجمال الكلام والتفصيل في رسالة سيدنا الوالد العلام المجدد الإمام
خ المسلمين والإسلام "إيذان الأجر في أذان القبر" والله تعالىٰ أعلم۔"

رہا صاحب مذہب کے قول کا مطالبہ تو اگر یہی لیل ونہار ہیں تو فقہ حنفی کے وہ معدود مسائل ہیں
میں امام اعظم کا نص موجود ہو لائق تسلیم ہوں گے،باقی سب رد۔ولا حول ولا قوة إلا بالله العلی
لیم الصمد،والله تعالیٰ أعلم۔

(۳) تدفین

کسی کی زمین میں کوئی اپنی میت دفن کر دے تو اسے نکلوانے کا اختیار ہے

) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) بے اجازت مالک کوئی غیر قوم علاوہ حکومت کے جو مسلمان نہ ہو اپنی لاش دفن کر دے اس
واسطے شرعاً کیا حکم ہے۔

(۲) کوئی شخص مالک آراضی اپنے کسی خدمت گار وغیرہ کو کسی وجہ سے اپنی ملکیت میں دفن کرنے
اجازت دے دے،بعد دفن کرنے کے غیر قوم کے ایک برادری کے لوگ بلا اجازت حاصل کئے مالک
لاش دفن کر جاویں ان کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے،ایسی صورت میں کہ کوئی وقف نامہ بھی تحریر نہ ہو۔

(۳) جو درخت وغیرہ وہاں موجود ہوں قبل دفن کرنے لاش کے یا خودرو پیدا ہوں ان کا مالک
ب ہوگا یا ورثہ لاش مدفونہ کے۔فقط۔

از شہر کہنہ محلّہ لودھی ٹولہ مسئولہ جناب سید سجاد احمد صاحب رضوی سلمہ۔۸/شعبان الخیر ۱۳۴۹ھ

الجواب

(۱) بے اجازت مالک زمین غیر مسلم تو غیر مسلم اگر کوئی کسی مسلمان کو بھی دفن کر دے تو مالک

باڑی کرے، یا جو چاہے۔

غنیۃ میں فرمایا:

"لو دفن في أرض مغصوبة أو أخذت بشفعة يخرج منه ؛ لأنها حق العبد.(۱)

ایسی زمین میں مردہ دفن کیا گیا جو غصب کی ہوئی ہے یا حق شفعہ سے دوسرے نے لے لی ہے تو نعش کو اس زمین سے نکالنا جائز ہوگا، کہ زمین بندے کا حق ہے۔ (مترجم)

اسی میں ہے:

"لا يباح نبشه بعد الدفن أصلاً إلا لما تقدم من سقوط مال فيه،أو كون الأرض حق الغير، وحينئذ إن شاء ذلك الغير أخرجه وإن شاء سوى القبر وزرع فوقه"(۲)

دفن کرنے کے بعد قبر کھولنا جائز نہیں، ہاں اگر اس میں کسی کا مال گر گیا۔ یا زمین کسی دوسرے کی ہو تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ اس کی نعش کو اپنی زمین سے نکلوادے۔ یا قبر کو زمین کے برابر کردے اور اس پر کھیتی باڑی کرے۔ (مترجم)

وہ ملک غیر میں دفن کرنے والے ظالم، گنہگار حق غیر میں دست انداز، ستمگار، جفا کار، ہر طرح مجرم بدکار ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) بلا اجازت مالک دفن کر دینا تو ظلم ہے، باجازت مالک کے دفن ہونے سے بھی وہ زمین وقف نہ ہوجائے گی جب تک مالک زمین وقف نہ کردے، پھر زمین موقوف میں غیر قوم کے دفن کی وہاں اجازت نہیں ہوسکتی۔ جس زمین میں مسلمانوں کے مردے دفن ہوتے ہیں وہاں کوئی غیر مسلم دفن نہیں ہوسکتا اگر چہ واقف سے اجازت دفن لی جائے، اگر واقف اب اس کی اجازت دے گا، خود گنہگار ہوگا، اور اس کی اجازت محض لغو وبے کار ہوگی، کچھ اثر نہ رکھے گی، مردود ٹھہرے گی، کہ جو زمین وہ وقف کر چکا اب اس کا وہ مالک نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جس کی زمین ہے اسی کے درخت ہیں، اور جو پیدا ہوں گے جب تک کہ وہ زمین جس کی ہے اسی کے ہوں گے، لاش دفن ہونے سے وہ زمین لاش والوں کی نہ ہوگی، نہ پیڑ وغیرہ ان کے ہوجائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي: ص۶۰۵]

قبر میں تختے کدھر سے لگائے جائیں

مسئلہ:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

مرد کو تختے کس جانب سے دیے جائیں، سرہانے سے یا پائیتی سے، یوں ہی عورت کو؟۔

الجواب

دونوں کو سرہانے سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

برستان کی غیر موقوفہ زمین جس میں قبریں نہ ہوں فروخت کرنا جائز ہے

مسئلہ:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

ایک قبرستان اندرون آبادی ہے جو لوگوں کے دست برد وغلاظت سے غیر محفوظ ہے، اور اس کا
، حصہ ایسا ہے جو پہلے سے قبرستان میں نہ تھا، بلکہ دوبارہ سروے ناپ میں امین نے اس کو قبرستان میں
ں کردیا۔ اور اسی کا ایک گوشہ ایسا ہے جس میں اس کے قرب کے باشندے نجاست وکوڑا وغیرہ پھینکتے
، اور کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ زمین قبرستان کی ہے، اور اس میں قبر ہونے کا احتمال بھی نہیں ہے، زمین دار
اس کو اپنی زمین سمجھ کر ایک شخص کے ساتھ مکان بنانے کے واسطے بندوبست کردیا، اس بندوبست لینے
لے نے اس گوشہ میں مکان بنالیا تھا، اور کچھ باقی تھا یہاں کے مسلمانوں نے نقشہ وغیرہ سے معلوم کیا کہ
مین قبرستان کی ہے زمین دار کو حق بندوبست نہیں اس لیے اس کی عدالت سے مسلمانوں نے چارہ جوئی
اور مکان بننا موقوف ہوگیا ہے۔

اب بندوبست لینے والا شخص یہ چاہتا ہے کہ اس زمین کے عوض عام مسلمان کچھ روپیہ لے
ں، تاکہ قبرستان کا احاطہ ہوجائے، اور میرے مکان کا قطعہ بھی خراب نہ ہو، اور یہاں کے مسلمانوں میں
ں اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس کی حد بندی کرادیں تاکہ غیروں کے دست برد نجاست وغیرہ سے محفوظ
ہے، اس لیے کہ یہاں کے عام مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ اس کے عوض روپیہ لے کر قبرستان کی حد بندی
ادی جائے، تاکہ نجاست وغیرہ سے قبرستان محفوظ ہوجائے۔ ایسی صورت میں کچھ زمین قبرستان کی جو
، سے قبرستان میں نہ تھی بندوبست کرکے اس روپیہ سے قبرستان کی حد بندی کرانا، یا اس زمین کو کرایہ پر

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال اور نقشہ سے ظاہر ہے کہ یہ زمین سرخ رنگ زمین موقوفہ نہیں، اور نہ اس میں کوئی قبر ہے، اس صورت میں جب کہ قبرستان کی حفاظت وصیانت کی حاجت بھی ہے، مسلمان اتنے حصہ سے فروخت کر کے قبرستان میں لگا سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

از گیا ڈاک خانہ رفیع گنج محمد عبدالحق ہڈ جنرل مرچنٹ مورخہ ۳، صفر ۵۲ھ

دفن کے بعد میت کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز نہیں

مسئلہ: (۱۰)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) کیا میت مدفونہ کو ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا بروئے شرع محمدی جائز ہے، مع حوالہ کتب۔

(۲) اولیا، یا بزرگان دین سے چند ایک کی نعش ہائے مبارک ایک جگہ سے نکال کر دوسری جگہ، یا تیسری جگہ، دفن کی گئی ہیں، وہ کون سے حکم شرع کے ماتحت ہیں بمع حوالہ کتب۔

(۳) بوقت دفن کرنے کے جو کہ عام طور پر کئی میتیں امانت رکھی جاتی ہیں اور کچھ عرصہ بعد ان کو قبر سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرتے ہیں کیا یہ عمل درست ہے۔

(۴) ایک شخص بزرگ سیرت اور خاندان سادات سے ہو، اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکا جو کہ اس کا تابعدار اور خدمت گذار ہو، اس کو ہر وقت عرصہ سے اس بات کی وصیت کرتا رہتا ہو کہ مجھے گورستان میں کسی کی قبر کھود کر دفن نہ کرنا بلکہ میری زرخرید جگہ پر جو کہ محض اسی غرض سے خریدی گئی ہے، اس میں دفن کرنا۔ لیکن بوقت مرگ اس لڑکے کو عمداً اطلاع نہیں دی گئی، اور متوفی کے خلاف وصیت وہدایت عمداً مخالفت کی گئی ہے، اب وہ موصی اپنے والد کی وصیت کے مطابق عمل کرنا چاہتا ہے۔

الجواب

(۱) نہیں علی الصحیح، مگر اس صورت میں کہ زمین حق غیر میں بے اجازت مالک دفن کیا ہو، اور وہ راضی نہ ہوتا ہو۔

غنیۃ میں ہے::

"بعد الدفن فلا يجوز إخراجه، حتى قالوا: لو أن امرأة مات ولدها ودفن لمد غير بلدها وهي لا تصبر وارادت نبشه ونقله إلىٰ بلدها لا يباح لها ذلك، لا يباح نبشه بعد الدفن أصلاً إلا لما تقدم من سقوط مال فيه أو كون الأرض حق غير وح إن شاء ذلك الغير إخراجه وإن شاء سوى القبر وزرع فوقه، وجوز عض النقل بعد الدفن استدلالاً بما نقل أن يوسف عليه السلام بعد ما مضى عليه ان نقل من مصر إلىٰ الشام ليكون مع آبائه۔ والصحيح الأول؛ لأن شرع من لمنا إذا لم يقصه الله أو رسوله علينا من غير تغيير لايكون شرعاً لنا فلا يجوز ستدلال به۔ وفي القنية مقابر بلغ إليها حطم جيحون لا يجوز نقلهم إلىٰ موضع حر." (۱)

عالمگیریہ مصریہ ص:۱۶۷ جلداول میں ہے:

"لا ينبغي إخراج الميت من القبر بعد ما دفن إلا إذا كانت الأرض مغصوبة أخذت بشفعة كذا في فتاوىٰ قاضي خان: وإذا دفن الميت في أرض غيره غير إذن مالكها فالمالك بالخيار إن شاء أمر بإخراج الميت وإن شاء سوى أرض وزرع فيها كذا في التجنيس. والله تعالىٰ أعلم."(۲)

میت دفن کرنے کے بعد قبر سے نکالنا جائز نہیں، فقہائے کرام نے یہاں تک فرمایا کہ: اگر کسی ورت کا بچہ انتقال کر جائے اور وہ کسی دوسرے شہر میں دفن کر دیا جائے اور اسے یہ برداشت نہ ہو اسے قبر سے نکال کر اپنے شہر میں دفن کرنا چاہتی ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں، دفن کرنے کے بعد قبر کو کھولنا بالکل وانہیں۔ ہاں اگر اس میں کسی کا مال گر گیا یا زمین کسی دوسرے کی ہو تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ اس کی نش کو اپنی زمین سے نکلوا دے یا قبر کو زمین کے برابر کر دے اور اس پر کھیتی باڑی کرے، بعض فقہائے کرام نے میت کے منتقل کرنے کو جائز کہا ہے، دلیل یہ پیش کی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جسد اطہر کو یک زمانہ گزرنے کے بعد مصر سے شام منتقل کیا گیا تا کہ اپنے آبا واجداد کے قرب میں ہو جائیں۔ پہلا ول صحیح ہے کیوں کہ شریعت سابقہ کو اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول بلا تغییر وتبدیل بیان نہ کریں تو وہ ہمارے

---

(۱) [غنية المستملي شرح منية المصلي:۲۰۸]

لیے مشروع نہیں، لہذا اس سے استدلال کرتے ہوئے نعش کو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔ قنیہ میں ہے: قبروں تک دریا نے کاٹ کردیا تو کسی دوسری جگہ مردوں کو منتقل کرنا جائز نہ ہوگا۔ عالم گیری میں ہے: دفن کرنے کے بعد نعش کو قبر سے نکالنا نہیں چاہیے مگر جب کہ زمین غصب کی ہوئی ہو یا حق شفعہ سے دوسرے نے لے لی ہو (تو مالک زمین کو اختیار ہے) یہ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہوا ہے۔ اگر میت کسی زمین میں بے اجازت مالک دفن کردی جائے تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ اس کی نعش کو اپنی زمین سے نکلوا دے یا قبر کو زمین کے برابر کردے اور اس پر کھیتی باڑی کرے، ایسا ہی تجنیس میں ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ (مترجم)

(۲) جن کی نعشیں دوسری جگہ منتقل کی گئیں وہ دوسری روایت کی بنا پر کسی خاص وجہ سے مثلاً دریا کی کاٹ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اس کا جواب پہلے جواب سے واضح ہے۔ (۴) نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبروں پر مکان، پاخانہ وغیرہ بنانا حرام اور اس سے قبضہ ہٹانا لازم

(۱۱) **مسئلہ:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بکر نے مسلمانوں کے قبرستان کی قبریں جس میں علما و اولیا اللہ و عام مسلمانوں کی قبریں تھیں کھود کر اپنا مکان بنالیا اور انہی قبروں پر پاخانہ وغسل خانہ وغیرہ جو لوازمات مکان مسکونہ کے ہیں تعمیر کرائے۔ جب اس ناشائستہ فعل سے بکر کو منع کیا گیا تو وہ آمادۂ فوج داری ہوا۔ لہذا اس بارے میں بکر کہاں تک از روئے شریعت مطہرہ کے مجرم ہوا اور اب اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہے تو اس کا کیا کفارہ اس کو دینا چاہیے؟ بینوا توجروا۔ از بریلی محلّہ............ مسئولہ............ شعبان ۱۴۰۵ھ

الجواب

بکر سخت شدید گنہ گار، مستحق نار، مستوجب غضب جبار، مبتلائے قہر قہار، حق اللہ اور حق العباد دونوں میں گرفتار ہے۔ اس پر توبہ فرض ہے سچے دل سے توبہ و رجوع کرے، اپنے اس گناہ اور سب گناہوں پر شرمندہ و منفعل ہو، خدا سے مغفرت چاہے، قبور جو منہدم کی ہیں انھیں پھر بنادے، اپنا قبضۂ مالکانہ قبرستان سے اٹھالے، پاخانہ غسل خانہ فوراً فوراً دفع کرے، جہاں نجاست کی ہے اس جگہ کو فوراً فوراً نجاست سے پاک کرے خالی زبانی توبہ نہ ہوگی۔ زندوں سے معافی چاہے مردوں کو ایصال ثواب کرتا رہے جن کی قبور منہدم کیں جن کی قبر پر پاخانہ غسل خانہ وغیرہ بنایا ان زندوں سے جن کے اعزا و اقربا کی

ی توہین کر کے انہیں بھی ایذا پہنچائی ان سے معافی چاہے خدا اسے توفیق دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کو قبرستان نہیں جانا چاہیے

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

عورتوں کو قبرستان میں جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب

نہیں چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مال داروں کو تیجے کے چنے نہیں کھانا چاہیے

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بعض کہتے ہیں تیجے یعنی سوئم کے چنے چبانے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور میت کی فاتحہ کا کھانا نے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے یہ صحیح ہے یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب

غلط ہے ہاں اغنیا کو کھانا نہیں چاہیے کہ اغنیا کے قلب میں اس سے قساوت پیدا ہوتی ہے۔ واللہ ٰ اعلم۔

قبر پر چادر ڈالنا کہنا چاہیے

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

بزرگوں کے مزار پر چادریں چڑھانا درست ہے یا نہیں، اور لفظ چڑھانا، استعمال کرنا درست ہے ، یا بجائے چڑھانے کے دوسرا لفظ استعمال کیا جاوے جو دوسرا لفظ استعمال کیا جاوے وہ تحریر کیجیے۔

الجواب

درست ہے، چادر چڑھانا ایسا ہی بولا جاتا ہے، جیسے غلاف چڑھانا۔ مگر یہ لفظ نہ بولیں، چادر ڈالنا

بولیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان کی حفاظت لازم

(۱۵) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

تکیہ کی بے حرمتی، جوا کھیلنا، جوتا پہن کر چلنا، کتوں کا قبر پر پاخانہ کرنا، کتوں کے بچے پالنا، مسلمانوں پر گناہ ہے کہ نہیں؟۔ اس بارے میں مسلمانوں کو کیا فرض ہے، قبرستان کا پیسہ چادر وغیرہ سے جو اکٹھا ہوتا ہے اس کو قبرستان کے مفاد میں لگانا چاہیے یا کہ ایک آدمی کے پاس جمع کرتے رہنا چاہیے؟۔

جن لوگوں کے پاس قبرستان کی آمدنی کی رقم رہتی ہے، اور وہ خوشی سے اس رقم کو رکھنا بھی چاہتے ہیں، ان کا کیا فرض ہے۔ قبرستان کی آئی ہوئی کفن کی چادر اور پیسے کو کسی مسجد یا اور کسی کام میں لگانا چاہیے یا نہیں؟۔ فقط

محمد احمد محلہ ساری پور بریلی شریف

الجواب

قبرستان کی حفاظت ضروری ہے، جوا کھیلنا ہر جگہ حرام ہے، اور قبرستان میں اور اشد حرام در حرام ہے۔ قبروں پر چلنا، پھرنا، قبروں پر بیٹھنا حرام ہے، قبر سے تکیہ لگانا بھی ممنوع۔ "اھلاك الوھابیین" تفصیل کے لیے دیکھیں۔

کتے، سور، گدھے تو کیا بکریوں سے بھی قبروں کی حفاظت لازم، اور نجاست سے تو پوچھنا ہی کیا۔

قبرستان کی جو آمدنی ہو وقت ضرورت قبرستان کی مرمت میں صرف کرنا لازم، جو وقت ضرورت صرف نہیں کرتے وہ ملزم ہیں۔ جمع رکھنے کے لیے پیسہ جمع نہیں ہوتا، وقت ضرورت صرف کرنے کے لیے جمع ہوتا ہے۔ قبرستان کی آمدنی قبرستان ہی میں صرف ہوگی، مسجد وغیرہ کسی دوسرے بلکہ ایک قبرستان کا دوسری جگہ قبرستان میں صرف نہیں کر سکتے۔ واللہ ھو الھادی وھو تعالیٰ اعلم

۱۴/ذی الحجہ ۸۸ھ

قبروں کا استعمال جائز نہیں

۱۶) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

موضع اُدرا میں جو مسلم قبرستان ہے اس پر عرصہ ہوا مقدمہ ہندو فریقین سے ہورہا ہے، کچھ مسلمان ہندو لوگوں سے ساز باز رکھتے ہیں، اور ان کا ساتھ دے رہے ہیں، اسی قبرستان میں کسان دونوں اقوام کے اپنے اناج اُگاہ رہے ہیں، کھلیان بنا رکھا ہے، ان لوگوں کی بابت شرعاً حکم ارشاد فرمانے کی تکلیف گوارہ فرمائیں۔ فقط

المستفتی: محمد حسین ۲؍ گودھے (۳) بار اللہ بشیر احمد از اپریل ۱۹۶۹ء
موضع ادرا ڈاکخانہ دیورنیا ضلع بریلی شریف

الجواب

قبرستان اگر وہ وقف ہے، جب تو اس موضع میں قبریں اگر ان کی ہیں، جب بھی اسے پیر کے کام میں نہیں لا سکتے، اور اگر کسی کا مملوک ہے تو بھی اس کی بے اجازت اس جگہ بھی پیر نہیں کرسکتے جہاں قبر نہیں، اور اگر وہاں قبریں ہیں، قبروں پر گہائی ہوتی ہے، یا پولیاں رکھی جاتی ہیں، یا آنے جانے میں قبریں پامال ہوتی ہیں، تو وہ قبرستان وقفی ہو یا کسی کی ملک کسی صورت پر جائز نہیں، حرام حرام حرام ہے، وہ لوگ اشد گنہ گار ہیں، حق اللہ اور حق العباد میں گرفتار ہیں، مردہ ہر اس بات سے ایذا پاتا ہے جس سے زندہ، یہ حدیث سے معلوم نیز حدیث سے قبر سے تکیہ لگانے کی ممانعت بھی معلوم، تفصیل کے لیے دیکھیں رسالہ ''اھلاک الوھابین'' جو مسلمان اس کے خلاف ساز باز کیے ہوئے ہیں وہ اشد گنہ گار ہیں، ان پر توبہ فرض ہے، وہ توبہ نہ کریں تو مسلمان ان سے میل جول موقوف کریں۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں

واللہ تعالیٰ اعلم

کتاب الزکاۃ

ابواب

زکاۃ کا بیان

زکاۃ لینے والے کو زکاۃ کہہ کر دینا لازم نہیں

(۱) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

کیا زکاۃ کی ادائیگی کے لیے شرط مشروط کے علاوہ اظہار زکاۃ بھی ضروری ہے؟ بینوا توجروا۔

از بنارس مرسلہ عبد الرحمٰن

الجواب

زکاۃ جسے دی جائے اس سے یہ کہنا کچھ ضروری نہیں کہ یہ زکاۃ کا مال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

جن رشتہ داروں کو زکاۃ کا مال دینا جائز ہے اگر رشتہ دار زکاۃ کا مال بوجہ شرم لینا خفت جانتا ہے، حالانکہ فاقہ کشی کرتا ہے، خفیہ بغیر زکاۃ کا اظہار کیے ہوئے دے کر مالک بنادے زکاۃ کی ادائیگی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

از بنارس مرسلہ عبد الرحمٰن

الجواب

زکاۃ جسے دی جائے اس سے یہ کہنا کچھ ضروری نہیں کہ یہ زکاۃ کا مال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زکاۃ کا نصاب ساڑھے سات تولے سونا، یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت ہے

(۳) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

نکالنا چاہیے؟

(۲) اہل سنت و جماعت کے لوگوں کو کتنے جانور ہونے پر زکاۃ دینا چاہیے، اور جانور یہ ہیں گائے، بھینس، اونٹ، بکری وغیرہ ان میں سے ہر ایک کتنی تعداد میں ہونے پر زکاۃ نکالنا چاہیے؟

ازشجھوڑاک خانہ گربخش گنج ضلع رائے بریلی سائل شیخ چھید اتمبا کوفروش۔ ۶/ ذی الحجہ ۹۷ھ۔

الجواب

(ا) سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ جس کے پاس کم از کم اتنا سونا یا اتنے سونے کی اشرفیاں یا زیور ہو اس کا چالیسواں حصہ اس پر جب سال گزرے دینا لازم ہوگا، یا اس کے چالیسویں حصہ کی قیمت۔ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے۔ جس کے پاس اتنی چاندی یا زیور یا روپیہ ہو اور اس پر سال گزر جائے تو چالیسواں حصہ دینا فرض ہوگا، یا اس قدر کی قیمت۔

یہاں کے روپیہ میں سوا گیارہ ماشہ چاندی ہے تو ساڑھے باون تولہ چاندی کے پورے چھپن روپیہ ہوے۔ چاندی کا نصاب دوسو درہم شرعی ہے، اور درہم شرعی ۲۵، ۵/ ارتی ہے]۸ رتی کا ایک ماشہ تو درہم شرعی تین ماشہ ا،۵/ ارتی کا ہوا، دوسو درہم برابر ساڑھے باون تولہ۔ یوں کہ دوسو درہم کی پانچ ہزار چالیس رتیاں ہوئیں، اور اس قدر رتیوں کے چھ سوتیس ماشہ اور اتنے ماشوں کے ساڑھے باون تولہ۔ یوں ہی چھپن روپے کے ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی۔

عالمگیریہ میں ہے:

”تجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم وفي كل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال مضروباً كان أولم يكن، مصوغاً أو غير مصوغ، حلياً كان للرجال أو للنساء، تبراً كان أو سبيكة كذا في الخلاصة“(۱)

دوسو درہم میں پانچ درہم اور بیس مثقال سونے میں نصف مثقال زکات واجب ہے۔ چاندی سونا ڈھلا ہوا ہو خواہ نہ ہو، مردوں، عورتوں کے زیوروں کی شکل میں ہو، بے ڈھلا ڈلا ہو خواہ ڈھلا ہوا ڈلا، ایسا ہی خلاصہ میں لکھا ہے۔ (مترجم)

درمختار میں ہے:

”نصاب الذهب عشرون مثقالاً والفضة مائتادرهم، كل عشرة دراهم وزن

عة مثاقيل"(۱)

سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دوسو ایسے درہم ہیں کہ ان میں سے دس درہم سات
ال کا وزن رکھتے ہوں۔(مترجم)

العطايا النبويه في الفتاوىٰ الرضويه میں حضرت والد ماجد شیخنا المجد دقدس سرہ فرماتے ہیں:

''مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے تو درہم کہ اس کا ۱۰/۷۔ ہے تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ
، کا ہوا۔ کشف الغطا میں ہے مثقال بست قیراط و قیراط یک حبہ، و چہار خمس حبہ و حبہ کہ آں را بفارسی سرخ
ید ہشتم حصہ است، پس مثقال چہار و نیم ماشہ باشد۔ [فتاویٰ رضویه: ۴/۶۰۳]

جواہر اخلاطی میں ہے:

"الدرهم الشرعي خمس وعشرون حبة وخمس حبة."

یعنی درہم شرعی پچیس رتی پانچواں حصہ رتی کا ہے''۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) بھیڑ بکری، گائے بھینس، اونٹ ان میں سے نر ہوں یا مادہ یا مختلط جب کہ جوتنے، کھانے،
نے کے لیے نہ پالے ہوں، سمن یا ثمن میں زیادتی کے لیے ہوں۔ یا دودھ یا نسل کے لیے۔ یا شوقیہ اور
ل کا اکثر حصہ جنگل میں چھٹے چرنے پر اکتفا کرتے ہوں، اور ان پر حولان حول ہو، اور جو نوع
، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، شتر قدر نصاب ہوں۔ یا سب مل کر قدر نصاب ہوں، اور سب ایک سال
ے کم کے نہ ہوں کم از کم ان میں ایک ہی ایک سال کا ہو تو زکاۃ فرض ہوگی۔ بھینس، گائے ایک ہی نوع
ے ٹھہریں گے، یوں ہی بھیڑ بکری۔ گائے، بھینس کا نصاب تیس ہے۔ تیس سے کم پر زکاۃ نہیں۔ تیس
نے پر ایک بچہ پورے ایک سال کا۔ چالیس ہونے پر ایک بچہ پورے دو سال کامل کا دینا
گا۔ انسٹھ(۵۹) تک یہی واجب ہوگا، ساٹھ سے انہتر(۶۹) تک دو بچے ایک ایک سال
ے۔ ستر(۷۰) سے اناسی(۷۹) تک ایک بچہ ایک سالہ ایک دو سالہ۔ اسی(۸۰) پر نواسی تک دو بچے
دو سال کے۔ نوے(۹۰) پر ننانوے تک تین بچے ایک ایک سال کے۔ سو(۱۰۰) پر(۱۰۹) تک دو بچے
ب سال کے ایک بچہ دو سال کا۔ ۱۱۰ سے ۱۱۹ تک ایک، ایک سال کا دو، دو سال کے۔ ۱۲۰ سے ۱۲۹ تک
ر ایک ایک سال کے یا تین دو دو سال کے وقس علیٰ هذا۔

یوں ہی بھینس کا حساب ہے اور اگر گائے بھینس مخلوط ہوں تو جو زیادہ ہوں انہی کا بچہ زکاۃ میں دینا

---

(۱) [illegible]

ہوگا۔اور برابر ہوں تو جو قسم اعلیٰ ہو اس کا ادنیٰ۔یا ادنیٰ کا اعلیٰ دیا جائے۔کوئی نوع اگر قدر نصاب نہ ہو مختلط ہو کر بقدر نصاب ہوں تو جو نوع زائد ہوگی اسی سے زکاۃ ادا ہوگی۔بکری بھیڑ کا نصاب چالیس (۴۰) ہے۔گائے،بھینس کا تیس (۳۰)،اور اونٹ کا پانچ (۵) ہے۔

ہندیہ میں ہے:

"الباب الثاني في صدقة السوائم تجب الزكاة في ذكورها وأناثها ومختلطهما۔ والسائمة وهي التي تسام في البرايرى لقصد الدر والنسل والزيادة في الثمن والسمن، كذا في محيط السرخسي۔"(۱)

دوسرا باب چرنے والے مویشیوں کی زکاۃ کے بیان میں،سائمہ چوپایوں،مذکر و مؤنث اور ان دونوں کے اختلاط پر زکاۃ ہے،اور سائمہ وہ چوپائے ہوتے ہیں جو جنگل میں چریں،اور ان سے مقصد دودھ،نسل،ثمن میں اضافہ اور گھی کا حصول ہو،محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔(مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

"الجاموس هو نوع من البقر كما في المغرب۔فهو مثل البقر في الزكاة والأضحية والربا،ويكمل به نصاب البقر،وتوخذ الزكاة من أغلبها وعند الاستواء يؤخذ أعلىٰ الأدنىٰ وأدنىٰ الأعلىٰ ۔ نهر،وعلىٰ هذا الحكم البخت.والعراب والضان والمعز. ابن ملك۔هكذا في الفتاوىٰ الرضويه.والله تعالىٰ اعلم"(۲)

بھینس،گائے کی ایک نوع ہے جیسا کہ مغرب میں ہے،لہذا یہ زکاۃ،قربانی اور ربا میں گائے کے حکم میں ہوگی،اس سے گائے کا نصاب مکمل ہو جاتا ہے،اگر گائیں غالب ہوں تو زکاۃ لی جائے گی،اور اگر برابر ہوں تو ان میں جو قسم اعلیٰ ہے اس کا ادنیٰ لیا جائے گا،یا ادنیٰ کا اعلیٰ۔النہر الفائق۔اور اسی کے حکم میں بختی اور عربی اونٹ،بھیڑ اور بکری وغیرہ ہوتے ہیں۔ابن الملک۔یوں ہی فتاویٰ رضویہ میں مذکور ہے۔(مترجم)

---

(۱) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الزكاة،باب فى صدقة السوائم:۱/۲۲۲]

(۲) [رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة باب زكاة البقر:۳/۱۸۸]

نصاب کے بعد پورا سال گزرنے پر زکاۃ ادا کرنا فرض ہے

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ...

(۱) الف: زید کے پاس ۱۰/اگست ۳۶ء کو مبلغ ۴۰ تھے جس پر حولان حول نہیں ہوا تھا۔

(۲) ب: ۱۰/اگست ۳۷ء کو مبلغ ۵۶۴ تھے درمیان سال میں یہ رقم بہ سلسلۂ تجارت کم وبیش

تی رہی۔

(۳) ج: ۱۰/اگست ۳۸ء کو مبلغ ۸۰۳ تھے درمیان سال میں یہ رقم بہ سلسلۂ تجارت کم وبیش ہوتی

ں، اس کی زکاۃ کس حساب سے ادا کی جائے گی، اور سنن ماضیہ کی بھی جو سہواً ادا نہیں کی تھی اب ادا کی

ے یا سال حال کی۔

(۴) الف: عشر جو اوائل اسلام میں منجانب حکومت اسلامیہ وصول کیا جاتا تھا اب بھی مسلمانوں

اجب ہے۔ غلہ کی پیداوار میں سے اور باغات کے پھلوں میں سے کیا دسواں حصہ پہلے نکال لے۔ یا

ں کی تخمینی قیمت مصارف مقررہ میں صرف کردے۔ آم۔ امردو۔ نارنگی وغیرہ کی فصل اکثر فروخت کردی

تی ہے، یوں بھی ان کا صحیح شمار دشوار ہے۔

(۵) ب: بوجہ عدم واقفیت اب تک جو عشر ادا نہیں کیا گیا، اور نہ اب گزشتہ ایام کا ادا کرنا ممکن ہے

ں کے لیے کیا کیا جائے۔

المستفتی از پیلی بھیت حکیم سعید الرحمٰن صاحب ۲۵/ ذی الحجۃ الحرام ۵۷ھ

الجواب

۱۰/اگست ۳۶ء میں جو چالیس روپے ہیں وہ تو قدر نصاب ہی نہیں وہ حاجت اصلیہ سے فارغ

تے اور ان میں حولان حول ہوتا جب بھی زکاۃ واجب نہ ہوتی۔

درمختار میں فرمایا:

”شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه“(۱)

ادائیگی زکاۃ کے فرض ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ مال کی ملکیت پر سال گزرے۔ (مترجم)

---

(۱) [ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الزکاۃ: ۳/۱۷۳]

جس وقت سے رقم قدر نصاب ہوگی اسی وقت سے زکاۃ واجب ہوگی۔ بعد حولان حول حکماً ادا لازم ہوگی۔ درمیان سال کی کمی بیشی کبھی نظر سے ساقط رہے گی، اور کبھی لحاظ کی جاے گی۔ بعد حولان حول اصل ونفع روپیہ اور مال تجارت جو باقی رہا اس سب کا حساب لگایا جاے گا، اس میں ایک دو تین چار جتنے نصاب کامل اور جو کامل سے زائد بقدر خمس ہوں گے تو ایک خمس یا جتنے زائد ہوں ان سب کی زکاۃ دینا ہوگی، اور جو نصاب کامل کے بعد خمس نصاب سے کم زیادت رہے گی، وہ عفور ہے گی۔ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ۔ اور ہر مال تجارت کی قیمت سونے یا چاندی سے کی جاے گی۔ ساڑھے باون تولہ چاندی کے چھپن روپیہ ہوتے ہیں، کہ تولہ بارہ ماشہ کا اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشہ کا ہے۔

جس تاریخ (کو) مالک نصاب ہوا، اس دن سے جس قدر مال بڑھے گا اسی تاریخ سے سال تمام پر کل کی زکاۃ دینا ہوگی، یعنی مثلاً یکم محرم کو چھپن روپیہ کا مالک ہوا، اس کے پاس یہ چھپن روپیہ تھے، پھر ذی الحجہ میں مثلاً ہزار روپیہ اور اس نے پاے تو یہ نہیں کہ یکم محرم کو چھپن ہی روپیہ کی زکاۃ دے گا، اور اس ہزار کی اگلے ذی الحجہ کی اسی تاریخ سال تمام ہونے پر، بلکہ ذی الحجہ کو جو اس چھپن کا سال تمام ہوگا اسی سال میں جو روپیہ بھی پایا ہے وہ اسی نصاب سے ملتا رہے گا، اور کل پر زکاۃ دینا ہوگی، مگر اتنے ہی حصہ کی جو نصاب کامل بنتا رہے گا، پہلے نصاب پر جب حولان حول ہوگا اس پر سال میں جتنا مال مل گیا ہے نصاب پر حولان حول سمجھا جاے گا، زائد مال جو پایا ہے پہلے نصاب سے ملانے میں اس کا لحاظ ضروری رکھا جاے گا، کہ کسی مال پر سال میں دوبارہ زکاۃ لازم نہ ہو، جس مال پر اس نصاب سے ملانے پر دوبارہ زکاۃ لازم آے گی وہ مال نہ ملایا جاے گا، کمی وبیشی کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فتاویٰ سے بعض عبارات لکھتا ہوں، جس سے حکم واضح ہو جاے گا۔

العطایا النبویہ میں ہے: جو شخص مالک نصاب ہے اور ہنوز حولان حول نہ ہوا، کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس سے بذریعہ ہبہ یا میراث یا بشرا یا ء وصیت یا کسی طرح اس کی ملک میں آیا، تو وہ مال بھی اصل نصاب میں شامل کر کے اصل پر سال گزرنا، اس سب پر حولان حول قرار پاے گا۔ یہاں سونا چاندی تو مطلقاً ایک ہی جنس ہیں، خواہ ان کی کوئی چیز ہو، اور مال تجارت بھی انہیں کے جنس سے گنا جاے گا، اگر چہ کسی قسم کا ہو، کہ آخر اس پر زکاۃ یوں ہی آتی ہے، کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر انہیں کے نصاب دیکھی جاتی ہے، تو یہ سب مال زر وسیم ہی کی جنس سے ہیں، اور وسط سال میں حاصل ہوے تو ذہب وفضہ کے ساتھ شامل کر دیئے جائیں گے، بشرطیکہ اس ملانے سے کسی مال پر سال میں

ن یکم محرم ۷ھ کو ۳۰ تولہ سونے کا مالک ہو، اور اس کے سوا جنس زر وسیم سے اور کوئی چیز اس کی ملک نہیں تو
پر ۹ ماشہ سونا زکاۃ میں فرض ہے، کہ سلخ ذی الحجہ ۷ھ کو واجب الادا ہوگا، ہنوز سال تمام نہ ہوا کہ مثلاً یکم
ب کو ایک تولہ اور یکم ذی الحجہ کو دو تولہ سونا اسے اور ملا کہ اب کل ۳۳ تولہ سونا ہوگیا، تو سلخ ذی الحجہ کو اس
عہ کی زکاۃ ۹ ماشہ ساڑھے سات سرخ سونا واجب الادا ہوگا، گویا اس سب پر سال گزر گیا، اگرچہ واقع
اس ایک تولہ کو چھ مہینے اور اس دو تولہ کو ایک ہی مہینہ گزرا ہے، اور اگر اس تولہ بھر کے بعد اور نہ ملا کہ
ل تمام پر صرف ۳۱ تولہ تھا تو وہ ہی ۹ ماشہ واجب رہیں گے، کہ نصاب کے بعد خمس پورا ہونے تک
دت معاف ہے۔

اسی طرح اگر تین تولہ سونا تو نہ ملا مگر مثلاً ۲۶ ذی الحجہ کو اس نے اپنی زمین یا غلہ یا اثاث البیت کے
ن اس قدر مال تجارت خریدا جس کی قیمت تین تولہ سونے تک پہنچتی، تو اگرچہ اسے ملک میں آئے دس
دن گذرے، مگر مجموع ۳۳ تولہ کی زکاۃ واجب ہوگی، ہاں اگر اس کے پاس مثلاً ایک نصاب بکریوں،
ایک دراہم کی تھی۔ اس نے دراہم کی زکاۃ ادا کردی اور ان کے عوض اور بکریاں لیں، ان نئی بکریوں کے
یے آج سے سال شمار کیا جائے گا، اگلی بکریوں سے ضم نہ کریں گے، کہ آخر یہ اسی روپیہ کے بدل ہیں جس
ی زکاۃ اس سال کی بابت ادا ہوچکی، اب اگر انہیں نصاب شاۃ میں ملاتے ہیں تو ایک مال پر ایک سال
ں دوبار زکاۃ لازم آئی جاتی ہے، اور یہ جائز نہیں۔(۱)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"والمستفاد ولو بهبة أو إرث أدخل فيه المفاد بشراء أو ميراث أو وصية اه ش)
سط الحول يضم إلىٰ نصاب من جنسه (مالم يمنع منه مانع وهو الثنى المنفي بقوله
يه الصلاة والسلام لأثنى في الصدقة اه،ش)فيزكيه بحول الأصل،ولو أدى زكاة نقده
م اشترىٰ به سائمة لا تضم(إلىٰ سائمة عنده من جنس السائمة التي اشتراها بذلك
نقد المزكي أي : لا يزكيها عند تمام حول السائمة الأصلية عند الإمام للمانع
مذكور اه،ش بالتلخيص)وفي ش أيضاًأن أحد النقدين يضم إلىٰ الأخر وأن عروض
تجارة تضم إلىٰ النقدين للجنسية باعتبار قيمتها اه،ملخصاً۔"(۲)

---

۱) [فتاویٰ رضویه، کتاب الزکاۃ: ٤/۳۸٦]

۲) [illegible]

سال کے وسط میں جو بھی حاصل شدہ ہو خواہ بہ صورت ہبہ ہو یا شرا یا میراث یا وصیت کی صورت میں ہو اھ ش، اسے ہم جنس نصاب میں شامل کیا جائے گا بشرطے کہ اس میں کوئی مانع نہ ہو اور تکرار زکاۃ ہے، جس کی نفی سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی کہ صدقہ میں تکرار نہیں اھ ش) تو حول اصل کی زکاۃ ادا کی جائے گی، اگر کسی نے نقدی کی زکاۃ ادا کی پھر اس نے سائمہ جانور خریدا تو وہ اسے نہ ملائے (اصلی سائمہ کے ساتھ) جن کو اس نے اس نقدی سے خریدا تھا جس کی زکاۃ ادا کردی گئی، یعنی امام کے نزدیک مانع مذکور کی وجہ سے حول سائمہ اصلیہ کے اختتام پر مذکورہ سائمہ پر زکاۃ نہیں ہوگی۔ اھ ش) بالتلخیص ش، میں یہ بھی ہے کہ دونوں نقدین (سونے اور چاندی) کو ایک دوسری جنسیت کے اعتبار سے ملایا جائے، سامان تجارت کو قیمت کے اعتبار سے نقدین کے ساتھ ملایا جائے۔ اھ ملخصاً۔ (مترجم)

یہ تو بیشی کے متعلق تھا۔ کمی کے متعلق فرماتے ہیں: زکاۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے نہ عفو میں، مثلاً ایک شخص ۸ تولہ سونے کا مالک ہے، تو سوا دو ماشہ سونا کہ اس پر واجب ہوا، وہ صرف [ساڑھے سات ۷] تولہ کے مقابل ہے، نہ پورے ۸ تولہ کے کہ یہ چھ ماشہ جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔ یوں ہی اگر ۱۰ تولہ کا مالک ہو، تو زکاۃ کا صرف ۹ تولہ یعنی نصاب کامل اور ایک نصاب خمس کے مقابل ہے، دسواں تولہ معاف۔

ملتقی الابحر میں ہے:

"الزكاة تتعلق بالنصاب دون العفو. فلو هلك بعد الحول أربعون من ثمانين شاة تجب شاة كاملة اه،ملخصاً"(۱)

زکاۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے، نہ عفو میں، لہٰذا اگر سال گزرنے کے بعد اسّی بکریوں سے چالیس بکریاں مر جائیں تو پوری چالیس بکریوں میں زکاۃ واجب ہوگی۔ اھ ملخصا۔ (مترجم)

درمختار میں ہے:

"لا في عفو وهو ما بين النصب في كل الأموال"(۲)

عفو میں زکاۃ نہیں اور یہ ہر حال میں وہ مقدار وحصہ ہے جو نصابوں کے درمیان ہوتا ہے۔

(مترجم)

---

(۱) [ملتقی الأبحر: کتاب الزکاۃ۔فصل فی زکاۃ الخیل: ۱/ ۲۰۴.]

پس اگر نقصان مقدار عفو سے تجاوز نہ کرے یعنی اسی قدر مال کم ہو جائے جتنا عفو تھا، مثال اول
ں چھ ماشہ اور دوم میں ایک تولہ جب تو اصلا قابل لحاظ نہیں، کہ اس قدر پر تو پہلے بھی زکاۃ نہ تھی، کل واجب
نابلہ مال باقی تھا وہ اب بھی باقی ہے، تو زکاۃ اسی قدر واجب اور کمی نظر سے ساقط۔ کما مثلہ لہ في
منتقي. اور اگر مقدار عفو سے متجاوز ہو یعنی اس کے باعث کسی نصاب میں نقصان آئے خواہ یوں کہ مال
ں جس قدر عفو تھا نقصان اس سے زائد کا ہوا، جیسے امثلہ مذکورہ میں ۲ تولہ یا یوں کہ ابتداً مال صرف مقادیر
اب پر تھا عفو سرے سے تھا ہی نہیں، جیسے ۱۵ یا ۳۰ یا ۱۵۰ تولہ سونا کہ اس میں سے رتی چاول جو کچھ گھٹے
سی نہ کسی نصاب میں کمی کرے گا، ایسا نقصان دو حال سے خالی نہیں، یا حولان حول سے پہلے ہے یا بعد،
قدیر اول دو حال سے خالی نہیں یا تو سال تمام پر رقم نصاب ہائے پیشیں پھر پوری ہوگئی یا نہیں، اگر پوری
ئی تو یہ نقصان بھی اصلاً نقصان نہ ٹھہرے گا، اور اس مجموع رقم پر حولان حول سمجھا جائے گا۔

مثلاً ایک شخص کیم محرم ۷ھ کو ۱۵ تولہ سونے کا مالک تھا، بعدہ اس میں سے کسی قدر قلیل خواہ
ثیر ضائع ہو گیا، یا صرف کر دیا، یا کسی کو دے ڈالا اور تھوڑا سا اگرچہ بہت ضعیف باقی رہا، پھر جس قدر کم
لیا تھا سلخ ذی الحجہ ۷ھ سے پیشتر اگرچہ ایک ہی دن پہلے آ گیا، تو پورے ۱۵ تولہ یعنی دو نصاب کامل کی
اۃ دینا ہوگی کہ ایک مثقال سونا ہے، یوں ہی اگر مثلاً ۸ تولہ سونے کا مالک ہے اور وسط میں تولہ بھر گھٹ گیا
نصاب بھی پوری نہ رہی ختم سال سے پہلے چھ سات ماشہ مل گیا تو وہی زکاۃ تمام وکمال لازم آئے گی، کہ
ماشہ جو عفو تھا جس طرح اس کے ہلاک کا اعتبار نہیں، یوں ہی بعد ہلاک اس کا عود در کار نہیں۔ صرف اس
رچاہیے کہ شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہوا تھا ختم سال پر وہ نصابیں پوری ہوں۔ تو
ں قدر زکاۃ کا وجوب بحال استمرار ہوتا اسی قدر پوری واجب ہوگی، اور نقصان درمیانی پر نظر نہ کی جائے
ا، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے، سب بالکل فنا نہ ہو جائے، ورنہ ملک اول سے
سال جاتا رہے گا، اور جس دن ملک جدید ہوگی اس دن سے حساب کیا جائے گا۔ اور اگر یہ نقصان مستمر
یعنی ختم سال پر وہ نصابیں پوری نہ ہوئیں، تو اس وقت جس قدر موجود ہے اتنے کی زکاۃ واجب
ل، اور وہی احکام حساب نصاب ولحاظ عفو کے اس قدر موجود پر جاری ہوں گے، جو جاتا رہا، گویا تھا ہی
ں، کہ حولان حول اسی مقدار پر ہوا، حتی کہ اگر یہ مقدار نصاب سے بھی کم ہے تو زکاۃ رأساً ساقط۔

اور تقدیر ثانی تین حال سے خالی نہیں، کہ سبب کمی استہلاک ہوگا یا تصدق یا ہلاک۔ استہلاک
، یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اس رقم سے کچھ اتلاف کیا۔ صرف کر ڈالا یا پھینک دیا یا کسی غنی کو ہبہ

کے فعل کے ضائع وتلف ہوگیا،مثلاً چوری ہوگئی یا کسی کو قرض وعاریت دیئے ،وہ مکر گیا اور گواہ نہیں الخ،صورت استہلاک میں زکاۃ سے ایک حبہ نہ گھٹے گا۔صورت تصدق میں اگر نذر یا کفارہ یا کسی اور صدقۂ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثل استہلاک ہے۔اور اگر تطوع یا مطلق تصدق کی نیت کی تھی اور سب تصدق کر دے تو بالاتفاق زکاۃ ساقط ہوگئی۔اور بعض تصدق کرے تو امام محمد کے نزدیک جس قدر صدقہ کیا اس کی زکاۃ ساقط باقی کی لازم،مگر امام ابو یوسف کے نزدیک بعض کا تصدق مطلقاً استہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو،اصلاً زکاۃ سے کچھ نہ گھٹے گا،یہ مذہب زیادہ قوی ومقبول وشایان شان قبول ہے۔صورت ثالثہ یعنی ہلاک اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحساب اربعہ متناسبہ اتنے کی زکاۃ ساقط ہوگی،اور جتنا باقی رہے،اگرچہ نصاب سے بھی کم اتنے کی زکاۃ باقی۔(العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ)

ہر سال میں جو نقد روپیہ حاجات اصلیہ سے فارغ رہا اور اس پر حولان حول ہوا،اور جو مال تجارت باقی رہا اس سب سے جس قدر نصاب کامل اور خمس نصاب ہوں،ان کا حساب کر کے زکاۃ دینا ہوگی،اگر کچھ مقدار عفو کی ہو اس پر زکاۃ نہ ہوگی،پچھلے برسوں کا حساب لگائیں ہر سال میں جو زکاۃ واجب ہوئی اور نہ دی اگلے سال مال سے اتنی مقدار کم کر کے باقی پر زکاۃ کا حساب کرتے جائیں،ہر برس کی زکاۃ کا حساب لگا کر سب ادا کریں اور اگر سب کی ادا کی اس وقت وسعت نہ ہو تو جتنے کی وسعت ہو پچھلے میں دیں۔

(۲) اب بھی واجب ہے۔جس قدر غلہ یا پھل ہوں ان کا پورا عشر علاحدہ کرے،یا اس کی پوری قیمت دے۔جو فصل فروخت کی اس میں یہ تفصیل ہے۔توبہ کرے اور اس دین الٰہی کی ادا کا ارادہ رکھے،اور جس قدر کی ادا پر قدرت پاتا جائے ادا کرتا رہے۔

عشر قرض دار پر بھی واجب ہے

مسئلہ: (۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

کیا عشر قرض دار پر بھی فرض ہے،حضرت مفتی اعظم سے زبانی معلوم کیا گیا تھا،ارشاد فرمایا کہ عشر قرض دار پر واجب نہیں،اور حضرت مفتی محمد حسین صاحب سنبھلی سے معلوم کیا گیا تو موصوف نے بہار

الجواب

زمین سے جو کچھ پیدا ہو اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہے، حضرت مفتی اعظم ہند نے زکوۃ کے ے میں فرمایا ہوگا، ہو سکتا ہے کہ سائل نے اسے عشر خیال کیا ہو، بہار شریعت کا مسئلہ صحیح ہے۔ واللہ الیٰ اعلم

کتبہ محمد طاہر حسین غفرلہ

الجواب صحیح: واللہ تعالیٰ اعلم

مجھے یاد نہیں۔ اگر عشر کا سوال تھا میں نے زکوۃ کا سوال سمجھ کر جواب دیا، جب تو میری سمجھ میں جو ال آیا اس کا جواب دیا، اور اگر عشر کا سوال سمجھ کر وہ جواب دیا تو وہ عشر کا جواب نہیں، عشر کا یہی جواب ہے اس میں لکھا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہ

صدقہ فطر کا بیان

مسئلہ: (۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

صدقۂ فطر کس کس شخص پر واجب ہے، زید کا قول ہے کہ غریب و مالدار سب پر ہی صدقۂ فطر جب ہے، اس میں نصاب وغیر نصاب کا کوئی امتیاز نہیں ہے، لہذا گزارش ہے کہ جواب عنایت فرمائیں بن کرم ہوگا۔

محمد جمال الدین رضوی موضع کیلاری ڈاک خانہ مڑیا احمد نگر بریلی

الجواب

صدقۂ فطر مسلمان آزاد مالک نصاب پر جو حاجت اصلیہ سے فارغ ہو واجب ہے، اس میں قل، بالغ اور مال نامی ہونے کی شرط نہیں، مرد مالک نصاب پر اپنی طرف سے اور اپنے چھوٹے بچے کی رف سے واجب ہے، جب کہ بچہ خود مالک نصاب نہ ہو ورنہ اس کا صدقہ اس کے مال سے ادا کیا ائے۔ (بہار شریعت حصہ پنجم) اس سے ظاہر ہے کہ غریب غیر صاحب نصاب پر صدقۂ فطر نہیں۔ زید کا ل غلط اور شریعت مطہرہ پر زیادت ہے۔ والعیاذ باللہ وھو تعالیٰ أعلم۔ وہ توبہ کرے آئندہ ایسی رکت نہ کرے۔ کتبہ: محمد طاہر حسین پورنوی غفرلہ

بے علم فتویٰ دینا ملعون ملائکہ سماوات وارض ہے۔

حدیث میں ہے:((من أفتیٰ بغیر علم لعنته ملائکة السموات والأرض))(۱)

اپنے جی سے فتویٰ دینا موجب لعنت ہے اگرچہ وہ جو کہا صحیح کہا، اور جو غلط کہا کس درجہ اشد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

کتاب الصوم

ابواب

(۱) رویت ہلال

رویت ہلال کا بیان

آقائے نعمت تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند صاحب دامت برکاتہم العالیہ السلام علیکم مزاج ہمایوں بخیر باد

(۱) مسئلہ:

مندرجہ ذیل مسائل میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے، مع حوالہ کے ارشاد فرمانے کی عنایت فرمادیں تاکہ اختلاف دور ہو جائے،

چاند کے بارے میں آل انڈیا ریڈیو نے جامع مسجد دہلی کے پیش امام کے اور دیگر مقامات کے پیش امام کے حوالہ سے اعلان کیا کہ چاند نظر آ گیا، اس اعلان پر روزہ رکھنے یا توڑنے اور عید کرنے کے لیے اعتبار کر کے عمل کیا جا سکتا ہے، اگر کچھ لوگوں نے ریڈیو کے اعلان پر اعتبار کر کے روزہ توڑ دیا اور عید کر لیا مگر چاند قرب وجوار کے موضع میں کہیں نظر نہیں آیا، مگر کچھ لوگوں نے اس طرح کے اعلان کو کوئی اہمیت نہیں دی، اور اس دن روزہ رکھا اور دوسرے دن عید کیا۔ ان دونوں گروہوں میں کون حق پر ہے، اور کس کی عید صحیح ہوئی۔ اور جس کی عید صحیح نہیں ہوئی ان کے لیے شریعت مطہر میں کیا مواخذہ ہے؟۔

سائل محمد عثمان غنی موضع مووارہ پرتاب گڑھ ۱۵/ اکتوبر ۱۹۷۲ء

الجواب

ریڈیو کی خبر محض خبر ہے، کسی کے حوالے سے خبر نشر ہو۔ ریڈیو کی حالت تو ٹیلیفون سے بھی ردی ہے، ٹیلیفون کا یہ حکم ہے کہ ٹیلیفون دینے والا اگر سننے والے کے پیش نظر نہ ہو تو امور شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگر چہ آواز پہچانی جائے کہ آواز سے آواز مشابہ ہوتی ہے، اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی، اور اگر کسی بات کا اقرار کرلے تو سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں، ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے رو برو اور آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو اور ٹیلیفون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی ہو کہ

ل، مثلاً خود اپنی رویت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ قبول الشہادت ہے، لیکن اتنی بات کہ
ں جگہ رویت ہوئی اور زیادہ مہمل کی حکایت ہے۔

تبین الحقائق پھر فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

ولو سمع من وراء الحجاب لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره، إذ
غمة تشبه النغمة،إلا إذا كان في الداخل وحده،ودخل وعلم الشاهد أنه ليس فيه
ـره، ثـم جـلس على المسلك وليس له مسلك غيره فسمع إقرار الداخل ولا يراه؛
نه يحصل به العلم وينبغي للقاضي إن فسرلها أن لا يقبله۔(١)

اگر کسی نے پردے کے پیچھے سے آواز سنی تو اسے اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں، کیونکہ
اں کسی دوسرے کا بھی احتمال ہے،اس لیے کہ ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوسکتی ہے،البتہ جب
ں پردہ کوئی ایک ہی شخص ہواور گواہ نے وہاں جا کر دیکھ لیا کہ کوئی دوسرا نہیں۔ پھر وہ گواہ راستہ پر بیٹھا جب
ہ اس کے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں، پھر اندر کے شخص کا اقرار سنتا مگر دیکھتا نہیں تو اب گواہی قبول ہے،
ں لیے کہ اس صورت میں اس کو یقین حاصل ہوگا۔اور گواہ اگر پردے والے کی بات کی از خود تفسیر کرنے
لگے تو اب قاضی اس کی اس وضاحت کو قبول نہ کرے۔

ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے:

كان الفقيه ابو الليث يقول :اذا أقرت المرأ ة من وراء الحجاب وشهد عنده
ـنـان أنهـا فـلانة لايـجـوز عـن سـمـع إقرارهـا أن يشهد على إقرارها إلا اذارأى
ـخـصـهـا يعنى حال ما أقرت فحينئذٍ يجوز له أن يشهد على إقرارها لشرط روية
خصها لاروية وجهها ۔(٢)

حضرت فقیہ ابو اللیث فرماتے تھے کہ کسی عورت نے پردے کے پیچھے سے کسی چیز کا اقرار کیا اور
ضی کے پاس دو گواہوں نے گواہی دی کہ وہ فلاں عورت ہے تو عورت کے اقرار کو سن کر اس کے اقرار کی
گواہی درست نہیں، ہاں اقرار کے وقت اس اس کی ذات اور شخصیت کو دیکھا تو اب اس کے اقرار کی گواہی
ائز ہے کہ شرط اس کو دیکھنا تھا نہ کہ اس کے چہرے کو۔

---

١) [الفتاوى الهنديه : البا ب الثاني في تحمل الشهادة ـ ٣/٤٥٢]

درمختار میں ہے:

شهدوا أنه شهد عند قاضي مصر كذا شاهد ان برؤية الهلال في ليلة كذا وقضى القاضي به ووجد استجماع شرائط الدعوىٰ جاز لهذا القاضي أن يحكم بشهادتهما؛ لأن قضاء القاضي حجة وقد شهدوا به۔ لالو شهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية۔(۱)

چند لوگوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ فلاں شب چاند دیکھا، پھر قاضی نے اس پر فیصلہ بھی کر دیا تو دعوے کے تمام شرائط موجود ہونے کی وجہ سے اس قاضی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ان دو گواہوں کی گواہی پر فیصلہ سنا دے، اس لیے کہ قاضی کا فیصلہ حجت ہے اور اس پر شہادت قائم ہو چکی۔ البتہ ان دونوں نے اپنے علاوہ دوسروں کی رویت کی گواہی دی تو فیصلہ سنانے کی اجازت نہیں کہ یہ حکایت ہے۔

جب ٹیلیفون کی خبر امور شرعیہ میں نامعتبر ہے، تو ریڈیو کی خبر کیوں کر معتبر ہوگی۔ جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑا، عید منائی، انھوں نے چند طرح گناہ کا ارتکاب کیا، طرح طرح گنہ گار ہوئے، توبہ کریں، جنھوں نے ریڈیو کی خبر کو ثبوت رویت ہلال کے لیے نامعتبر سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا انھوں نے ٹھیک کیا، ان کا یہ عمل مطابق شرع ہوا، تفصیل کے لیے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم کتاب الصوم کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ محمد طاہر حسین پورنوی رضوی دارالافتا بریلی شریف ۸/رمضان المبارک ۹۲ھ

الجواب صحیح :

حدیث میں فرمایا ہے:

((صوموا لرويته وافطروا لرويته، فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين۔))(۲)

أو كما قال عليه الصلوة والسلام۔

چاند دیکھ کر روزہ رکھو، چاند دیکھ کر عید کرو، پھر اگر تم پر بدلی چھا جائے (چاند کی رویت نہ ہو سکے)

---

(۱) [الدر المختار، كتاب الصوم: ۳/۳۲۰] اھ وتمام تحقيقه في "الفتاوىٰ الرضوية"

ں کی گنتی پوری کرو۔ (مترجم)

رویت اپنی ہو یا دوسروں کی جو بطریق شرعی بات ہو۔ ریڈیو کی خبر شہادت شرعی نہیں، جنھوں نے
کے اعتبار پر روزہ توڑا یا عید کی، گنہ گار ہوئے اگرچہ وہ روز، روز عید ہی ثابت ہو، یا رمضان کا دن۔ مگر
تک ان لوگوں کو بہ طریق شرعی ثابت نہ ہوا تھا انھیں از خود اس دن کو رمضان یا عید کا دن مان لینا جائز
تھا۔ واللہ تعالیٰ ھو الھادي وھو تعالیٰ اعلم

فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہ ۹ر رمضان المبارک ۹۲ھ

(۲) روزہ

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

۱) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

دیگر احوال یہ ہیں کہ ہم ایک مسئلہ حل کرانا چاہتے ہیں، کہ رمضان میں انجکشن لگوانے سے روزہ
ہتا ہے، یا ٹوٹ جاتا ہے، اس کا جواب بہت جلد دے کر زحمت گوارا کریں، آپ کی بڑی مہربانی
گی، دعوت اخبار نے لکھا ہے کہ انجکشن لگوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے، لیکن دوا، یا کوئی بھی چیز معدے اور
اغ میں نہیں جانی چاہیے، آپ اس کا پورا خلاصہ کر کے جلد از جلد جواب دیں۔ عبدالرشید

الجواب

الجواب بعون الملک الوہاب: روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا مکروہ ہے، روزہ فاسد نہیں
ہتا، بلاضرورت شدیدہ نہیں چاہیے۔ کتبہ: محمد رفیق قادری، ۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ

فی الواقع انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیوں کہ انجکشن سے دوا جوف میں نہیں جاتی، انجکشن
یسا ہی ہے جیسے سانپ کاٹے، بچھو کاٹے، جیسے ان کے دانت، یا ڈنک جوف میں نہیں جاتے، اور روزہ
اسد نہیں ہوتا، یوں ہی انجکشن، انجکشن کی دوا میں اسپریٹ الکحل ہو تو اس کا استعمال حرام ہے، اگر دوا پاک
صاف ہو تو اس کا استعمال جائز ہے، دوا پاک کر کے لگائے، لگائے تو اسپرٹ وہاں نہ ملے۔ واللہ تعالیٰ

۱۰ فقیر مصطفےٰ رضا قادری غفرلہ

(۳) مسائل

ماہ رمضان وروزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسائل ضروریہ رمضان المبارک اور روزے کی فضیلت

یہ ماہ مبارک بڑی برکت اور بہت فضیلت والا ہے، مبارک وہ جو اس کی خیر و برکت حاصل کرے، اور محروم اور پورا محروم وہ ہے جو اس سے محروم رہے، اللہ ورسول کا بہت محبوب ماہ ہے، اس کے بیان فضیلت کو یہ بس ہے کہ اس میں سرچشمۂ فضائل و برکات قرآن نازل ہوا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ أُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ.﴾(۱)

ماہ رمضان وہ جس میں اتارا گیا قرآن۔

احادیث اس کے فضائل سے گونج رہی ہیں۔ اس میں آسمان جنت ورحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔ اس ماہ میں مسلمان کی موت شہادت ہے۔ اس ماہ میں مستحب کا ثواب اور ماہ کے فرض جیسا اور فرض ایسا جیسے اور دنوں کے ستر فرض۔ اس میں ایک رات ایسی ہے جو بہ فرمان قرآن ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ روزہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ روزہ کا ثواب بے حساب ہے۔ روزہ دار کی دعا بوقت افطار رد نہیں ہوتی۔ اور روزہ دار کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ جنت کا ایک دروازہ ریان روزہ دار ہی کے لیے ہے۔ بے عذر رمضان میں علی الاعلان کھانے پینے والے کے لیے حاکم اسلام کو قتل کا حکم ہے۔

آہ! آج کتنے بے غیرت لوگ بر سر بازار رمضان کی حرمت کو پامال کرتے ہیں۔

چاند کی رویت

شعبان سے ذوالحجہ تک ان پانچ ماہ کا چاند دیکھنا واجب کفایہ ہے، چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰھم اَھِلَّہٗ علَینَا بِالْخیرِ والیُمنِ والاِیمانِ والسَّلَامۃِ والاِسلام والتوفِیق
لما تُحِبُّ وتَرضٰی۔

۲۹؍شعبان کو چاند دیکھیں، نظر آئے تو روزہ رکھیں، ورنہ تیس دن پورے کریں، یوں ہی ۲۹؍
رمضان کو ورنہ تیس دن پورے کر کے عید کریں، مطلع صاف نہ ہو تو جنھیں چاند نظر آئے ان پر ادائے
شہادت کہ میں نے اس ماہ کا آج چاند دیکھا لازم، جہاں ایسا کوئی نہ ہو جس کے حضور شہادت دیں تو وہاں
کے مسلمانوں کو جمع کر کے شہادت دیں، پھر مسلمان اس شہادت کو مان کر عمل کریں۔ عورت اگرچہ پردہ
نشین ہو شہادت کو حاکم اسلام کے یہاں حاضر ہو۔ خط، تار، اشتہار، اخبار، ٹیلیفون، ریڈیو سب بیکار۔ افواہ
بازار یا دو چار کا کہیں سے آکر کہہ دینا کہ فلاں جگہ چاند ہوا ہے، سب ناقابل اعتبار۔ رویت درکار ورنہ
شہادت شرعیہ پر مدار۔ مسلمان احکام شرعیہ پر چلیں اور اپنے قیاسات کو دخل نہ دیں۔ جب قوانین شرعیہ پر
رمضان کا ہونا ثابت ہو تو روزہ رکھیں۔ جب شوال ہونا ثابت ہو عید کریں۔

روزہ کی حقیقت

دل، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان سب کا روزہ ہے۔ نہ کہ منھ بند رہے اور اعضا گناہوں میں
مشغول، امساک نفس از عصیان (نفس کو گناہوں سے روکنا) یہ روزہ تو ہر روز ہر آن کا ہے، رمضان میں
اس کے ساتھ دن بھر کھانے پینے جماع سے (نفس کو) روکنا حقیقی روزہ ہے، خدا کی رحمت کے قربان کہ
فرض محض اتنے سے ادا ہو جاتا ہے کہ نفس کو حرام امور سے روکے، مگر جیسے نماز بے خضوع وخشوع بے روح
ہے، یوں ہی ایسا روزہ کہ منھ بند ھا اور اعضا گناہوں میں مشغول۔

روزہ کی نیت

نیت کا وقت غروب آفتاب سے ضحوہ کبریٰ تک ہے، ہر روزہ کے لیے ہر روز نیت لازم ہے۔ نیت
زبان سے بہتر ہے۔ الفاظ نیت شب سے کرے تو کہے:

نَوَیتُ اَنْ اَصُومَ غدًا لِلّٰہِ تَعالیٰ مِنْ فَرضِ رَمَضَان ھٰذا۔

میں نے نیت کی کہ اس رمضان کا فرض روزہ کل رکھوں گا اللہ تعالیٰ کے لیے۔

اور دن میں نیت کرے تو یوں کہے:

نَوَیتُ اَنْ اَصُومَ ھٰذا الیَومَ لِلّٰہِ۔

یعنی صبح صادق سے نہ صرف اس وقت سے۔ نیت کر کے سو گیا پھر شب میں اٹھ کر کھایا پیا تو پہلی نیت کافی ہے جدید کی حاجت نہیں۔ سحری نیت ہے، جب کہ کھاتے وقت یہ ارادہ نہ ہو کہ روزہ نہ رکھوں گا۔

سحری

سحری کا وقت صبح صادق تک ہے۔ سحری کھانا سنت و موجب برکت ہے، تاخیر سحری سنت ہے، مگر اتنی نہ ہو کہ شک ہو جائے۔ سحری کھا کر یہ الفاظ: نویت ان اصوم غدا للہ تعالیٰ من فرض رمضان ھذا۔ کہنا مستحب ہیں، سحری ضرور کی جائے، اگر چہ ایک چلو پانی ہی میسر ہو۔ صبح کو شب کا مطلقا چھٹا یا ساتواں حصہ سمجھنا محض غلط ہے، عام جنتریوں میں صبح سے بہت پہلے منتہائے سحری لکھ دیتے ہیں، اور یہ خلاف سنت ہے۔

افطار

افطار میں جلدی سنت و موجب برکت ہے، غروب کا غالب گمان ہونے پر افطار کر لیا جائے۔ ابر میں جلدی نہ کی جائے۔ نماز سے پہلے افطار کریں، کھجور، چھوارے، یہ نہ ہوں تو پانی سے، ان تینوں سے درست ہے۔ کھانے میں مشغول ہو کر نماز میں تاخیر نہ کریں۔ مرد جماعت کھانے کی وجہ سے نہ چھوڑیں۔ آج کل بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں۔

وقت افطار یہ دعا پڑھیں:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ فَاغْفِرْلِيْ مَاقَدَّمْتُ وَمَااَخَّرْتُ۔

تراویح

۲۰ رکعت ہر شب میں سنت مؤکدہ ہیں، ہر غیر معذور مرد و عورت کے لیے، مرد کے لیے جماعت بھی سنت مؤکدہ کفایہ ہے، اور مسجد میں جو فضیلت ہے گھر میں جماعت کی وہ فضیلت نہیں۔ نیت سنت تراویح کریں یا قیام اللیل یا سنت وقت کی، مطلق صلاۃ کی نیت نہ کریں، تراویح کا وقت فرض عشا کے بعد سے صبح صادق تک ہے، قبل وتر پڑھیں یا بعد وتر مگر خلاف سے بچنے کو پہلے ہی پڑھیں۔ ہر چار رکعت کے بعد چار رکعت کی قدر استراحت مستحب ہے۔ اسی عرصہ میں تین بار پڑھیں:

سُبْحٰنَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوت . سبحٰن ذي العزة والعظمة والهيبة والقدرة

دوس ربنا ورب الملائکۃ والروح ۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ ۔
ستغفر اللہ ۔اللھم نسئلک الجنۃ ونعوذ بک من النار۔

چاہیں تو صرف کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھیں، یا سبحٰن اللہ ، سبحٰن اللہ کہتے رہیں۔ قیام قدرت رکھنے والا بیٹھ کر نہ پڑھے، کمزور شخص جس قدر کھڑے ہوکر ادا کرسکے کھڑے ہوکر پڑھے۔ جس نے فرض جماعت سے نہ پڑھے وہ تراویح جماعت سے پڑھ لے، وتر تنہا پڑھے۔ تراویح کی قضا نہیں کہ وسری شب میں آج کی پڑھ لیں گے۔

ختم قرآن کریم

تراویح میں ایک بار سنت مؤکدہ ہے، دوبارہ فضیلت، سہ بارہ افضل۔ تلاوت قرآن پاک پر جرت لینا دینا حرام ہے۔ حافظ بے اجرت نہ مل سکے، تو اس سے وقت مقرر کرکے وقت کی اجرت ٹھہرالیں رصاف کہہ دیں کہ ختم قرآن کی کوئی اجرت نہ ہوگی، پھر اسے بطور انعام جو چاہیں دیں۔ داڑھی منڈانے لے یا حد شرع سے کم کرنے والے فاسق ہیں، ان کو امام نہ بنایا جائے۔ مسافر کو روزہ افضل ہے، مگر جب لہ اس سے بہت گرانی اور تکان لاحق ہو، یوں ہی مریض، جب کہ اس کا مرض اس سے بڑھے، یا دیر پا ، نابالغ کے پیچھے تراویح جائز نہیں۔

اعتکاف

اکیسویں شب سے چاند رات تک پچھلے عشرہ کا اعتکاف مسجد میں سنت کفایہ ہے، کہ شہر میں کوئی نہ رے تو سب ملزم ٹھریں گے۔

مفسدات

قصداً اگر روزہ یاد ہوتے ہوئے کھایا پیا، جماع کیا، بھول کر کھا پی رہا تھا، روزہ یاد آنے پر سحری ھاتا رہا اور صبح صادق ہونے پر منہ کا نوالہ یا گھونٹ نگل گیا تو روزہ جاتا رہا، قضا و کفارہ دونوں واجب وگئے۔ کلی کرنے میں پانی حلق کے نیچے اتر گیا، ناک میں پانی ڈالنے میں دماغ پر چڑ گیا، قصداً منہ بھر ھانے یا پت یا خون کی قے کی، منہ بھرتے خود آئی اور چنے برابر یا زیادہ نگل لی، چنے برابر یا زیادہ کھانا نتوں میں اٹکا تھا نگل گیا، ناک میں دوا سڑک لی، کان میں دوا یا تیل ڈالا، حقنہ لیا، صبح صادق کے قریب یا بھول

تھوک دے حلق تک نہ جائے، ان تمام صورتوں میں اگر روزہ دار ہونا یاد ہے، تو روزہ ٹوٹ گیا اور قضا واجب ہوگئی کفارہ نہیں۔ جن کا روزہ فاسد ہو جائے ان پر، حیض ونفاس والی پر جب دن میں پاک ہوں، نابالغ پر جب دن میں بالغ ہو، مسافر جب دن میں مقیم ہو، واجب ہے کہ پورے دن روزہ دار کی طرح رہیں۔

مکروہات

جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ، کوسنا، ناحق ایذا دینا، بے ہودہ وفضول بکنا، چیخنا چلانا، شطرنج، جوا، تاش، وغیرہ کوئی ناجائز کھیل کھیلنا، یا کوئی تماشہ دیکھنا، مباشرت فاحشہ عورت کا ہونٹ یا زبان چوسنا، اگر انزال یا جماع میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو عورت کا بوسہ لینا، یا چھونا، یا کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ، پانی میں ریاح خارج کرنا، پچھنے لگوانا، بے عذر کسی چیز کا چکھنا چبانا، نیچے خوب زور دیکر استنجا کرنا، انجکشن لگوانا ضعف کے اندیشے کی حالت میں فصد کھلوانا۔ بے عذر کسی چیز کے چکھنے یا چبانے سے مراد ہے یہ کہ حلق کے نیچے نہ جائے۔ شوہر یا آقا کی بدمزاجی کی وجہ سے نمک چکھنے یا چھوٹے بچے کو کھلانے کے لیے جب کہ غیر روزہ دار موجود نہ ہو، یا نرم غذا نہ ہو تو کراہت نہیں، افطار کے وقت کھینچ کر حقہ پینا کہ حواس میں فتور آجائے حرام ہے، ایسا کام کرنا جائز نہیں جس سے اتنی کمزوری ہو جائے کہ روزہ توڑنا پڑے، بگمان غالب معمار مزدور وغیرہ اتنا ہی کام کریں کہ روزہ رکھ سکیں، بھول کر کھانے پینے جماع کرنے، از خود قے ہو جانے، یا منہ بھر سے کم کرنے یا قے کے از خود لوٹ جانے، یا بلغم کی قے ہونے، خوشبو سونگھنے، سر یا بدن پر تیل ملنے، سرمہ لگانے، یا آنکھ میں دوا ڈالنے، مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں، مسواک کرنا روزے میں بھی سنت ہے۔

روزہ نہ رکھنے کے شرعی عذر

سفر شرعی، مرض بڑھنا، یا دودھ پلانا، حمل، خوف واکراہ ونقصان عقل وجہاد۔ ایسا بوڑھا کہ روز بروز کمزور ہو، نہ اب رکھنے پر قادر نہ بظاہر آئندہ قادر ہو سکے گا، ہر روزہ کے بدلے فدیہ دے، اگر گرمیوں میں نہ رکھ سکتا ہو تو اب افطار کرے، جاڑوں میں روزہ رکھے، فدیہ دیتا رہا، پھر قادر ہو گیا تو قضا لازم، فدیہ صدقہ نفل ہو گیا۔

روزہ کا فدیہ

ہر روزہ کے بدلے ہر روز دونوں وقت مسکین کو پیٹ بھر کھانا کھلانا، یا صدقہ فطر کی مقدار مسکین کو دینا۔

روزہ کا کفارہ

باندی غلام آزاد کرنا (یہ یہاں کہاں) یہ نہیں تو پے در پے ساٹھ روزے رکھنا، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

صدقہ فطر

مالک نصاب پر واجب ہے کہ اپنے اور اپنے بچوں کی طرف سے بریلی کی پکی تول سو کے سیر سے گیہوں پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر مسکین کو دے، یا جو ساڑھے تین سیر ایک روپیہ بھر، قیمت بھی دے سکتا ہے اور یہی احسن ہے۔ جدید تول سے گیہوں ۲ر کلو ۴۵ر گرام اور جو ۴ر کلو ۹۰ر گرام ہے۔

روز شک

اگر ۲۹ر شعبان کو بوجہ ابر و غبار رویت نہ ہو تو اگلے دن ۳۰ر شعبان ہی سمجھی جائے۔ جب تک کہ ثبوت شرعی سے رویت ہلال ثابت نہ ہو تمام لوگ ضحوہ کبریٰ یعنی زوال تک بے نیت روزہ مثل روزہ دار رہیں، اگر ضحوہ کبریٰ سے پہلے شرعا رویت ثابت ہو جائے تو رمضان کے روزہ کی نیت کرلیں ورنہ کھا پی لیں، اور اس کے بعد رویت ثابت ہوا گرچہ بعد رمضان تو بعد رمضان ایک روزہ رکھیں۔ خواص اس دن خالی نفل کی نیت سے روزہ رکھیں، یہ وہم بھی نہ لائیں کہ اگر آج رمضان ہے تو ہمارا یہ روزہ فرض ہے، نرے نفل کا قصد ہو۔ اگر ثبوت صحیح شرعی سے اس کا روزہ ثابت ہو جائے تو یہ روزہ خود ہی رمضان میں محسوب ہوگا۔

ترکیب نماز عید الفطر

پہلے یوں نیت کرے: نیت کی میں نے دو رکعت نماز عید الفطر واجب کی، چھ زائد تکبیروں کے ساتھ، اس امام کے پیچھے، کعبہ شریف کی طرف منہ کرکے، واسطے اللہ تعالیٰ کے، پھر کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر پڑھ کر ہاتھ باندھ لے اور ثنا پڑھے، پھر دو مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دے، پھر تیسری بار ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھ لے اور بطریق معہود ایک رکعت پڑھے۔ دوسری رکعت میں بعد قرأت قبل رکوع تین مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جاکر تکبیر کہتا ہوا چھوڑ دے اور چوتھی مرتبہ کانوں تک ہاتھ لے جائے بغیر تکبیر کہہ کر رکوع کرے اور حسب دستور نماز پوری کرے۔ نماز کے بعد امام خطبہ پڑھے، تمام مقتدی سنیں اور خاموش رہیں، خواہ خطیب کی آواز پہنچے یا نہ پہنچے۔ بعد خطبہ دعا مانگیں۔ سلام و مصافحہ و معانقہ کریں۔

(۴) قضا

روزہ کا بیان

کسی دوا کے استعمال میں بے احتیاطی سے روزہ جاتا رہا تو قضا ہے کفارہ نہیں

(۳) **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ....

رمضان شریف میں ایک عورت بیمار تھی ،نسائی مرض کی تکلیف میں۔روزے تو رکھے۔پیٹ میں ورم شدید تھا جس کی وجہ سے علاج زنانہ کیا دوا ہوتی رہی۔مسئلہ معلوم نہ تھا روزے میں دائی کا علاج نہیں کراتے ،ایک دوسری عورت سے پوچھا بھی اس نے تذبذب بیان کیا ،پورے مسئلہ کی تحقیق نہ مریضہ کو معلوم تھی نہ بتانے والی کو،لہذا اس علاج میں روزے رکھے، تحقیق ہونے پر یہ ظاہر ہوا،ایام روزہ میں اس قسم کا علاج کرانے سے کفارہ لازم آتا ہے،ساٹھ مسکینوں کا کھانا ایک وقت میں دے سکتی ہے یا نہیں ،اس کے علاوہ جیسا قضا نمازوں کا کفارہ حساب لگا کر کسی مسکین سے ردوبدل کر کے پورا دیا جاتا ہے،شرعی طریقہ پر،وہی مسئلہ شرعی کے مطابق ایسے روزے جن پر ساٹھ روزوں کا کفارہ عائد ہے،وہ دو آدمی کی خوراک کے مطابق ایک ایک مہینہ میں ساٹھ روزوں کا کفارہ ادا کرے۔اس حساب سے نقد روپیہ ساٹھ آدمیوں کی خوراک کے لگا کر متعدد روزوں کا کفارہ لوٹ بدل کے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ازنو محلہ بریلی ۲۳ رجب ۵۶ھ

الجواب

خود یا دایہ نے دوا شرم گاہ میں رکھی۔یا کوئی چیز تر یا خشک اگر اس طرح رکھی گئی کہ اندر بالکل غائب ہوگئی تو اس صورت میں بے شک وہ روزے جاتے رہے، جتنے روزوں میں ایسا ہوا۔اور اگر ایسا نہ ہوا مثلاً دوا کسی کپڑے میں باندھ کر یا بتی بنا کر فرج میں اس طرح رکھی کہ کپڑے یا بتی کا ایک سرا باہر رہا ،بتی ،کپڑا بالکل فرج داخل میں غائب نہ ہوا،اگرچہ فرج خارج میں غائب ہوگیا ہو،تو اس صورت میں روزے نہ گئے ،مگر جب کہ دوا کا کوئی حصہ کپڑے سے چھن کر بتی سے چھٹ کر فرج داخل کے اندر گر گیا ہو۔یا دوا اتنی تر تھی کہ کپڑے سے فرج داخل میں ٹپکی یا بتی سے اس کی تری چھٹ کر فرج داخل میں لگی ہو، یوں ہی دانہ

یک حصہ باہر رکھا تھا مگر حرکت سے خود وہ بتی یا کپڑا جو فرج داخل کے باہر تھا اندر سرک گیا بالکل غائب ہو گیا تو بھی روزہ جاتا رہا۔

ردالمحتار میں ہے:

"مادخل في الجوف إن غاب فيه فسد، وهو المراد بالاستقرار. وإن لم يغب بل بقي طرف منه في الخارج أو كان متصلاً بشيء خارج لا يفسد لعدم استقراره"(١)

جو کچھ جوف میں داخل ہوا اگر وہ غائب ہو گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور استقرار سے یہی مراد ہے، اور اگر غائب نہ ہوا بلکہ اس کی کوئی جانب خارج میں باقی رہ گئی یا خارج سے متصل رہی تو عدم استقرار کی وجہ سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ (مترجم)

اگر صورت ایسی ہی واقع ہوئی ہو کہ روزے جاتے رہے ہوں تو فقط قضا لازم ہوگی کفارہ نہیں۔

"فإن الكفارة في الإفطار الكامل صورة ومعنى ولم يوجد في هذه صورة."(٢)

صورۃً ومعنیً افطار کامل (مکمل طور پر روزہ توڑ دینا) وجوب کفارہ کا سبب ہے، اور یہ صورت یہاں موجود نہیں۔ (مترجم)

بدائع امام ملک العلما میں ہے:

"وأما وجوب الكفارة فيتعلق بإفساد مخصوص وهو الإفطار الكامل بوجود الأكل أو الشرب أو الجماع صورة ومعنى معتمداً من غير عذر مبيح ولا مرخص ولا شبهة الإباحة، ونعني: بصورة الأكل والشرب ومعناهما إيصال ما يقصد به التغذي أو التداوي إلىٰ جوفه من الفم؛ لأن به يحصل قضاء شهوة البطن علىٰ سبيل الكمال ـ ونعني بصورة الجماع ومعناه إيلاج الفرج في القبل؛ لأن كمال قضاء شهوة الفرج لا يحصل إلا به"(١)

---

(١) [ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده: ٣/٣٢٩]

(١) [بدائع الصنائع، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم مع الكفارة: ٢/٢٥٢]

کفارے کا وجوب ایک خاص صورت کے ساتھ متعلق ہے، اور وہ افطار کامل (مکمل طور پر روزہ فاسد کر دینا) ہے، جب کہ کھانا، پینا اور جماع صورۃً ومعنیً دونوں طرح ہو، یہ افساد روزہ نہ تو کسی عذر کی بنیاد پر ہو نہ کوئی مرخص ہو اور نہ کوئی شبہۂ اباحت ہو، صورۃً ومعنیً اکل وشرب سے مراد منہ کے راستے سے پیٹ میں ایسی چیز کا پہنچانا جو بطور غذا یا دوا کھائی جاتی ہے، کیوں کہ مکمل طور پر پیٹ کی خواہش اسی طرح پوری ہوتی ہے، اور صورۃً ومعنیً جماع سے مراد، آدمی کا قبل میں ادخال کرنا کہ کامل طور پر شرم گاہ کی شہوت کی تکمیل اسی طرح ہوتی ہے۔ (مترجم)

عالمگیریہ میں ہے:

"من احتقن أو استعط أو اقطر في أذنه دهنا أفطر ولا كفارة عليه هكذا في الهداية"(۱)

جس نے حقنہ لیا، ناک میں دوا یا کان میں تیل ڈالا تو روزہ جاتا رہا، لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں، ایسا ہی ہدایہ میں لکھا ہے۔ (مترجم)

خانیہ میں فرمایا:

"الحقنة توجب القضاء وإن كان لبناً لا يثبت الرضاع وكذا السعوط والوجور والقطور في الأذن إما الحقنة والوجور؛ فلأنه وصل إلى الجوف مافيه صلاح البدن وفي القطور والسعوط؛ لأنه وصل إلى الراس مافيه صلاح البدن وعن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ في السعوط والوجو والحقنة الكفارة؛ لأنه وصل إلىٰ الجوف مافيه صلاح البدن فكان بمنزلة الأكل. والصحيح هو الأول؛ لأن الكفارة موجب الأفطار صورة ومعنى ولم يوجد."(۲)

پچھنا لینے سے روزے کی قضا واجب ہوگی اور اگر دودھ لیا ہو تو اس سے رضاعت کا ثبوت نہ ہوگا، اسی طرح ناک، حلق اور کان میں دوا ڈالنے سے (قضا واجب ہوگی) لیکن پچھنا لینے اور حلق میں دوا ڈالنے سے اس لیے کہ پیٹ میں ایسی چیز پہنچ رہی ہے جس میں بدن کی صلاح موجود ہے، کان اور ناک میں دوا ڈالنے سے اس لیے کہ سر میں ایسی چیز پہنچ رہی ہے جس میں بدن کی صلاح موجود ہے، سعوط، وجور

---

(۱) [الفتاوی الخانیه بر هامش عالم گیری:۱/۲۱۰]

حقنہ کے بارے میں حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے وجوب کفارہ کی روایت آئی ہے، کیوں کہ پیٹ میں ایسی چیز کا ورود ہو گیا ہے جس میں بدن کی صلاح ہے تو یہ "کھانے" کے درجہ میں گیا۔ صحیح پہلا مذہب ہے، کیوں کہ کفارہ ایسی صورت میں واجب ہوتا ہے جب کہ روزہ صورۃً و معنًی دونوں طرح جاتا رہے، اور یہ صورت یہاں موجود نہیں۔ (مترجم)

پھر اگر کفارہ واجب بھی ہوتا کہ قول امام ابو یوسف اختیار کیا جاتا تو بھی ایک کفارہ اس صورت میں لازم ہوتا، جب کہ ایک ہی رمضان کے روزے ہیں، اور اب تک کفارہ دیا بھی نہیں۔

عالمگیریہ میں ہے:

"لو جامع مراراً في أيام من رمضان واحد ولم يكفر كان عليه كفارة واحدة، ولو جامع و كفرثم جامع عليه كفارة أخرىٰ في ظاهر الرواية كذا في فتح القدير"(۱)

اگر ایک رمضان کے دنوں میں چند بار جماع کیا اور کفارہ نہیں دیا تو اس پر ایک کفارہ لازم ہوگا۔ اور اگر جماع کر کے کفارہ دے دیا پھر جماع کیا تو اس پر دوسرا کفارہ لازم ہوگا، یہ ظاہر روایت میں ہے، اسی طرح فتح القدیر میں لکھا ہے۔ (مترجم)

خانیہ میں ہے:

"إذا أفطر في رمضان في يوم ولم يكفر حتى أفطر في يوم آخر كان عليه كفارة واحدة."(۲)

رمضان میں کسی روز روزہ توڑ دیا اور کفارہ نہیں دیا، یہاں تک کہ پھر کسی روز روزہ توڑ دیا تو اس پر ایک ہی کفارہ لازم ہوگا۔ (مترجم)

بلکہ صحیح یہ ہے کہ اگر دو رمضان کے روزے ہوں تو بھی ایک ہی کفارہ دینا ہوگا جب کہ اب تک کفارہ نہ دیا ہو، کہ کفارات حدود کی طرح بالشبہہ ساقط ہو جاتے (ہیں) تو متداخل بھی ہوں گے۔ بعض نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جب تک ایک کفارہ نہ دے دے دوسرا واجب ہی نہ ہوگا، بوجہ تداخل سبب۔ بعض نے فرمایا کہ دوسرا واجب ہو کر ساقط ہو جائے گا، ہاں اگر پہلے کفارہ دے دیا تو چوں کہ اب اجتماع

(۱) [الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، باب في الاعتكاف: ۱/۲۷٤]

نہ ہوا تو تداخل نہ ہوگا۔

درمختار مسائل شتیٰ میں ہے:

"أفطر في رمضان في يوم ولم يكفر حتى أفطر في يوم آخر فعليه كفارة واحدة ولو في رمضانين على الصحيح، وقدمناه في الصوم."(۱)

رمضان میں کسی دن روزہ توڑ دیا اور کفارہ نہیں دیا یہاں تک کہ پھر کسی دن روزہ توڑ دیا تو اس پر ایک ہی کفارہ لازم ہوگا، بلکہ صحیح یہ ہے کہ اگر دو رمضان کے روزے ہوں تو بھی ایک ہی کفارہ دینا ہوگا، اسے ہم کتاب الصوم میں بیان کر چکے ہیں۔(مترجم)

ردالمحتار میں ہے:

"قوله فعليه كفارة واحدة ؛ لأن الكفارة تسقط بالشبهة فتتداخل كالحد۔ مجتبى، ثم قال: واختلف في التداخل، فقيل: لا تجب الثانية لتداخل السبب، وقيل: تجب ثم تسقط۔ فأما إذا كفر الأول فلا اجتماع فلا تداخل، قوله:" ولو في رمضانين" "لو" وصلية وأشار إلىٰ أن التقييد برمضان واحد خلاف الصحيح وهو رواية عن محمد، قال في المجتبىٰ: وأكثر مشايخنا قالوا: الاعتماد على تلك الرواية۔ والصحيح أنه يكفيه كفارة واحدة لاعتبار معنى التداخل."(۲)

اسے ایک کفارہ دینا ہوگا کہ کفارات حدود کی طرح بالشبہ ساقط ہو جاتے ہیں تو متداخل بھی ہوں گے، مجتبیٰ۔ پھر فرمایا: تداخل میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ: جب تک ایک کفارہ نہ دے دے دوسرا واجب ہی نہ ہوگا، بوجہ تداخلِ سبب۔ اور بعض نے فرمایا: دوسرا واجب ہو کر ساقط ہو جائے گا، ہاں اگر پہلے کفارہ دے دیا تو چوں کہ اب اجتماع نہ ہوا تو تداخل نہ ہوگا، شارح کے قول:" ولو في رمضانين "میں "لو" وصلیہ ہے اور اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ رمضان واحد کی قید صحیح کے برخلاف ہے، اور یہ امام محمد سے مروی ہے، مجتبیٰ میں فرمایا: اکثر مشائخ کا قول ہے کہ: اعتماد اسی روایت پر ہے، صحیح یہ ہے کہ ایک ہی کفارہ دینا کافی ہوگا، معنیٔ تداخل کا اعتبار کرتے ہوئے۔(مترجم)

ہمارے اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ روزے کی حالت میں دایہ کا علاج باحتیاط تمام ہو سکتا ہے کہ

(۱) [ردالمحتار، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتیٰ: ۱۰/۳۷۸]

ودوا تر یا خشک پوٹلی یا بتی میں یا ویسے ہی کوئی ایسی دوا جو رکھی جاسکے اس طرح رکھی جائے کہ ایک سرا فرج داخل کے باہر رہے، بالکل اندر نہ غائب کردی جائے، اور اس کا بھی اطمینان ہو کہ جرم دوا چھن کر یا ٹپک کر چھوٹ کر فرج داخل میں نہ رہ جائے۔ یوں ہی یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ اس صورت میں کفارہ کا حکم صحیح نہیں، اور کفارہ دینا بھی ہوتا تو ایک ہی لازم ہوتا۔ باقی رہا یہ کہ کفارہ کیا ہوتا، اور نقد بھی دیا جاسکتا یا نہیں۔ کفارہ فطر صوم اور کفارہ ظہار ایک ہی ہے کہ باندی یا غلام آزاد کرے وہ غلام مسلمان ہو خواہ کافر۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے، اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے، ہر ایک کو ایک صاع تمر یا شعیر یا نصف صاع حنطہ۔ جس وقت کفارہ ادا کرے گا، اس کی اس وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا، وقت وجوب کفارہ کا حال معتبر نہ ہوگا۔

عالمگیریہ میں ہے:

"کفارة الفطر و كفارة الظهار واحدة۔ وهي عتق رقبة مومنة أو كافرة۔ فإن لم يقدر على العتق فعليه صيام شهرين متتابعين، وإن لم يستطع فعليه إطعام ستين مسكيناً، لكل مسكين صاعاً من تمر أو شعير أو نصف صاع من حنطة، وإنما يعتبر حال المكفر في جميع الكفارات وقت الأداء لا وقت وجوبها الخ كذا في الخلاصة"(١)

کفارہ فطر صوم اور کفارہ ظہار ایک ہی ہے کہ باندی یا غلام آزاد کرے وہ غلام مسلمان ہو یا کافر، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے، اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے، ہر ایک کو ایک صاع تمر یا شعیر یا نصف صاع حنطہ، جس وقت کفارہ ادا کرے گا اس کے اس وقت کی حالت کا اعتبار ہوگا، وقت وجوب کفارہ کا حال معتبر نہ ہوگا۔ ایسا ہی خلاصہ میں لکھا ہے۔ (مترجم)

بدائع میں ہے: "روي عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: ((من أفطر في رمضان متعمدا فعليه ما على المظاهر)) وعلى المظاهر الكفارة بنص الكتاب فكذا على المفطر متعمداً"(١)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بے وجہ مقبول شرع قصداً روزہ توڑ دیا، اس پر وہی لازم ہے جو ظہار کرنے والے پر ہے، اور مظاہر پر بہ نص کتاب اللہ کفارہ دینا لازم ہے، تو اسی طرح

قصداً روزہ توڑنے والے پر ہے۔ (مترجم)

یہاں باندی غلام کہاں جنہیں آزاد کرنے پر قدرت ہو، جب اس پر قدرت نہیں تو پے در پے دو ماہ کے بے فصل روزے اس پر لازم جس نے بے وجہ مقبول شرع قصداً روزہ اس طرح توڑا جس میں کفارہ لازم۔ ہاں روزہ بوجہ ضعف وناطاقتی پیرانہ سالی کہ شیخ فانی کی حد کو پہنچ چکا ہو، یا ضعف ایسے مرض سے ہو جس میں دفع کی امید نہ ہو۔ بہر صورت طاقت طاق ہو، اور بظاہر اسباب امید عود نہ ہو سکے۔ پے در پے روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے، اگر کوئی عاجز نہ ہو روزے پے در پے دو ماہ بے فصل رکھ سکے، اور روزے نہ رکھے تو ساٹھ مسکین نہیں اگر ساٹھ ہزار مساکین کو کھانا دے گا کفارہ ادا نہ ہوگا۔ جس صورت میں مساکین کو کھانا دینے سے کفارہ ادا ہو جائے گا اس صورت میں وہ چاہے ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے چاہے گیہوں دے دے، فی کس پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر بریلی کی تول سے۔ یا جو ساڑھے تین سیر ایک روپیہ بھر اوپر۔ یا ایک ہی آدمی کو ساٹھ دن شب و روز پیٹ بھر کھانا دے یا چاہے قیمت دے دے۔

درمختار میں ہے:

”هي تحرير رقبة، فإن لم يجد ما يعتق(صام شهرين ولو ثمانية وخمسين)بالهلال وإلا فستين يوماً متتابعين۔فإن أفطر بعذر أو بغيره استأنف الصوم لا الإطعام۔(فإن عجز عن الصوم)لمرض لا يرجى برؤه أو كبر(أطعم ستين مسكيناً)ولو حكماً(كالفطرة)قدراً(أو قيمة ذلك)وإن غداهم وعشاهم وأشبعهم(جاز كما لو أطعم واحداً ستين يوماً)لتجدد الحاجة اه. ملتقطاً. والله تعالىٰ أعلم“(۱)

کفارہ میں باندی یا غلام آزاد کرے، وہ مسلمان ہو خواہ کافر، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے پے در پے روزے رکھے، اگر چہ قمری تاریخ کے اعتبار سے اٹھاون روزے ہی کیوں نہ ہوں، ورنہ ساٹھ روزے رکھنا ہوں گے، اور اگر کسی عذر وغیرہ کی وجہ سے کوئی روزہ چھوٹ گیا تو از سر نو روزہ رکھنا ہوں گے، کفارہ طعام ادا نہیں کر سکتا، اور اگر کسی ایسے مرض کی وجہ سے جس میں دفع کی امید نہ ہو یا شیخ فانی حد کو پہنچ چکا ہو، پے در پے روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے، اگر چہ حکماً دے۔ مثلاً صدقہ فطر کی

راریا اس کی قیمت، جس طرح انھیں صبح وشام پیٹ بھر کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے، اسی طرح
ے مسکین کو ساٹھ دن شب وروز پیٹ بھر کھانا دینا بھی جائز ہے، اس لیے کہ حاجت متعدد ہے۔اھ
قطاً۔اللہ بہتر جانتا ہے۔(مترجم)

مرض کے سبب نقصان کا صحیح اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہے، قضا کرے

(۱ **مسئلہ:**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ....

اگر کسی شخص کے خون میں بہت زیادہ گرمی ہے اگر وہ روزہ رکھتا ہے تو اس کو بہت نقصان بڑھ جاتا
ے، جس سے خون اور بدن اور زیادہ خراب ہو جائے گا، تو ایسی صورت میں کیا کرے، اور اگر اس شخص پر
لے قضا کے بھی روزہ رکھنا واجب ہیں، اور علاوہ اس کے آئندہ روزہ رکھنا ہیں، تو ایسی صورت میں کیا
یقہ اختیار کرنا چاہیے۔کیا ایک آدمی کو روزانہ کھانا کھلانے سے اپنے پچھلے روزوں کا کفارہ ہوسکتا ہے، یا
ے سیر کچھ چھٹانک جیسا کہ دیا جاتا ہے، اس طریقہ پر کفارہ ہوسکتا ہے، یا کوئی اتنا غریب ہے کہ تعداد ادا
ں کرسکتا، تو اس شکل میں ایک آدمی کو کھانا روزانہ کھلانے سے کفارہ ہوسکتا ہے۔روزہ رکھنے کی شکل میں
بائی تکلیف ہوتی ہے، جس سے خون اور بدن دونوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے، جس سے بدن بگڑ جائے
ے۔ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟۔ ازشہر کہنہ ازمکان مصطفیٰ علی خاں بریلی

الجواب

جب واقعی روزہ سے نقصان کا اندیشہ صحیح ہو جو تجربہ یا حکیم حاذق غیر فاسق کے یہاں سے معلوم
و قضا کی رخصت ہوگی۔اگر پچھلے اور ان روزوں کا جواب قضا کرے، فدیہ دے اچھا ہے، مگر جب صحیح
تندرست ہو جائے تو پھر قضا ادا کرے، فقط ایک آدمی کو کھانا کھلانے سے فدیہ ادا نہ ہوگا، کہ روزے
فدیہ بریلی کی تول سے (گیہوں) پونے دوسیر اٹھنی بھر اوپر فی روزہ ہے۔اتنا فی روزہ دے، خواہ ایک کو
اہ چند کو تقسیم کردے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

عالمگیریہ میں ہے:

"المریض إذا خاف علی نفسه التلف أو ذهاب عضو یفطر بالإجماع.وإن

ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض والاجتهاد غير مجرد الوهم بل هو غلبة ظن عن إمارة أو تجربة أو باخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق كذا في فتح القدير۔ والصحيح الذي يخشى أن يمرض بالصوم فهو كالمريض هكذا في التبيين"(۱)

جب واقعی مریض کو روزے سے جان جانے یا کسی عضو کے ہلاک ہونے کا اندیشہ صحیح ہو تو اسے بالاجماع افطار کی اجازت ہے اور اگر مرض زیادہ یا دراز ہونے کا اندیشہ صحیح ہو تب بھی یہی حکم ہے ہمارے نزدیک، اور اس پر قضا لازم ہوگی جب روزہ چھوڑ دے، پھر اس بات کی معرفت مریض کے تحری کرنے سے ہوگی نہ کہ محض وہم سے، بلکہ یہاں ظن غالب ہونا چاہیے جو کسی علامت یا تجربہ یا حکیم حاذق مسلم غیر فاسق کے خبر دینے سے حاصل ہوگا، ایسا ہی فتح القدیر میں لکھا ہے، اور تندرست آدمی کو روزہ رکھنے سے مریض ہونے کا اندیشہ صحیح ہو تو وہ مریض کے حکم میں ہوگا۔ ایسا ہی تبیین میں مذکور ہے۔ (مترجم)

اگر مرض برابر رہے، یہاں تک کہ موت آجائے اس صورت میں قضاء لازم ہی نہ ہوگی، ورنہ اتنے دن کی لازم ہوگی جتنے دن صحت کے وقت موت تک ملیں گے۔

اس صورت میں کہ مریض نے صحت پائی اور قضا نہ کی کہ موت کی گھڑی آئی۔ لازم ہے کہ وصیت فدیہ کرے۔ اس کے ولی پر لازم ہوگا کہ جتنے دن کے روزوں کی (قضا) اس کے ذمہ لازم ہے، ہر ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں وہی پونے دو سیر اٹھنی بھر او پر دے، یا ایک صاع جو وغیرہ۔ اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی اور ورثاء اس کی طرف سے تبرعاً دے تو بھی جائز ہے، مگر بے وصیت ورثہ پر لازم نہ ہوگا۔

عالمگیریہ میں ہے:

"لوفات صوم رمضان بعذر المرض أو السفر واستدام المرض والسفر حتى مات لا قضاء عليه لكنه إن أوصي بأن يطعم عنه صحت وصيته وإن لم تجب عليه، ويطعم عنه من ثلث ماله، فإن بريء المريض أو قدم المسافر وأدرك من الوقت بقدر مافاته فيلزم قضاء جميع ما أدرك۔ فإن لم يصم حتى أدركه الموت فعليه أن يوصي بالفدية كذا في البدائع. ويطعم عنه وليه لكل يوم مسكيناً نصف صاع من بر أوصاعاً من تمر أو صاعاً من شعير كذا في الهداية۔ فإن لم يوص وتبرع عنه الورثة جاز ولا

زمهم من غير إيصاء .والله تعالىٰ أعلم"(۱)

بیاری، سفر وغیرہ کسی عذر یا مرض وسفر کے لگاتار رہنے کی وجہ سے روزے فوت ہو جائیں یہاں
تک کہ موت آجائے اس صورت میں قضا لازم نہ ہوگی، لیکن اگر وصیت فدیہ کردے تو وصیت درست
ہوگی، اگر چہ اس صورت میں وصیت کرنا واجب نہیں، ولی اس کے ثلث مال سے فدیہ دے گا، اور اگر
مریض نے صحت پائی یا مسافر وطن آگیا اور اتنا وقت پالیا کہ فوت شدہ روزے رکھ سکتا ہے تو اتنے روزوں
کی قضا اس کے ذمہ لازم ہوگی، اور اگر اس صورت میں اس نے قضا نہ کی کہ موت کی گھڑی آئی تو لازم ہے
کہ وصیت فدیہ کردے، ایسا ہی بدائع میں لکھا ہے۔ اس کے ولی پر لازم ہوگا کہ جتنے دن کے روزوں کی
قضا اس کے ذمہ لازم ہے ہر ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا جو دے۔ ایسا ہی ہدایہ
میں مذکور ہے، اور اگر مرنے والے نے وصیت نہ کی اور وارثین اس کی طرف سے تبرعاً دیں تو بھی جائز ہے
مگر بے وصیت وارثین پر لازم نہ ہوگا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ (مترجم)

غریب ہے کہ روز نصف صاع گندم نہیں دے سکتا، تو جتنے پر قادر ہو اتنا دے۔ جب نصف صاع
گیہوں دے گا ایک روزے کا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ فدیہ دینے پر قدرت رکھے اور ایک ساتھ سب کا دے
دے تو بھی ہو سکتا ہے۔ اور مؤخر کرے کہ رمضان کے بعد قدرت پائے دے یہ بھی ہو سکتا ہے
یوں ہی باقساط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصافحہ یا معانقہ سے انزال ہوا تو روزہ کی قضا ہے کفارہ نہیں

مسئلہ: (۵)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کا ایک دوست عرصہ سے باہر تھا اتفاق سے ملاقات ہوئی، آپس میں خوشی وخرمی کے ساتھ
مصافحہ ومعانقہ کیے۔ غلبۂ محبت اس قدر بڑھا کہ زید بے خود ہو گیا، اور فوراً انزال ہو گیا بحالت روزہ۔ زید
کہتا ہے کہ میرا کوئی خیال فاسد نہ تھا۔ جب یہ واقعہ ہوا تو متحیر ہو گیا، آیا زید اور اس کے دوست پر کفارہ ہے
یا نہیں۔ روزہ میں خرابی آئی یا نہیں، زید اس کے دوست دونوں غریب ومفلس ہیں اور بیمار بھی ہیں خلاصہ حکم
شرع ارشاد فرمائیں۔ از بریلی محمد جان پنجابی مورخہ ۲۵/رمضان ۵۷ھ

---

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، باب في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۲۶۴/۱

الجواب

اس صورت میں جسے مصافحہ یا معانقہ سے انزال ہوگیا اس کا روزہ فاسد ہوگیا، اس پر اس کی قضا لازم کفارہ کا حکم نہیں، اگرچہ مصافحہ معانقہ نہیں، بشہوت بوسہ یا مباشرت فاحشہ بھی ہوئی ہوتی۔

عالمگیریہ میں ہے:

"إذا قبل امرأته وأنزل فسد صومه من غير كفارة، كذا في المحيط وكذا في تقبيل الأمة والغلام، والمس والمباشرة والمصافحة والمعانقة كالقبلة كذا في البحر الرائق۔"(۱)

بیوی کا بوسہ لینے سے انزال ہو جائے روزہ فاسد ہو جائے گا، لیکن کفارہ لازم نہ ہوگا، ایسا ہی محیط میں لکھا ہے، یہی حکم باندی اور غلام کا بوسہ لینے کا ہے، مس، مباشرت، مصافحہ اور معانقہ قُبلہ (بوسہ) کے حکم میں ہے۔ ایسا ہی بحر الرائق میں لکھا ہے۔ (مترجم)

ہدایہ میں فرمایا:

"ولو أنزل بقبلة أو لمس فعليه القضاء دون الكفارة لوجود معنى الجماع ووجود المنافي صورة أو معنى يكفي لإيجاب القضاء احتياطاً أما الكفارة فتفتقر إلى كمال الجناية؛ لأنها تندرئ بالشبهات كالحدود"(۲)

اگر بوسہ یا لمس کی وجہ سے انزال ہو جائے تو اس پر روزے کی قضا لازم ہوگی البتہ کفارہ لازم نہ ہوگا، اس لیے کہ معنیٰ جماع موجود ہے، اور منافی صوم کا صورۃً یا معنیً پایا جانا وجوب قضا کے لیے کافی ہے، احتیاط اسی میں ہے، لیکن کفارہ اس وقت لازم ہوگا جب کہ مکمل جنایت پائی جائے، کیوں کہ کفارہ حدود کی طرح شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے۔ (مترجم)

فتح القدیر میں ہے:

"قوله: أما الكفارة الخ فكانت عقوبة وهي أعلىٰ عقوبة للافطار في الدنيا فيتوقف لزومها على كمال الجناية۔ ولو قال بالواو كانا تعليلين وهو أحسن ويكون نفس قوله تفتقر إلى كمال الجناية تعليلاً أي: لا تجب؛ لأنها تفتقر إلى كمال الجناية،

---

(۱) [الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم باب فيما يفسد ومالا يفسد: ۱/ ۲۹۰]

إذ كانت أعلىٰ العقوبات في هذا الباب ولأنها تندرئ بالشبهات. وفي كون ذلك مفطراً شبهة حيث كان معنى الجماع لا صورته فلا تجب۔"(۱)

قولہ أما الكفارة الخ ۔کفارہ ایک سزا ہے،اور یہ دنیا میں روزہ توڑنے کی بڑی سزا ہے،تو کفارہ کمالِ جنایت پر موقوف ہوگا،اور اگر"واؤ" کے ساتھ فرمایا ہوتا تو یہ دو تعلیلیں ہوتیں،اور یہ بہتر تھا۔ یہاں مصنف کا خاص قول"تفتقر إلىٰ كمال الجناية "تعلیل ہوگا،یعنی کفارہ واجب نہ ہوگا،کیوں کہ کفارہ کمال جنایت پر موقوف ہے،اس لیے کہ یہ اس باب میں بڑی سزا ہے اور اس لیے کہ کفارہ شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے،اور اس شخص کے مفطر ہونے میں ایک قسم شبہہ ہے کہ یہاں جماع معنوی طور پر ہے نہ کہ صورۃً،لہٰذا کفارہ واجب نہ ہوگا۔(مترجم)

عنایہ میں ہے:"لأن الكفارة أعلىٰ عقوبات المفطر لإفطاره فلا يعاقب بها إلا بعد بلوغ الجناية نهايتها ولم تبلغ نهايتها ؛ لأن ههنا جناية من جنسها أبلغ منها وهي الجماع صورة ومعنىً."(۲)

اس لیے کہ کفارہ روزہ فاسد کرنے والے کے لیے بڑی سزا ہے،تو اب کفارہ کے ذریعے جبھی سزا دی جائے جب جنایت کاملہ پائی جائے،اور یہاں مکمل جنایت نہیں ہے،اس لیے کہ یہاں اسکی جنس سے ایک جنایت اور ہے جو اس سے بڑھ کر ہے،اور وہ جماع کا صورۃً اور معنیً پایا جانا ہے۔(مترجم)

ہدایہ میں ہے:"والمباشرة الفاحشة مثل التقبيل.والله تعالىٰ أعلم۔"(۳)

مباشرت فاحشہ بوسہ لینے کے مانند ہے۔(مترجم)

روزہ نہ رکھنے کا عذر

(۲) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

اگر کسی شخص کے خون میں بہت زیادہ گرمی ہے،اگر وہ روزہ رکھتا ہے تو اس کو بہت نقصان بڑھ

---

(۱) [فتح القدير كتاب الصوم،باب ما يوجب القضاء والكفارة:۲/۳۳۶]

(۲) [عنایہ،كتاب الصوم،باب مايوجب القضاء والكفارة۲/۳۳۶]

(۳) [هدايه اولين: كتاب الصوم باب ما يوجب القضاء والكفارة:۱۹۷]

جاتا ہے جس سے خون اور بدن اور زیادہ خراب ہوجائے گا تو ایسی صورت میں کیا کرے۔ اور اگر اس شخص پر پہلے قضا کے بھی روزہ رکھنا واجب ہیں اور علاوہ اس کے آئندہ روزے رکھنا ہیں تو ایسی صورت میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟۔

کیا ایک آدمی کو روزانہ کھانا کھلانے سے اپنے پچھلے روزوں کا کفارہ ہوسکتا ہے، یا ایک سیر کچھ چھٹانک جیسا کہ دیا جاتا ہے اس طریقہ پر کفارہ ہوسکتا ہے، یا کوئی اتنا غریب ہے کہ وہ تعداد ادا نہیں کرسکتا تو اس شکل میں ایک آدمی کو کھانا روزانہ کھلانے سے کفارہ ہوسکتا ہے۔ روزہ رکھنے کی شکل میں انتہائی تکلیف ہوتی ہے جس سے خون اور بدن دونوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے جس سے بدن بگڑ جائے گا۔ ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

شہر کہنہ از مکان مصطفیٰ علی خاں بریلی

الجواب

جب واقعی روزہ سے نقصان کا اندیشہ صحیح ہو جو تجربہ یا حکیم حاذق غیر فاسق کے یہاں سے معلوم ہو تو قضا کی رخصت ہوگی، اگر پچھلے اور ان روزوں کا جواب قضا کرے فدیہ دے اچھا ہے مگر جب صحیح تندرست ہوجائے تو پھر قضا ادا کرے، فقط ایک آدمی کو کھانا کھلانے سے فدیہ ادا نہ ہوگا کہ روزے کا فدیہ بریلی کی تول سے گیہوں پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر کے ہوں، یہ فی روزہ ہے۔ اتنا فی روزہ دے خواہ ایک کو خواہ چند کو تقسیم کردے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عالمگیری میں ہے:

المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع ـ وإن خاف زيادة العلة وامتدادها فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا افطر كذا في "المحيط" ثم معرفة ذلك باجتهاد المريض غير مجرد الوهم بل هو غلبة ظن عن إمارة أو تجربة أو باخبار طبيب مسلم غير ظاهر الفسق كذا في "فتح القدير" والصحيح الذى يخشى أن يمرض بالصوم فهو كالمريض هكذا في "التبيين" (١)

جب مریض کو اپنی جان تلف ہونے کا خوف ہو، یا جسم کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو

ہ بالا جماع افطار کرے گا، اور اگر اسے بیماری بڑھ جانے اور اس کے دراز ہونے کا اندیشہ ہو تو احناف کے
زدیک وہ بھی افطار کرے گا، اور ایسے شخص پر افطار کرنے کی صورت میں قضا لازم ہوگی، اسی طرح محیط
ں ہے۔ پھر بیماری کی شناخت مریض کی کوشش سے ہوگی اور یہ کوشش محض وہم کی بنیاد پر نہ ہوگی بلکہ کسی
لامت یا تجربہ کی روشنی میں ظن غالب سے ہوگی۔ یا پھر کسی پرہیزگار مسلمان طبیب کے بتانے سے، اسی
رح فتح القدیر میں ہے۔ اور تن درست شخص جو روزہ رکھنے کی وجہ سے بیمار ہونے کا خوف رکھتا ہو تو وہ
ریض کی طرح ہے، اسی طرح تبیین میں ہے۔

اگر مرض برابر رہے یہاں تک کہ موت آجائے اس صورت میں قضا لازم ہی نہ ہوگی، ورنہ اتنے
ن کی لازم ہوگی جتنے دن صحت کے وقت موت تک ملیں گے۔

اس صورت میں کہ مریض نے صحت پائی اور قضا نہ کی کہ موت کی گھڑی آئی، لازم ہے کہ وصیت
ر یہ کرے، اس کے ولی پر لازم ہوگا کہ جتنے دن کے روزوں کی قضا اس کے ذمہ لازم ہے ہر ایک دن مسکین
لو نصف صاع گیہوں وہی پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر دے، یا ایک صاع جو وغیرہ۔ اگر مرنے والے نے
میت نہ کی اور وارث اس کی طرف سے تبرعا دے تو یہ بھی جائز ہے مگر بے وصیت ورثہ پر لازم نہ ہوگا۔

عالمگیری میں ہے:

لو فات صوم رمضان بعذر المرض أو السبفر واستد ام المرض والسفر حتی
ات لاقضاء علیه، لکنه إن أوصی بأن یطعم عنه صحت وصیته وإن لم تحب علیه
ویطعم عنه من ثلث ماله ، فان بریء المریض أوقدم المسافر وأدرك من الوقت
قدرمافاته فیلزمه قضاء جمیع ماأدرك ،فإن لم یصم حتی أدرکه الموت فعلیه أن
وصي بالفدیة کذا في "البدائع" ویطعم عنه ولیه لکل یوم مسکیناً نصف صاع
ن بر او صاعا من تمر أو صاعاً من شعیر کذا فی "الهدایة"فإن لم یو ص وتبرع
نه الورثة جاز ، ولا یلزمهم من غیر إیصاء. واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

اگر کسی نے رمضان المبارک کا روزہ بیماری اور سفر کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ یا مرض اور سفر میں مسلسل
ہا۔ یہاں تک کہ مر گیا تو اس پر روزے کی قضا لازم نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس نے کھانا کھلانے کی وصیت کی تو
ں کی یہ وصیت صحیح ہوگی، اگر چہ اس پر واجب نہیں تھی اور اس کے مال کے تہائی حصہ سے کھانا کھلایا جائے

گا۔اگر مریض صحت یاب ہوجائے یا مسافر سفر سے واپس لوٹ آئے اور اسے اتنا وقت مل جائے جس قدر اس سے فوت ہوا ہے تو اس پر ان تمام روزوں کی قضا لازم ہوگی جو اس کو ملے، اگر اس نے روزہ نہیں رکھا یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہوگئی تو اس پر لازم ہے کہ فدیہ کی وصیت کرے۔ اسی طرح بدائع میں مذکور ہے اور اس کو ولی ہر روز ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو دے گا۔ اسی طرح ہدایہ میں مذکور ہے۔ اگر اس نے وصیت نہیں کی اور ورثہ نے اس کی طرف سے صدقہ کر دیا تو جائز ہے اور بلا وصیت ان پر ضروری نہیں۔

غریب ہے کہ روز نصف صاع گندم نہیں دے سکتا، تو جتنے پر قادر ہو اتنا دے، جب نصف صاع گیہوں دے دے گا ایک روزے کا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ فدیہ دینے پر قدرت رکھے، اور ایک ساتھ سب کا دے دے، تو بھی ہوسکتا ہے، اور مؤخر کرے کہ رمضان کے بعد قدرت پائے دے دے یہ بھی ہوسکتا ہے، یوں ہی باسقاط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

معانقہ سے انزال ہوا تو قضا ہے کفارہ نہیں

(۷) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کا ایک دوست عرصہ سے باہر تھا، اتفاق سے ملاقات ہوئی، آپس میں خوشی و خرمی کے ساتھ مصافحہ و معانقہ کیے، غلبہ محبت اس قدر بڑھا کہ زید بے خود ہوگیا، اور فوراً انزال ہوگیا بحالت روزہ، زید کہتا ہے کہ میرا کوئی خیال فاسد نہ تھا، جب یہ واقعہ ہوا تو متحیر ہوگیا، آیا زید اور اس کے دوست پر کفارہ ہے یا نہیں، روزہ میں خرابی آئی یا نہیں؟، زید اور اس کے دوست دونوں غریب و مفلس ہیں اور بیمار بھی ہیں خلاصہ حکم شرع ارشاد فرمائیں۔ از بریلی محمد جان پنجابی (مورخہ ۲۵/رمضان ۵۷ھ)

الجواب

اس صورت میں جسے مصافحہ یا معانقہ سے انزال ہوگیا، اس کا روزہ فاسد ہوگیا، اس پر اس کی قضا لازم کفارہ کا حکم نہیں، اگر چہ مصافحہ معانقہ نہیں بہ شہوت بوسہ یا مباشرت فاحشہ بھی ہوئی ہوتی۔

عالمگیریہ میں ہے:

إذا قبل إمرأة و أنزل فسد صومه من غير كفارة كذا في "المحيط" و كذا في تقبيل الأمة و الغلام، و تقبيلها زوجها إذا رأت بللاً و إن وجدت لذة و لم ترَ بللاً

بهيمة فأنزل لا يفسد كذا في "المحيط". والمس والمباشرة والمصافحة المعانقة كالقبلة كذا في "البحرا الرائق."(١)

اگر کسی نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا اور انزال ہو گیا تو اس کا روزہ بغیر کفارہ کے فاسد ہوگا۔ اسی طرح یط میں ہے: اور یہی حکم باندی اور غلام کا بوسہ لینے کی صورت میں ہے اور عورت کا اپنے شوہر کا بوسہ لینے ں جب کہ وہ عورت تری دیکھے اور اگر وہ لذت پائے اور تری نہ دیکھے تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے ز دیک روزہ فاسد ہو جائے گا برخلاف امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے، اسی طرح زاہدی میں مذکور ہے۔ اور اگر سی چوپائے کا بوسہ لیا پھر انزال ہوا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اسی طرح محیط میں ہے۔ چھونا، مباشرت، صافحہ اور معانقہ کرنا بوسہ لینے کے حکم میں ہے، اسی طرح بحر الرائق میں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

وإن أنزل بقبلة أو لمسٍ فعليه القضاء دون الكفارة لوجود معنى الجماع وجود المنافي صورة أو معنى يكفي لا يجاب القضاء احتياطاً، أما الكفارة فتقر إلى كمال الجناية لأنهاتندرىء بالشبهات كالحدود.(٢)

اور اگر بوسہ لینے یا چھونے کی وجہ سے انزال ہوا تو اس پر روزے کی قضا واجب ہوگی نہ کہ کفارہ، یوں کہ جماع کا مفہوم پایا گیا اور منافی شی کا صورتاً یا معنیً پایا جانا احتیاطاً قضا کو واجب کرنے کے لیے کافی ہے۔ رہا کفارہ، تو اس کے وجوب کے لیے بڑا گناہ ہونا چاہیے اس لیے کہ کفارہ شبہات کی وجہ سے ختم ہو اتا ہے جیسے حدود۔

فتح القدیر میں ہے: قوله: أما الكفارة الخ؛فكانت عقوبة وهي أعلى عقوبة للافطار ي الدنيا فيتوقف لزومهاعلى كمال الجناية، ولو قال بالواو كانا تعليلين وهو أحسن، يكون نفس قوله: تفتقر إلى كمال الجناية تعليلا أي: لاتجب؛لأنها تفتقر إلى كمال جناية إذ كانت اعلى العقوبات في هذا الباب، ولأنها تندرئ بالشبهات، وفي كون لك مفطراً شبهة حيث كان معنى الجماع لاصورته فلاتجب۔(٣)

---

١) [الفتاوى الهندية: كتاب الصوم،باب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد:١،٢٦٠]

٢) [هداية: كتاب الصوم:باب مايوجب القضاء ولا كفارة:١،١٩٧]

مصنف کا قول: "أما الكفارة الخ" رہا کفارہ تو وہ ایک سزا ہے اور وہ دنیا میں افطار کی سب سے بڑی سزا ہے لہذا اس کا لزام ایک بڑے گناہ کے ارتکاب پر موقوف ہوگا اگر واو کے ساتھ کہا ہے تو دونوں تعلیل کے لیے ہوں گے جو بہتر ہے۔ اور خود مصنف کا قول تفتقر الی کمال الجنایة تعلیل ہے یعنی کفارہ واجب نہیں ہوتا، اگر تعبیر یوں ہوتو بہتر ہوگی، کیوں کہ کفارہ اس باب میں سب سے بڑی سزا ہے تو اس کا وجوب اس وقت ہوگا جب کہ بڑے گناہ کا ارتکاب ہو۔ اور اس لیے کہ وہ شبہات کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے جیسے حدود ختم ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے مفطر ہونے میں شبہہ ہے کیوں کہ جماع کا معنی پایا گیا نہ کہ اس کی صورت لہذا کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ (مترجم)

عنایہ میں ہے: لأن الكفارة أعلى عقوبات المفطر لافطاره، فلايعاقب بها إلا بعد بلوغ الجناية نهايتها، ولم تبلغ نهايتها؛ لأن ههنا جناية من جنسها أبلغ منها وهي الجماع صورةً ومعنىً۔ (۱)

اس لیے کہ کفارہ مفطر کے لیے سب سے بڑی سزا ہے افطار کرنے کی وجہ سے، لہذا اسے کفارے کی سزا اس وقت میں دی جائے گی جب گناہ اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور وہ اپنی انتہا کو پہنچا نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہاں اسی جنایت کی جنس سے اس سے بڑھ کر ایک جنایت پائی جا رہی ہے اور وہ جماع صورۃً اور معنیً ہے۔

ہدایہ میں ہے:

والمباشرة الفاحشة مثل التقبيل. مباشرت فاحشہ بوسہ لینے کی منزل میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم. (۲)

فقیر مصطفیٰ رضا قادری غفرلہ

(۵) نفل روزہ

جمعہ کو اتفاقیہ روزہ رکھ لینا جائز ہے

(۸) مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ...

زید کہتا ہے کہ بروز جمعہ روزہ رکھنا حرام ہے۔ بکر نے دریافت کیا کہ کس وجہ سے روزہ جمعہ کا حرام

،،اور اس کی کیا دلیل ہے؟ تو زید اس کے ثبوت میں بخاری شریف کا حوالہ دیتا ہے، کہ یہ صحیح بخاری یف کی حدیث ہے کہ روزۂ جمعہ حرام ہے، تو زید کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط تو از روے شریعت کیا ا ہے؟ فقط

جناب فدا حسین صاحب کڑہ چاند خاں بریلی معرفت رحمت اللہ صاحب۔ ۳۰/ذی قعدہ ۵۷ھ

الجواب

زید محض غلط کہتا ہے، اپنی طرف سے من گڑھت باطل فتویٰ دیتا ہے، وہ بخاری کی وہ حدیث اے جس کا یہ مطلب اس کے نزدیک ہے کہ جمعہ کا روزہ حرام ہے۔ حدیث میں جمعہ کے روزہ کے لیے ں کر دینے سے نہی وارد ہوئی ہے، ہر نہی، نہیِ تحریم نہیں ہوتی۔

حدیث میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

((قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: لا یصوم أحدکم یوم ـمعة إلا أن یصوم قبله أو یصوم بعد عنه))(١)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی فقط جمعہ کے دن روزہ کھے، ہاں ایک دن پہلے یا ایک دن بعد ملا کر رکھے۔

((قال صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم: لا تخصوا لیلة الجمعة بقیام من بین اللیالی ' تخصوا یوم الجمعة بصیام من بین الأیام إلا أن یکون في صوم یصومه ـد کم))(٢)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: عبادت کے لیے دوسری راتوں کو چھوڑ ہ کی رات کو اختیار نہ کرو، اور نہ دوسرے دن چھوڑ کر جمعہ کے دن روزہ رکھو، ہاں جمعہ کا دن ان تاریخوں ا پڑتا ہو جن میں یہ روزہ رکھتا ہے تو حرج نہیں۔

اس نہی تخصیص کی چند وجوہ علما نے ذکر فرمائیں:

(۱) اقامت وظائف واوراد جمعہ سے ضعف صوم مانع ہوگا۔

(۲) جمعہ معظم ایام ہے اس کی تعظیم میں مبالغہ کے خوف سے ممانعت فرمائی کہ کہیں مسلمان اس کی

) [هدایه: کتاب الصوم: باب ما یوجب القضاء والکفارة: ١، ١٩٧]

تعظیم میں ایسا مبالغہ کرنے لگیں جیسے یہود تعظیم سبت میں اور نصاریٰ تعظیم یوم احد میں کرتے ہیں۔

(۳) اس خوف سے ممانعت فرمائی کہ اس کے وجوب کا اعتقاد نہ کرنے لگیں۔

(۴) روز جمعہ روز عید ہے، خود حدیث میں ہے:

((إن يوم الجمعة يوم عيد كم فلا تجعلوا يوم عيد كم يوم صيامكم))(۱)

لہٰذا اس عید کے دن روزہ مناسب نہیں۔ یہی چوتھی وجہ سب وجوہ سے احسن ہے کہ منطوق حدیث ہے۔

لمعات میں حضرت شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

"قوله:(ولا تختصوا)قد ذكروا.لنهي عن تخصيص يوم الجمعة بصوم وجوهاً الأول: إنه نهي عن صومه، لئلا يحصل له ضعف يمنعه عن إقامة وظائف الجمعة وأورادها.والثاني: خوف المبالغة في تعظيمه فيفتتن كما افتتن اليهود بالسبت والنصارىٰ بالأحد.والثالث: إن سبب النهى خوف اعتقاد وجوبه .والرابع:إن يوم الجمعة يوم عيد فلا يصام فيه۔ وقد ورد: ((يوم الجمعة يوم عيدكم فلا تجعلوا يوم عيدكم يوم صيامكم)) وهذا الوجه أحسن الوجوه؛ لأنه منطوق الحديث اه .مختصراً والله تعالىٰ أعلم."(۲)

جمعہ کے روز نہی صوم کی تخصیص کی چند وجوہ علما نے ذکر فرمائیں:

(۱) اقامت وظائف واوراد جمعہ سے ضعف صوم مانع ہوگا۔ (۲) جمعہ معظم ایام ہے اس کی تعظیم میں مبالغہ کے خوف سے ممانعت فرمائی کہ کہیں مسلمان اس کی تعظیم میں ایسا مبالغہ کرنے لگیں جیسے یہود ہفتہ میں اور نصاریٰ تعظیم اتوار میں کرتے ہیں۔ (۳) اس خوف سے ممانعت فرمائی کہ اس کے وجوب کا اعتقاد نہ کرنے لگیں۔ (۴) روز جمعہ روز عید ہے، اس عید کے دن روزہ مناسب نہیں، خود حدیث میں وارد ہے:((يوم الجمعة يوم عيد كمفلا تجعلوا يوم عيد كم يوم صيامكم))۔(۳)

(روز جمعہ تمہارے لیے عید کا دن ہے لہٰذا عید کے دن کو روزے کا دن نہ بنالو) یہی چوتھی وجہ سب وجوہ سے احسن ہے کہ منطوق حدیث ہے۔ مختصراً۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ (مترجم)

---

(۱) [الترغيب والترهيب، كتاب الصوم:۲/۱۲۷]

(۲) [لمعات بر حاشيه مشكاة شريف:۱۷۹]